انجان

تحریر : جیا رانا

امریکہ میں ہر طرف رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا, اب ہم امریکہ کے سب سے بڑے شہر "میامی" کی طرف چلتے ہیں, جہاں کوئی شخص اُس گھر کے اندر کمرے کی الماری میں موجود لاکر کا پاسورڈ کھولنے میں مصروف تھا, جو پہلی ہی کوشش میں کھل گیا, اندر موجود چیزیں دیکھ کر اس شخص کی آنکھیں چمکی, اس لوکر کے اندر ہیرے,
زیورات, پیسے اور کچھ فائلز موجود تھیں, اس شخص نے ہیرے, زیورات اور پیسوں کو اپنے بیگ میں ڈالا اور فائلز کو وہیں رہنے دیا, پھر وہ شخص بیڈ کی طرف آیا, بیڈ پر دنیا جہاں سے بیگانہ ایک آدمی سویا ہوا تھا۔ وہ شخص اس آدمی کو دیکھ کر مسکرایا۔ پھر بیڈ کی سائیڈ پر پڑا پین اور پیپر پیڈ اٹھا کر اس پر کچھ لکھا۔
پھر پیپر پیڈ سے کاغذ پھاڑ کر وہ شخص دوبارہ سے لاکر کی طرف آیا اور اس کاغذ کو لاکر کے اندر موجود فائلز کے اوپر رکھ دیا, پھر لاکر کو بند کر کے اپنا بیگ اٹھا کر کھڑکی کی طرف آیا اور کود گیا۔

میامی میں صبح کی روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی, ایسے میں وہ آدمی اپنے بیڈ کی سائڈ پر موجود الارم کی آواز سے اٹھا اور فریش ہونے واشروم میں چلا گیا, فریش ہو کر وہ آدمی اپنی الماری کی طرف آیا اور اس میں سے لٹکے کافی سارے سوٹز میں سے ایک نکالنے لگا, سوٹ نکالنے کے بعد وہ الماری بند کرنے ہی لگا تھا کہ کچھ سوچتے ہوئے الماری میں موجود لاکر کو کھولنے لگا, لاکر کھولنے کے بعد جو اسے اندر دکھنا چاہیے تھا وہ نا دکھا اور وہ آدمی دھک سے رہ گیا, اس آدمی نے لاکر میں ہاتھ مار کر ساری فائلز کو نیچے گرایا تو ان فائلز کے علاوہ اسے لاکر میں کچھ بھی نا دکھا, اس آدمی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ کمرے میں اے_سی چلتے ہوئے بھی اسے پسینے آنے لگے۔ اس نے نیچے گری فائلز کو دیکھا تو ان فائلز کے ساتھ اسے ایک چھوٹا سا کاغذ بھی دکھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا, اس آدمی نے جلدی سے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا جس پر لکھا ہوا "Z" دیکھ کر وہ شخص بے ہوش ہوتے ہوئے بچا۔ کیونکہ وہ بے ہوش ہونے کا وقت نہیں تھا, وہ پولیس کو اطلاع کرنے کا وقت تھا۔

ناظرین تو ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ آج پھر سے میامی میں ایک بہت بڑی چوری کی واردات ہو چکی ہے اور وہ بھی ایک جانے مانے فلمز ڈائیریکٹر "مسٹر کرس" کے گھر میں, ان کا کہنا ہے کہ لاکر میں ہیرے, جواہرات اور بہت سے پیسے موجود تھے, اتنی سکیورٹی موجود ہونے کے بعد بھی یہ چوری کون کر سکتا ہے؟ یہ آپ سب اچھے سے جانتے ہیں۔ یہ کام کسی اور کا نہیں بلکہ "مسٹر Z" کا ہی ہے, جی ہاں "مسٹر Z" ایک بار پھر سے, ایک اور بہت بڑی چوری کی واردات "مسٹر Z" کے ہاتھوں, جس چور پر "مسٹر کرس" کچھ دنوں میں ایک فلم بنانے والے تھے آج اسی چور نے ان کے ہی گھر میں چوری کر ڈالی, شاید یہ کوئی اشارہ تھا, تو کون ہے یہ "مسٹر Z"؟ اور کیوں یہ چوری کے بعد کاغذ پر "Z" لکھ کر چھوڑ جاتا ہے؟ اس کا جواب آج تک کسی کو نہیں پتا چل سکا ہے۔ اور کیا پتہ چل پائے گا؟ یہ جاننے کے لیے ہمارے چینل کے ساتھ جڑے رہیے گا۔

وہ نیوز چینل کا لڑکا کیمرے کے سامنے اپنی انگریزی زبان میں آج کی چوری کی واردات کو دنیا تک پہنچا رہا تھا, جو کہ کسی اور نے نہیں بلکہ "مسٹر Z" نے کی ہے۔

بلیک ٹاپ کے نیچے جینز پہنے، آنکھوں پر سن گلاسز لگائے، فون پر کچھ دیکھتے ہوئے وہ پینسل ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ سڑک کی سائیڈ پر چل رہی تھی۔ کیا مغرور انداز تھا اس لڑکی کا، ارد گرد سے بے نیاز وہ اپنے سمارٹ فون میں کچھ دیکھ رہی تھی جب پیچھے سے کسی نے اسے پکارا۔

لیڈر!

پیچھے سے اسے ایک سانولے سے رنگ کی لڑکی نے پکارا تھا۔ لیکن وہ مغرور انداز میں نظرانداز کرتی ہوئی آگے چلتی رہی۔

"لیڈر! سنو تو۔" وہ سانولے سے رنگ کی لڑکی بھاگتے ہوئے اس کے ہمقدم ہوئی۔ لیکن وہ پھر بھی نا رکی، وہ اپنے سمارٹ فون میں ہی کچھ دیکھتی رہی۔

"زی"...!

اس لڑکی نے پھر سے پکارا تو زی کی ٹک ٹک کرتی پینسل ہیل رکی، فون پر سکرولنگ کرتا ہاتھ تھما۔ زی نے فون کو اپنے کندھے پر لٹکتے پرس میں ڈالا، اور ہاتھ باندھ کر مغرور سے انداز میں اس لڑکی کی طرف متوجہ ہوئی۔

“What?...”

ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔

"زی تم بات کیوں نہیں سنتی میری؟ "اس لڑکی نے خفا انداز میں کہا۔

" زی فضول باتوں کے جواب نہیں دیتی۔ "اسی مغرورانداز میں کہا گیا۔

" زی! ......زی! تم نے کل پھر سے...... مجھے بتائے بغیر ایک نئی واردات کی اور۔۔اور مجھے خبر دینا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ "وہ لڑکی بہت خفا ہو رہی تھی۔

" جس دن زی نے تمہیں بتا کر کوئی واردات کی، تو سمجھ لینا کہ وہ زی نہیں بلکہ کوئی اور ہی شہ ہے۔ "زی نے آنکھوں سے سن گلاسز اتارتے ہوئے کہا۔ گوری رنگت، سرمئی آنکھیں، کندھوں سے تھوڑے نیچے تک آتے بھورے بال جو کہ سٹیپ میں کٹے ہوئے تھے، کھڑی مغرور ناک، ہونٹوں پر مہرون لپسٹک، وہ بہت زیادہ خوبصورت تو نہیں لیکن خوبصورت تھی۔

" زی! اگر، اگر تم کسی دن پکڑی گئی تو، تمہیں۔۔ تمہیں یہ لوگ قید کر لیں گے۔۔ پھر کیا کرو گی تم۔ "اس لڑکی نے اسے سمجھانا چاہا۔

زی ہلکا سا مسکرائی، اور بولی۔ "زی کو قید کرنے والا آج تک کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ہے، اور جس دن پیدا ہو گیا نا، تو زی اسے خود قید کر لے گی۔ "

" زی اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ "اس لڑکی نے افسوس سے کہا۔

" یہ غرور نہیں, یہ زی خود ہے, اور زی کو غرور سے ملانے کی بلکل بھی کوشش نا کرنا۔" زی نے اس لڑکی کی سبز آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

سانولا رنگ, تیکھے نین نقوش, سبز آنکھیں, چھوٹی سی ناک, ہلکے گلابی لب, میک سے آری چہرہ, اور کمر تک آتے کالے سیاہ چمکتے سلکی بال, کسی آبشار کی طرح, بے شک وہ لڑکی سانولے سے رنگ کے ساتھ بھی خوبصورت نہیں, بلکہ بہت زیادہ خوبصورت تھی۔

" زی! تم یہ سب کام چھوڑ کیوں نہیں دیتی, تم۔۔ تم میرے ساتھ ریستوران میں جاب کیوں نہیں کر لیتی۔" وہ اسے اچھا مشورہ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

" زی یہ فضول قسم کی جابز کرنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی, زی لوگوں کو صرف اور صرف لوٹنے کے لیے پیدا ہوئی ہے, ان کے کام کرنے کے لیے نہیں, اپنے مشورے صرف اپنے تک محدود رکھو تو ہی بہتر ہے, زی کو مشوروں کی نہیں, خود کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ یہ کہہ کر اپنی سن گلاسز آنکھوں پر لگاتی اپنی مغرور چال چلتے ہوئے وہاں سے چل دی۔

پیچھے وہ لڑکی بس ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ اسے پتا تھا وہ زی ہے، وہ اس کی کوئی بات نہیں سنے گی، لیکن پھر بھی اسے سمجھانے کی ایک آخری کوشش کر ڈالی جو کہ بے کار گئی۔

رات نے میامی پر اپنے اندھیرے کی چادر پھیلا دی تھی۔

ایسے میں زی اپنے گھر میں اس لڑکی کے ساتھ کافی پینے میں مصروف تھی۔

وہ گھر تقریباً ایسا لگتا تھا جیسے سارا ہی لکڑی کا بنا ہو۔ لکڑی کی دیواریں، لکڑی کا فرش، لکڑی کا فرنیچر۔ گھر کے اندر داخل ہوں تو سامنے ہی لکڑی کی ایک دیوار تھی، جس کی دائیں جانب کچن، اور بائیں جانب لاؤنج تھا۔ کچن میں داخل ہوں تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کچن کے کاؤنٹرز بھی لکڑی کے ہیں، لیکن وہ کاؤنٹرز لکڑی کے نہیں بلکہ لکڑی نما دکھنے والے ماربلز کے تھے۔ کچن نا زیادہ چھوٹا تھا اور نا ہی زیادہ بڑا، بس نارمل تھا۔

کچن سے نکلیں تو سامنے ہی لاؤنج تھا, لاؤنج کے اندر داخل ہوں تو ایک طرف لکڑی کا چھوٹا سا ڈائننگ ٹیبل اور اِرد گرد اسکی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔اور سامنے ہی صوفے رکھے ہوئے تھے جو کہ بھورے رنگ کے تھے, ایک طرف ایک چھوٹا سا آتش دان بھی تھا جس کے آس پاس دو چھوٹے صوفے رکھے ہوئے تھے جو تھے تو چھوٹے مگر لمبائی میں بڑے تھے۔ان دو صوفوں پر وہ دونوں بیٹھی کافی کا مزح لے رہی تھیں۔لاؤنج سے آگے جاؤ تو تین کمرے تھے۔ان میں سے ایک کمرا زی کا تھا اور دوسرا کمرا اس لڑکی کا, تیسرا کمرا شاید سٹور روم تھا۔اس لڑکی کے کمرے میں داخل ہوں تو وہ سادہ سا کمرا تھا, نا چھوٹا نا ہی زیادہ بڑا, نارمل تھا۔درمیان میں سنگل بیڈ پڑا ہوا تھا جو کہ لکڑی کا ہی تھا, اور سائڈ پر ایک چھوٹی سی لکڑی کی الماری تھی, لکڑی کی الماری کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو کہ واشروم کی طرف کھلتا تھا, کمرے میں ایک سائڈ پر ایک چھوٹا سا لکڑی کا ڈریسنگ ٹیبل پڑا ہوا تھا, جس پر سنگھار کے لیے بلکل معمولی سی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ایک چھوٹا سا بکس ریک بھی تھا جو کہ کتابوں اور انگلش ناولز سے بھری پڑی تھیں, اگر ہم اس لڑکی کے کمرے سے نکل کر سامنے والے کمرے یعنی کے زی کے کمرے میں جاتے ہیں تو وہ بلکل اس لڑکی کے کمرے جیسا ہی تھا۔کچھ بھی مختلف نا تھا سوائے اس کے, کہ اس لڑکی کے کمرے

میں بکس ریک تھا لیکن زی کے کمرے میں نہیں تھا۔۔چونکہ زی کتابیں اور ناولز نہیں پڑھتی تھی۔اب ہم زی کے کمرے سے نکل کر باہر لاؤنج میں آتے ہیں جہاں وہ دونوں بیٹھی تھیں۔

زی آتش دان میں جلتی لکڑیوں کو کھوئے ہوئے انداز میں دیکھ رہی تھی اور وہ لڑکی لب بھینچے زی کو دیکھ رہی تھی۔

" زی تم ایسی کیوں ہو؟"اس لڑکی نے سوال کیا۔

" میں زی ہوں, اور میں ایسے ہی اچھی ہوں, مجھے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔"زی شاید جانتی تھی کہ وہ بات کو کس رخ لے کر جانا چاہ رہی ہے اس لیے آتش دان میں جلتی ہوئی لکڑیوں کو اسی طرح کھوئے ہوئے انداز میں دیکھتے بولی۔

" زی تم ایسی سڑی ہوئی بلکل فضول لگتی ہو, بلکل ایک دو نمبر لڑکی کی طرح۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

" یتیم بچے لوگوں کو دو نمبر ہی لگتے ہیں اپنی نظروں میں۔" بلکل سپاٹ چہرے کے ساتھ جواب آیا۔

وہ لڑکی جھٹکا کھا کر حیرت سے اچھلی۔"زی۔۔زی میرا وہ مطلب نہیں تھا۔"

" ہونہہ ۔۔ جانتی ہوں بہت سے مطلب ہوتے ہیں لوگوں کے اس ایک مطلب کے پیچھے جسے وہ کہتے ہیں ”میرا وہ مطلب نہیں تھا“ ۔۔"

" زی میں ”لوگوں“ نہیں، تمہاری اپنی ہوں۔" اس لڑکی کو بہت دُکھ ہوا تھا زی کی بات پر۔

" میرا کوئی اپنا نہیں ہے، میں یتیم ہوں، تم بھی یتیم ہو، اور سب سے بڑی بات ہم ایک دوسرے کے لیے ”انجان“ ہیں۔" کیا انداز تھا زی کا، وہ اپنی باتوں سے کسی کو بھی لاجواب کرنے کی طاقت رکھتی تھی۔

(ہونہہ ۔۔۔ دس سال سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں پھر بھی ایک دوسرے کے لیے انجان ہیں) اس لڑکی نے کڑھ کے سوچا، زی کے سامنے کہتی تو اس نے پہلی بات میں ہی لاجوب کر دینا تھا۔

" تم جانتی ہو زی کہ دنیا گول ہے۔" اس لڑکی نے بات کو بدلنا بہتر سمجھا۔

زی ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔" دنیا گول نہیں، زمین گول ہے۔"

" م ۔۔ م ۔۔ میرا مطلب ہے، وہی کہ ۔۔ کہ زمین گول ہے۔" وہ لڑکی ہڑ بڑا ہی تو گئی تھی، بات بدلنا اسے مہنگا پڑ گیا تھا۔

" تم نے اپنے ایک مطلب کو دو رخ دیے ہیں, یعنی کہ زمین اور دنیا, جو کہ زی کی نظر میں بلکل غلط ہے۔" زی ابھی بھی آتش دان میں جلتی لکڑیوں کو دیکھتے کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

" زی کی نظر میں یہ غلط ہے, لیکن زی کی نظر میں چوری کرنا غلط نہیں ہے, واہ, واہ, کیا کہنے ہیں آپ کے زعیمہ صاحبہ۔" وہ لڑکی طنز کرنا نہ بھولی۔

" مجھ پر اپنے یہ دو نمبر طنزیہ جملے کسنے بند کر دو۔" افف زی کا انداز کیسا قاتلانہ تھا۔۔

" تم کیوں مجھے ہمیشہ غلط سمجھتی ہو؟۔"

" جو کسی کو بھی صحیح سمجھ لے, وہ زی نہیں۔" اس بار زی نے آتش دان سے نظریں ہٹا کر اس لڑکی کی سبز آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

" ہم دونوں پچھلے دس سال سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں, پھر بھی شاید تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے۔" وہ لڑکی زی کی سرمئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

زی پھر سے ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔" ایک یقین ہی تو ہے جو زی تم پر کر سکتی ہے, صرف ایک یقین, زی یہ بھی جانتی ہے کہ تم زی کا یقین توڑنے سے پہلے مرنا پسند کرو گی, اس لیے زی تم پر خود سے بھی زیادہ یقین رکھتی ہے, خود سے بھی زیادہ, اور یہ

تم اچھے سے جانتی ہو، اور خود سے بھی زیادہ یقین کا مطلب ہے کہ تم زی کی سب سے بڑی طاقت ہو۔"

اب وہ لڑکی بھی مسکرائی۔ "زی تم ویسے اتنی بُری نہیں ہو جتنا کہ میں تمہیں سمجھتی ہوں۔"

" اور تم اتنی بھی اچھی نہیں ہو جتنا کہ میں تمہیں سمجھتی ہے۔" کندھے اچکا کر کہا گیا۔ اس لڑکی نے غصے اور سوالیہ نظروں سے زی کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ "مطلب کیا ہے تمہارا؟"

" جو تم سمجھو۔" زی نے کہا اور کافی کا مگ ہاتھ میں پکڑے اٹھ کھڑی ہوئی اور کچن کی طرف چل دی۔

" زی تم بہت بہت بُری ہو۔" اس لڑکی نے پیچھے سے کہا۔

" بے شک۔" زی نے مڑے بغیر کہا تو وہ لڑکی جل بھن کر رہ گئی۔

وہ رَننگ مشین کے اوپر اپنی پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا، وہ پسینے سے شرابور ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ بھاگ رہا تھا۔ اس کا خاص آدمی یعنی کہ رائٹ ہینڈ اسے یوں بھاگتے دیکھ تھک چکا تھا لیکن وہ نا تھکا تھا۔

بوس! آخر کار صائم (خاص آدمی) نے اسے پکار لیا۔

اس نے بھاگتے ہوئے ہی اپنی کالی سیاہ آنکھوں کو صائم کی شہد رنگ آنکھوں میں گاڑھا۔

" بوس! کل ہم نے جس کے ساتھ ڈیل فائنل کی تھی وہ آدمی آپ سے ملنا چاہ رہا ہے۔" صائم نے ہاتھ پیچھے باندھ کر بتایا۔

" کیوں؟" اس نے اپنی رننگ مشین کا اوف بٹن دبا کر اسے روکتے پوچھا۔ اور پھر مشین سے نیچے اُتر آیا۔

" بوس وہ ڈیل کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔" صائم نے اسے تولیہ پکڑاتے کہا۔

" کیوں؟" تولیہ تھام کر وہ چہرے اور جسم پر آئے پسینے کو صاف کرنے لگا۔ گندمی رنگت، کھڑی مغرور ناک، کالی سیاہ آنکھیں جن میں بہت گہرائی تھی، ہلکی ہلکی شیو، ماتھے پر سٹائل سے بکھرے بال، بے شک وہ ایک خوبرو مرد تھا۔

" بوس! وہ کہہ رہے تھے کہ انہیں ڈیل کے بارے میں آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" صائم نے دوبارہ سے ہاتھ پیچھے باندھتے کہا۔

" انہیں کہہ دو کہ، آہل احمد بٹ، صرف ایک بار ڈیل فائنل کرنے کے لیے ملتا ہے, اس کے بعد اسے تم ڈیل کرتے ہو۔" کیا غرور تھا۔

" لیکن بوس وہ کہہ رہے۔۔۔۔" ابھی صائم بول ہی رہا تھا کہ آہل نے اس کی بات کاٹ دی۔

" آہل احمد بٹ, کی زندگی میں لیکن کا مطلب "ختم" ہوتا ہے, مجھے "لیکن" کہنے سے پہلے تم ڈیل کو ختم کر دیا کرو تو ہی بہتر ہے, شاید انہوں نے میرے بارے میں معلومات نہیں لی تھی۔ ایسی ہی بات ہے نا؟" آخر میں اس نے اپنی نظروں کو صائم کی آنکھوں میں گاڑھا, تو صائم فوراً سے نگاہ جھکا گیا, اور شرمندگی سے بولا۔" سوری، بوس!, میں انہیں سمجھا دوں گا۔"

" گُڈ۔۔۔اور جو میں نے تمہیں کام دیا تھا وہ کیا ہے نا؟" صائم کو شاباشی دیتے ہی اس نے اگلا سوال جھاڑا۔

" جی، بوس! آپ صائم کو کوئی کام دیں اور وہ نا کرے, صائم اس سے پہلے مرنا پسند کرے گا۔" آہل ہلکا سا مسکرایا, بے شک وہ اس کا بہت وفادار تھا۔

" چلو پھر دیر کیسی؟" آہل بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا، صائم بھی اس کے پیچھے گیا۔

وہ دونوں ایک اندھیرے میں ڈوبے کمرے میں داخل ہوئے جہاں ہر طرف اندھیرا تھا، سوائے اس درمیانی حصے کے جہاں ایک چھوٹا سا بلب لٹک رہا تھا۔ اور اس کے نیچے ایک آدمی کو رسیوں سے باندھا گیا تھا۔

آہل اس آدمی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس آدمی نے آہل کے سامنے آنے پر آہستہ سے نظر اٹھا کر دیکھا، تو اس آدمی کی نظریں آہل کی گہری کالی آنکھوں پر آ کر ساکت ہو گئیں۔ وہ شخص ڈر سے کانپنے لگ گیا، اس شخص کا وجود اب بہت تیزی سے کانپنے لگ گیا تھا۔

اس آدمی کی حالت دیکھ کر آہل ہلکا سا مسکرایا اور اپنے مغرور انداز میں بولا۔ "اگر اتنا ہی ڈر تھا میرا تو کیوں غداری کی مجھ سے، کیوں میرا یقین توڑا، اب یقین توڑنے کی سزا تو بنتی ہے نا آہل کے ہاتھوں۔"

" س۔۔س۔۔سس۔۔و۔۔سور۔۔سوری سر، صرف ایک موقع دے دیں۔" اس آدمی سے ٹھیک طرح سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"آہل احمد بٹ, موقع صرف ایک بار دیتا ہے, اور وہ موقع تم گنوا چکے ہو, اگلا موقع دینے کے لیے آہل کوئی موقع دینے کے قابل ہی نہیں چھوڑتا۔" کیا انداز تھا اس کا۔

"صائم, ڈرل مشین پکڑاؤ۔" صائم کو حکم دیا گیا۔

"اوکے، بوس!" صائم نے ڈرل مشین کی تار کو سوئچ بورڈ پر لگایا اور پھر ڈرل مشین آہل کو پکڑا دی۔ ڈرل مشین پکڑانے کے بعد صائم واپس اپنی جگہ جا کر ہاتھ پیچھے باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس آدمی کو اپنی آدھی جان جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ "سر۔۔ سر پلیز۔۔ ایک۔۔ ایک موقع دے دیں۔" وہ آدمی اب روتے ہوئے منت کر رہا تھا۔ لیکن وہ آہل نہیں جو کسی کی سُن لے, آہل صرف اپنی کرتا تھا, اور اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

آہل نے ڈرل مشین کا بٹن دبا کر مشین کو اون کیا۔

"سر پلیز۔۔ پلیز سر۔۔ صرف صرف ایک اور موقع دے دیں۔" اب اس آدمی کے رونے میں روانی آ گئی تھی۔

" انہیں ٹانگوں کے ساتھ چل کر تم نے میرے دشمنوں کو میری انڈسٹری کی ساری معلومات دی تھی نا۔" آہل دانت پیستے ہوئے بولا اور ڈرل مشین کو اس کی ٹانگوں کی طرف بڑھانے لگا۔

" سر پلیز۔۔پلیز سر مجھے معاف کر دیں۔" وہ آدمی اونچی آواز میں روتے ہوئے آہل کی منت کر رہا تھا۔

لیکن آہل نے ڈرل مشین کی تیزی سے گھومتی ہوئی لوہے کی سلاخ کو اس آدمی کی ٹانگ کی طرف بڑھایا۔

" اس آدمی کی فلک شگاف چیخ کمرے میں گونجی۔اس شخص کی ٹانگ سے خون فوارے کی طرح نکل رہا تھا,وہ آدمی چیخ رہا تھا درد سے چلا رہا تھا,لیکن وہ آہل تھا,اسے کسی کا درد محسوس نہیں ہوتا تھا,وہ صرف درد دینا جانتا تھا,درد محسوس کرنا نہیں۔"

" انہیں ہاتھوں سے جا کر تم نے میری انڈسٹری کی فائل ہمارے دشمنوں کو پکڑائی تھی نا۔" آہل نے اس چیختے ہوئے آدمی کے ہاتھوں کی طرف ڈرل مشین کو بڑھاتے کہا۔

وہ آدمی اس طرح چیخ رہا تھا جیسے ابھی اس کا گلا پھٹ جائے گا, لیکن اس کی چیخ و پکار سننے والا وہاں کوئی نا تھا, صائم بھی آہل کے ساتھ رہ رہ کر پتھر دل ہو چکا تھا, جس شخص کو بھی آہل کے پاس رہنا ہوتا تھا, اسے پتھر دل بننا پڑتا تھا۔

آہل نے ڈرل مشین کا بٹن دبا کر اسے بند کیا اور اسے زمین پر پھینک دیا, آہل کے ہاتھ اور کپڑے خون سے بھر چکے تھے۔ "اسے ایسے ہی لے جا کر اس کے گھر کے آگے پھینک دو۔" صائم کے لیے ایک نیا حکم آیا۔

" جی، بوس!" صائم نے اس کے حکم پر اپنا سر خم کیا۔

" میامی کب جانا ہے ہم نے؟" اس نے اپنے سوٹ کا کوٹ پہنتے ہوئے پوچھا۔

" سر کل آٹھ بجے کی فلائٹ ہے, اسلام آباد سے میامی کی۔" صائم نے بتایا۔

" ٹھیک ہے, اب وہاں جا کر بھی بزنس سنبھالنا ہے ہم نے, اور کچھ لوگوں کی عقل بھی ٹھکانے لگانی ہے, جو کہ اپنی حد سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔"

" جی، بوس"!

زی! وہ لڑکی زی کو پکارتی ہوئی اس کے کمرے میں آئی تو وہ وہاں موجود نا تھی۔

" ضرور اپنے اس کباڑ خانے میں گئی ہو گی۔" اس لڑکی نے خود سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا، اور کمرے کے اندر موجود الماری کی طرف گئی۔ الماری کھول کر اس نے لٹکتے ہوئے کپڑوں کو سائیڈ پر کیا، تو سامنے ہی اسے ایک لوہے کا نقلی چہرہ نظر آیا، جس کی دو آنکھوں میں اس نے اپنی دائیں اور بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلیوں کو ڈالا تو وہ دروازے کی طرح کھُلتا چلا گیا۔ وہ لڑکی الماری میں داخل ہوئی اور سڑھیاں اترتی نیچے کی طرف بڑھ گئی۔

" وہ ایک لگژری کمرا تھا، اس کمرے میں ہر چیز لگژری تھی، بیڈ، وارڈروبز، ڈریسنگ ٹیبل، صوفے سب کچھ لگژری تھا، ڈریسنگ ٹیبل، میک اپ، پوفیومز، اور ایسی چیزوں سے بھرا پڑا تھا، کمرے کا پینٹ، فرنیچر، سب کچھ ہی سفید اور سنہری رنگ کا تھا، بے شک وہ کمرا بہت بہت خوبصورت تھا۔ وہ گھر جتنا اوپر سے غریب خانہ نظر آتا تھا نیچے سے اتنا ہی خوبصورت تھا۔

وہ لڑکی چلتی ہوئی اس لگژری کمرے سے ملحقہ ایک اور کمرے میں گئی, جہاں وہ موجود تھی۔

" وہ کمرا تقریباً پہلے والے کمرے جتنا ہی تھا, لیکن وہ لگژری نہیں تھا, اس کمرے میں بہت سی مشینیں پڑی ہوئی تھیں, دیواروں پر بڑی بڑی الماریاں تھیں, سامنے ہی ٹیبل پر بہت سے لیپ ٹاپز, سمارٹ فونز اور کافی ساری ڈیوائسز پڑی ہوئی تھیں, ایک ٹیبل کے سامنے ہی وہ ہیروں کی بھرمار میں الجھی ہوئی کوئی کام کر رہی تھی, اس لڑکی نے افسوس سے اسے دیکھا۔

" کیا کر رہی ہو زی ؟" اس لڑکی نے پوچھا۔

" اندھی ہو گئی ہو ؟" وہ ہیروں کو جانچتے ہوئے بولی۔

" اللہ کا شکر ہے, میری آنکھیں بلکل صحیح سلامت ہیں۔" وہ بولی۔

" تو پھر جا کر شکرانے کے نوافل ادا کرو اپنے اللہ کو۔" وہ کام میں ہی مصروف بولی۔

" وہ تمہارے بھی اللہ ہیں۔" وہ لڑکی ناراضی سے زی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

" مجھے میرا مذہب نہیں پتا۔" وہ اسی طرح مصروف انداز میں بولی۔

" نہیں, تم مسلمان ہو, اور مجھے اس بات کا پکا یقین ہے۔" وہ لڑکی بہت یقین سے بول رہی تھی۔

" تمہیں صرف، یقین، ہے, لیکن تمہیں، پتا، نہیں ہے۔۔ زویا!!۔" زی نے آخر میں اس کا نام لیتے ہوئے اپنی سرمئی آنکھوں سے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھا۔

" لیکن، زی! مجھے ٹیچر نے بتایا تھا کہ جب تمہیں کوئی orphanage (یتیم خانہ) کے باہر چھوڑ گیا تھا تب تم تین سال کی تھی, اور تم تھوڑی اردو بھی بولتی تھی, میرا مطلب ہے اب بھی بولتی ہی ہو میرے ساتھ, اس کا مطلب تم بھی پاکستان سے ہو۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

" پہلی بات وہ، کوئی، نہیں زی کے، اپنے، تھے, یا تو میں ان کی صرف اولاد تھی یا پھر ناجائز اولاد تھی جو وہ مجھے یوں چھوڑ گ ۓ تھے, اور دوسری بات, اگر میں پاکستان سے ہوں بھی تو ضروری نہیں کہ میں مسلمان ہوں, پاکستان میں سارے ہی مسلمان نہیں ہیں۔" یہ کہتے ساتھ ہی زی دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

" لیکن زی جب تم orphanage میں آئی تھی تو تمہارے ساتھ ایک چھوٹا سا بیگ بھی تھا, جس میں تمہارے کچھ کپڑے تھے اور ساتھ میں ایک کاغذ بھی تھا

جس پر تمہارا نام لکھا ہوا تھا "زعیمہ"۔ مجھے ٹیچر نے بتایا تھا، اور زعیمہ تو ایک مسلم نام ہے۔"

" شش۔۔ زی کو صرف ایک دفعہ سننے کی عادت ہے، لیکن تم نے پچھلے دس سالوں سے یہ بات مجھے "تین ہزار ایک سو سات" دفعہ بتا دی ہے۔" یہ کہہ کر زی نے ان ہیروں میں سے سب سے بڑا ہیرا اٹھایا اور اسے دیکھنے لگی۔

زویا بچاری کا تو منہ کھل گیا۔

"مطلب کہ زی تم۔۔ تم گنتی رہتی تھی۔" زویا صدمے سے بولی۔

" زی کو پچھلے دس سال میں تمہارے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ یاد ہے، زی فضول چیزوں کو گننے میں اپنا وقت برباد نہیں کرتی۔" زی نے اب اس بڑے سے ہیرے کو اٹھا کر اپنے بنائے گئے مائکروسکوپ کے نیچے رکھا، اور مائکروسکوپ کی آنکھ سے اسے گھما گھما کر دیکھنے لگی کہ آیا وہ نکلی تو نہیں۔

" زی تمہیں پتا ہے کہ۔۔۔"

" زی کو سب پتا ہے۔" زی نے زویا کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور پھر مائکروسکوپ سے ہیرا اٹھا کر اسے ایک چھوٹے سے سٹینڈ کے اوپر رکھا۔ زویا نے اس ہیرے کو دیکھا، لیکن جب کمرے کے بلب کی روشنی اس ہیرے پر پڑی تو وہ اور زیادہ

چمکنے لگ گیا, جس کی وجہ سے ہیرے کی چمک زویا کی سبز آنکھوں میں چبھنے لگی اور زویا نے ناگواری سے نظریں پھیر لیں۔ وہ زی نہیں تھی, وہ زویا تھی, اسے ایسی چیزوں کی چاہت بلکل نہیں تھی۔"

" اچھا اگر زی کو سب پتا ہے تو زی کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ آسمان میں تارے کتنے ہیں۔ "

" جتنے کہ تمہارے سر پر بال۔" زویا نے ابھی ٹھیک سے سوال بھی نہیں کیا تھا کہ اس کا جواب زی نے پہلے ہی دے دیا۔

" نہیں جی, یہ جھوٹ ہے۔" زویا نے نامانتے ہوئے کہا۔

" تم بے شک گن کر دیکھ سکتی ہو۔" زی نے اب ایک چھوٹے سے ہیرے کو مائکروسکوپ کے اوپر رکھتے کہا۔

زویا تو لاجواب ہو گئ, وہ کیسے بھول گئ تھی کہ وہ زی ہے, اسے لاجواب کرنا آتا ہے۔

" اچھا تو چلو اب یہ بتاؤ کہ امریکہ کی ٹوٹل آبادی کتنی ہے؟" اپنے آپ کو ہارتے دیکھ زویا نے اگلا سوال داغا۔ لیکن وہ پھر سے یہ بھول چکی تھی کہ وہ زی ہے, وہ زویا نہیں ہے۔

"331,002,651" زی نے اب اس چھوٹے سے ہیرے کو ایک لال مخملی سی ڈبی میں ڈالتے ہوئے بتایا۔

" ہونہہ۔۔ تمہیں کیا لگا کہ تم مجھے اتنی آبادی بتاؤ گی اور میں مان جاؤں گی, کیونکہ مجھے خود کو نہیں پتا۔" دماغ تو زویا کا بھی چلتا تھا تھوڑا بہت, لیکن صرف تھوڑا بہت ہی۔

" میں ابھی گوگل پر دیکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر زویا نے اپنے ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا فون نکالا اور گوگل پر سرچ کرنے لگی, بلکل بے وقوفوں کی طرح۔

زویا نے جب گوگل پر سرچ کیا تو وہی جواب آیا جو کہ زی نے بتایا تھا, زویا نے شاک کی سی کیفیت سے زی کو دیکھا, لیکن زی سنجیدگی سے اپنے کام میں مصروف تھی۔

" وہ۔۔وہ۔۔۔ یہ تو آسان سا سوال تھا, ہر کسی کو اپنے ملک کی آبادی کے بارے میں پتا ہوتا ہے۔" سوائے بچاری زویا کے۔

" تم۔۔تم۔۔ تم نا مجھے کینیڈا کی ٹوٹل آبادی بتاؤ۔" زویا نے تھوڑی تلے شہادت کی انگلی رکھتے, سوچتے ہوئے اگلا سوال داغا۔ (ہونہہ۔۔اس کے بارے میں تو بلکل بھی نہیں پتہ ہوگا زی کو) زویا نے خوش ہوتے ہوئے سوچا, پر ہائے رے یہ خوش فہمیاں۔

"37,742,154" زی نے مصروف انداز میں بغیر سوچے سمجھے اس کا بھی جواب دے دیا, لیکن زویا نے مسکراتے ہوئے گوگل پر سرچ کرنا سٹارٹ کر دیا۔ اور گوگل نے جو جواب نکالا تھا, اسے دیکھ کر زویا مکمل طور پر لاجواب ہو چکی تھی, اب زی سے کچھ بھی پوچھنا اسے اپنی ہی بیستی لگ رہا تھا۔

" زی کیا تم میرے ساتھ ابھی شاپنگ پر چلو گی? آج میری ریستوران سے چھٹی ہے, اور کل تو مجھے میری سیلری بھی مل گئی تھی, میری حلال کی کمائی۔" زویا نے پوچھتے ہوئے اسے آخر میں جتایا بھی کہ دیکھو میری حلال کی کمائی ہے, تمہاری طرح حرام کی نہیں۔

زی ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔" تمہارے اسلام کے مطابق لوگوں کو حرام چیز کھلا کر حلال کمائی بھی ہوتی ہے بھلا۔"

(خیر آپ سب تو جانتے ہی ہیں کہ انگریز کیسی چیزیں کھاتے ہیں, یہ تو اچھا تھا کہ زی کو گوشت شروع دن سے ہی پسند نہیں تھا, ورنہ اس نے حرام گوشت کھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی تھی, کیونکہ بقول زی کے, زی کو اپنا مذہب ہی نہیں پتا تھا(

" ہونہہ۔۔۔اس میں میرا کیا قصور، وہ خود ہی حرام چیزیں منگواتے ہیں، اب میں تو کچھ نہیں کر سکتی، لیکن تمہیں اسلام کے بارے میں اتنا کیسے پتا؟" آخر میں اس نے ابرو اچکا کر اپنی سبز آنکھوں کو چھوٹا کرتے ہوئے پوچھا۔

" پچھلے دس سال سے دو ہزار سات سو نو مرتبہ تم مجھے گوشت نا کھانے پر اپنی حلال چیزوں کے لیکچر دے چکی ہو۔"

زویا کا منہ ایک بار پھر سے کھل چکا تھا، لیکن جلد ہی اپنا منہ بند کر کے دوٹوک سا پوچھا۔ "تم بس یہ بتاؤ کہ تم نے میرے ساتھ چلنا ہے کہ نہیں؟"

" نہیں۔" صاف جواب آیا۔

" پلیز چلو نا میرے ساتھ، پلیز، پلیز، پلیززززز۔" زویا نے اپنے دوٹوک انداز کو ایک طرف رکھ کر بھیگی بلی بنتے ہوئے منت کی۔

" میری ڈکشنری میں نہیں کا مطلب نہیں ہوتا ہے۔" وہ مصروف سی بولی۔

" لیکن میری ڈکشنری میں نہیں کا مطلب ہاں ہوتا ہے۔" وہ دانت دکھاتے بولی۔

" اور ہاں کا مطلب؟" ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔

" اور ہاں کا مطلب ہاں ہی ہوتا ہے۔" وہ پھر سے دانت دکھاتے بولی۔

" ٹھیک ہے, میں چلوں گی تمہارے ساتھ, لیکن ۔۔ "اس نے اپنا سوال ادھورا چھوڑ کر اپنی سرمئی آنکھوں سے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھا۔

" لیکن ؟" زویا نے سوالیہ نظروں سے زی کی سرمئی آنکھوں میں دیکھا۔

" تم باہر جا کر مجھے زی نہیں بلاؤ گی۔" زی نے اپنی بات مکمل کی۔

" اوکے ، لیڈر ر ! " زویا نے ہاتھ کو ماتھے پر رکھ کر سلامی دیتے کہا, تو زی گہرا سانس لیتی اس کمرے سے باہر نکل گئی, زویا بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگی۔

اس نے جہاز سے نکل کر میامی انٹرنیشنل ایئرپورٹ (MIA) پر اپنے قدم رکھے, چیکنگ کے بعد اب وہ دونوں میامی انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے باہر آرہے تھے, باہر نکلتے ہی سامنے ہی ان کی گاڑی ان کا انتظار کر رہی تھی, اس گاڑی کے آگے اور پیچھے بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں جو اس کے گارڈز کی تھیں۔

وہ نیوی بلو پینٹ کوٹ میں آنکھوں پر سن گلاسز لگائے اپنی مغرور چال چلتے ہوئے گاڑی کے پاس آیا۔ صائم بھی اس کے پیچھے تھا۔ آہل کے گاڑی کے پاس آتے ہی گارڈ

نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ آہل کے اندر بیٹھنے کے بعد صائم بھی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ان کے اندر بیٹھتے ہی گارڈز بھی ہاتھوں میں گنز لیے اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ گ ئے۔ ساری گاڑیاں اپنی منزل کو روانہ ہونے لگیں۔

" آہل کھڑکی سے باہر میامی کے گزرتے مناظر کو دیکھ رہا تھا, وہ پورے چار سال بعد پھر سے میامی آیا تھا, اپنا بزنس سنبھالنے, اور کچھ لوگوں کو ان کی اوقات دکھانے, جو کہ اپنی اوقات بھول چکے تھے۔ "

ان کی گاڑیاں میامی کے حسین نظارے کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی, امریکہ کا وہ شہر میامی, سچ میں بہت خوبصورت تھا۔ ہر طرف پانی تھا۔ اب ان کی گاڑیاں ایک برج کے اوپر سے گزر رہی تھی جو کہ پانی کے اوپر تھا۔

" اب جب وہ میامی آ ہی گیا تھا تو اس کی قسمت نے اسے بہت کچھ دکھانا تھا, بہت کچھ۔ "

وہ اپنے آفس کی عمارت میں پہنچ چکا تھا, اس کے عمارت میں داخل ہوتے ہی کچھ لوگ کھڑے ہو چکے تھے جو کہ اسے جانتے تھے, اور کچھ لوگ جو اسے جانتے بھی نہیں تھے وہ بھی اس کی آن بان دیکھتے ہی کھڑے ہو چکے تھے, لیکن وہ ان سب کو نظر انداز کرتا اپنے آفس کی طرف بڑھنے لگا اس کے آفس میں پہنچتے ہی ایک گارڈ نے دروازہ بند کر دیا۔

سامنے ہی ایک آدمی کو آفس چیئر پر باندھا ہوا تھا, کمرے میں آہل, صائم اور چار گارڈز موجود تھے, دو گارڈز تو اس کے ساتھ اندر آئے تھے اور دو گارڈز وہاں پہلے سے ہی موجود تھے, جنہوں نے اس آدمی کو آفس چیئر پر باندھا ہوا تھا, اس آدمی کی حالت عجیب ہی ہوئی پڑی تھی, جگہ جگہ سے اس کا پینٹ کوٹ پھٹا ہوا تھا, جیسے بہت مارنے کے بعد اسے اس آفس چیئر پر باندھا گیا ہو, اس آفس روم کے اندر موجود سارے ہی انگریز تھے سوائے آہل اور صائم کے۔

آہل اس بندھے ہوئے آدمی کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا اور انگریزی زبان میں بولا۔

" تمہیں کیا لگا تھا۔ تم مجھے دھوکہ دینے کی سوچو گے اور مجھے پتا بھی نہیں چلے گا, چار سال پہلے میامی کا سارا بزنس میں تمہیں سنبھالنے کے لیے دے کر گیا تھا, اور تم نے اس "سنبھالے" ہوئے بزنس کو "اپنا" ہی بزنس بنانے کا سوچ لیا, تم نے آہل کی

ہی انڈسٹری کے آدمی کو خرید کر آہل کی ہی فائل چُرانی چاہی, انٹرسٹنگ۔" آخر میں اس نے اس آدمی کے پلین کو داد دینے والے انداز میں سر ہلایا۔

" اب آہل کے ہاتھوں سزا بھی تو ملنی چاہیے نا تمہیں, ہمم۔" آخر میں "ہمم" اس نے غصے سے دانت پیستے ہوئے بولا۔

" صائم۔" اس نے آواز دے کر صائم کو اشارہ کیا تو صائم نے ایک سائڈ پر پڑی چھوٹی سی جلتی ہوئی انگیٹھی سے ایک جلتا ہوا کوئلہ کونے سے پکڑ کر اٹھایا اور اس جلتے ہوئے کوئلے کو آہل کی طرف بڑھایا جسے آہل نے ایک کونے سے تھام لیا۔

صائم نے گارڈز کو اشارہ کیا تو انہوں نے اس بندھے ہوئے آدمی کا منہ کھولا۔

آہل کوئلہ اٹھائے اس آدمی کے قریب آیا اور بولا۔" اسی زبان سے تم مجھے جھوٹ بول کر دھوکہ دیتے رہے تھے نا؟"

اس آدمی نے دائیں بائیں سر مارنے کی کوشش کی لیکن گارڈز کے پکڑنے کی وجہ سے اس کا سر ایک انچ بھی نہیں ہلا, اس آدمی کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے, لیکن وہ آہل تھا, اور آہل بہت بے رحم تھا۔

آہل نے جلتا ہوا کوئلہ اس آدمی کی زبان کی طرف بڑھایا۔

آفس روم میں ایک دل خراش چیخ گونجی, اس دل خراش چیخ سے وہ ساؤنڈ پروف کمرا بھی ہل کے رہ گیا تھا۔

وہ دونوں شاپنگ کے لیے گھر سے باہر نکل آئیں تھیں, اور اب پیدل مال کی طرف جا رہی تھیں۔

زویا وائٹ ٹاپ کے نیچے بلیک جینز پہنے اور ایک سٹائلش سا چھوٹا بیگ دونوں کندھوں پر ڈالے ہوئے تھی, پاؤں میں جوگرز جو کہ نیچے سے بہت موٹے تھے, کالے سیاہ بالوں کو آدھا کیچر میں باندھا ہوا تھا, جن کی چند آوارہ لٹیں اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں, اس کا چہرہ آج بھی میک اپ سے آری تھا۔ جبکہ زی بلیک ٹاپ کے نیچے بڑے بڑے پھولوں والی رنگ برنگی سی لانگ سکرٹ پہنے, پاؤں میں پینسل ہیل ڈالے, دائیں کندھے پر ایک سٹائلش سا پیارا پرس لٹکائے, سٹیپ کٹنگ بھورے بالوں کو کھلا چھوڑے, آنکھوں پر سن گلاسز, اور ہونٹوں پر مہرون لِپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔

وہ دونوں سڑک کی سائڈ پر چلتے ہوئے مال کی طرف جا رہی تھیں, زی مغرور سی چال چلتے ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ جا رہی تھی, لیکن زویا منہ میں ببل چباتے ہوئے, پاس سے گزرنے والے لوگوں کا ایکسرے کر رہی تھی, اور ساتھ دل ہی دل میں تبصرے بھی۔ زی سے کر نہیں سکتی تھی, بچاری۔

" اللہ معاف کرے, پچھلے دس سال سے دیکھ رہی ہوں, ان سب کے کپڑے آدھے سے آدھے ہوئے جا رہے ہیں, اللہ ہدایت دے انہیں۔" زویا نے پاس سے گزرتی ایک انگریز لڑکی کو دیکھ کر دل ہی دل میں تبصرہ کیا اور آخر میں دعا بھی دی, بچاری ہماری نیک پروین زویا۔

وہ دونوں "ڈولفن مال" کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

(ڈولفن مال, میامی کے دس سب سے بڑے مالز میں سے ایک ہے۔ ڈولفن مال میامی بین الاقوامی ہوائی اڈے کے بالکل مغرب میں واقع ہے۔ خریداروں کو دو سو سے زیادہ پرچون آؤٹ لیٹ, نام برانڈڈ سکاؤنٹ اسٹورز، 21 جیسے تیز فیشن پیش کرتا ہے۔ جیسے کہ مشہور اسٹورز اور آؤٹ لیٹس میں باس پروشاپس آؤٹ ڈور ورلڈ، برلنٹن کوٹ فیکٹری، مارشل، نییمن مارکس لاسٹ کال، اور اولڈ نیوی۔

یہاں ایک اسکرین مووی تھیٹر، اور سائٹ پر کھانے کے چار اختیارات بھی موجود ہیں۔ مہمان کو ونا گرِل میں سشی اور دستکاری کے کاک ٹیلز سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، بریئو ٹسکن گرِل میں پسندیدہ اطالین، میلینیز امیں ارجہ ٹیننین ڈیلائٹز، اور ڈیو اینڈ بسٹرز میں ہلچل مچانے والے آرکیڈ کے ساتھ ساتھ امریکی کلاسیکی بھی۔

ہر اتوار، سال بھر، خریدار آؤٹ ڈور کسانوں کے بازار کا بھی دورہ کر سکتے ہیں جس میں پچیس سے زیادہ دکاندار مقامی طور پر تیار شدہ پیداوار، بیکری کی اشیاء، تازہ پھول، پودے اور بہت کچھ فروخت کرتے ہیں۔(

" یارز۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ لیڈر (زویا پہلے زی کا نام لینے لگی تھی لیکن زی کی گھوری پر جلدی سے لیڈر بولی) یہ جگہ یاد ہے جب ہم دس سال پہلے orphanage سے بھاگ کر ایک ٹرک میں چھپ کر بیٹھ گ ئے تھے, اور وہ ٹرک میامی کے اسی مال کے سامنے رُکا تھا, پھر ہم جلدی سے بھاگ کر اس ٹرک سے اترے تھے, سچ میں کتنا خوفناک دن تھا وہ۔" زویا یاد کرتے ہوئے بولی۔

" پہلی بات تو یہ کہ وہ ایک خوفناک دن نہیں تمہاری اور میری آزادی کا دن تھا, اور دوسری بات یہ کہ تم پچھلے دس سالوں سے مجھے یہ بات پورے پندرہ سو دفعہ بتا چکی ہو آج کو ملا کر۔"

" ایک منٹ، ایک منٹ۔۔۔ تم نے اپنی پہلی بات میں "تمہاری اور میری" کیوں بولا؟ تم ہماری بھی تو کہہ سکتی تھی۔" زویا نے بات میں سے ان لفظوں کو اس طرح چُن کر نکالا تھا جیسے کہ پانی میں سے کوئی تنکا۔

" کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لیے "انجان" ہیں۔ "

" ہونہہ، انجان کہاں سے ہو گئے، پچھلے پندرہ سال سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور پچھلے دس سال سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں اور تم کہہ رہی ہو کہ انجان ہیں، زی تمہاری یہ بات بلکل فضول ہے۔" زویا نے تو آج کہہ ہی دیا، اسے پتا تھا اب زی کوئی الٹا جواب ہی دے گی، لیکن پھر بھی اس کی زبان۔

" میں یتیم ہوں، تم بھی یتیم ہو، ہمارے کوئی ماں باپ نہیں ہیں، اور سب سے بڑی بات ہمیں ایک دوسرے کے ماں باپ کا بھی نہیں پتا، کیونکہ ہم دوست بھی نہیں ہیں، اس لیے ہم ایک دوسرے کے لیے انجان ہیں۔" زی کی ٹک ٹک کرتی ہوئی ہیل فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

" ہونہہ، اب ایسے تو نا کہو، سب بتایا ہے میں نے تمہیں اپنے ماں باپ کے بارے میں، لیکن ایک تم ہی ہو جسے خود بھی اپنے ماں باپ کا نہیں پتا، اس لیے یہ تو بات ہی نہ کرو۔" زویا ناک چڑھا کر بولی۔

" میں کیسے کرلوں تمہاری باتوں پر یقین, کیا پتا تم جھوٹ بول رہی ہو۔" کندھے اچکا کر کہا گیا۔

" کیاااا؟۔۔۔ابھی پرسوں ہی تو تم نے مجھے کہا تھا کہ تمہیں مجھ پر یقین ہے۔" زویا کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

" میں نے کہا تھا مجھے ''تم پر یقین'' ہے, ''تمہاری باتوں پر یقین'' نہیں ہے مجھے۔" اُفف, کیا انداز تھا زی کا۔

" بیڑا غرق ہو تمہارا, پرسوں سے خوش فہمیوں میں ڈالا ہوا تھا مجھے تم نے, میں تو ہواؤں میں اُڑنے لگ گئی تھی۔"

" میں نے سچ کہا تھا, اور تم نے سچ کو ایک نیا رُخ دے دیا۔"

" صدقے, میرا یقین ہے لیکن میری باتوں کا نہیں, واہ, کیا بات کہی ہے تم نے۔" زویا منہ بنا کر بولی۔

وہ دونوں مال کے اندر داخل ہوئیں, مال اندر سے بہت ہی بڑا تھا, ہر طرف لوگوں کی گہما گہمی تھی, ان دونوں نے ایکسیلیٹر سڑھیوں پر اپنے قدم رکھے, تو وہ ان

سیڑھیوں کے ساتھ ہی اوپر جانے لگیں, زی نے اپنے سن گلاسز اُتار کر اپنے پرس میں رکھ دیے تھے۔

"   تم ایسا کرو تم نے جو لینا ہے وہ لے آؤ, اگلے آدھے گھنٹے بعد تم مجھے ادھر ہی ملنا, مجھے اپنے لیے کچھ ضروری سامان لینا ہے۔" یہ کہہ کر زی اس کی سنے بغیر وہاں سے چلی گئی۔

"   ہونہہ۔۔ ضرور اپنے کباڑ خانے اور چوری چکاری کے لیے ہی وہ "ضروری سامان" لینا ہو گا۔" زویا نے سر جھٹک کر سوچا۔

___________{   }___________

اپنے آفس کی عمارت سے وہ لوگ نکل آئے تھے, ان کے گاڑی کے پاس پہنچتے ہی گارڈ نے دروازہ کھولا, آہل بیٹھ گیا تو گارڈ نے دروازہ بند کر دیا, صائم بھی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا, کچھ دیر بعد گاڑی وہاں سے روانہ تھی۔

"   پہلے کسی مال پر چلو مجھے اپنے لیے کوئی ضروری سامان لینا ہے, پھر ہی ہم گھر جائیں گے۔" آہل نے اپنا حکم جاری کیا۔

"اوکے بوس۔" صائم نے اس کے حکم پر سر ہلاتے ڈرائیور کو کسی مال کے پاس جانے کا کہا۔ اور ہاتھ میں پکڑے فون بوٹس میں سے آگے اور پیچھے جانے والی گاڑیوں میں بیٹھے گارڈز کو اطلاع دی۔

ڈرائیور نے "ڈولفن مال" کے باہر گاڑی روکی, وہ دونوں گاڑی سے نکل کر مال کے اندر داخل ہونے لگے, صائم نے ہمیشہ کی طرح اپنی پینٹ پر گن بیلٹ پہنی ہوئی تھی جس میں گن تھی, صائم پہلے جا کر چیکنگ دروازے میں سے گزرا تو دروازے نے "بیپییپی" کرنا شروع کر دیا, گارڈ کے چیکنگ کرنے سے پہلے صائم نے گارڈ کو اپنا کارڈ دکھایا, کارڈ دکھانے کا مطلب یہ تھا کہ اسے گن کے ساتھ اندر جانے دیا جائے, کارڈ دیکھنے کے بعد گارڈ نے انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی۔

وہ دونوں مال کے اندر داخل ہو گئے, مال کے اندر ہر طرف گہما گہمی تھی۔ وہ دونوں ایکسیلیٹر سیڑھیوں کی مدد سے اوپر گئے, آہل ایک دکان کے اندر گھس گیا, اس دکان کا اندر سے اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد صائم دکان کے باہر آ کھڑا ہوا, اور آہل اندر اپنی خریداری کرنے لگا۔

صائم کو سامنے کھڑے ایک لڑکے کی حرکتیں بہت مشکوک لگ رہی تھیں, اس لیے وہ اپنی شہد رنگ آنکھوں کو چھوٹا چھوٹا کر کے اس لڑکے کی حرکتیں نوٹ کر رہا

تھا۔(وہ آہل کا خاص آدمی تھا, اسے ہر انسان کو مشکوک نظروں سے دیکھنا پڑتا تھا, وہ اس کا خاص آدمی ہی نہیں بلکہ اس کا وفادار بھی تھا, اور وہ آہل سے پیار بھی کرتا تھا)

زویا پاگلوں کی طرح اچھلتی اچھلتی ایک دکان میں داخل ہو رہی تھی جب اس نے کسی آدمی کو ایک انگریز لڑکی کو گھورتے پایا, جس کے کپڑے بلکل آدھے تھے, پر یہ بچاری زویا کی سبز آنکھوں کا دھوکا تھا کیونکہ صائم اس لڑکی کو نہیں بلکہ اس کی سائیڈ پر کھڑے لڑکے کو گھور رہا تھا۔

" بے شرم انسان, کیسے اس لڑکی کو گھور رہا ہے, ابھی جا کر اسے اُردو زبان میں گالیاں دے کر آتی ہوں۔" زویا بھاگتے ہوئے صائم کی طرف آئی اور اس کے سامنے کھڑی ہو گئی, صائم نے چونک کر اس سانولے سے رنگ کی لڑکی کو دیکھا۔

" کتے, کمینے, بے حیا, بے شرم۔" زویا میٹھا سا بول کر اسے گالیاں دے رہی تھی, اسے لگا کہ وہ انگریز ہے اس لیے اسے اس کی میٹھی زبان میں دی گئیں گالیاں سمجھ

نہیں آئیں گی مگر وہ سب سمجھ رہا تھا, صائم نے اس کے اس طرح گالیاں دینے پر غصے سے لال ہوتی آنکھوں سے گھور کر اسے دیکھا۔ پر وہ اگنور کرتے ہوئے پھر سے بولی۔

" کوئی شرم ہوتی ہے کوئی پیاری سی حیا ہوتی ہے, پر تم انگریز کیا جانو کہ وہ کیا ہوتی ہے, میرا بس چلے تو تمہیں میں اسی زمین میں گاڑھ دوں, یا پھر چھوٹے چھوٹے کر کے تمہارے ٹکرے کر دوں۔" زویا پھر سے میٹھی سی زبان میں بولی۔

" اے لڑکی, اپنی یہ فضول بکواس اور گالیاں اپنے پاس رکھو, سمجھی۔" صائم اپنی گن نکال کر غصے سے اس کے آگے کرتا اُردو میں بولا۔" زویا تو اندر تک کانپ گئ تھی, ایک تو اسے اُردو آتی تھی, اور اُپر سے وہ گن دکھا کر اسے ڈرا بھی رہا تھا۔

" م۔۔م۔۔۔مجھے لگا تم انگ۔۔۔انگریز ہو۔" وہ ڈر سے اٹکتے ہوئے بولی۔

" پاگل لڑکی میں تمہیں شکل سے انگریز لگتا ہوں؟" وہ غصے سے دانت پیس کر بولا۔ وہ صحیح ہی تو کہہ رہا تھا, اس کی آنکھیں شہد رنگ تھی اور رنگت گندمی۔ (چھ فٹ سے نکلتا قد، گندمی رنگت, ہلکی ہلکی شیو, بھورے بال جو کہ جیل سے پیچھے کی طرف سیٹ کیے ہوئے تھے, کھڑی ناک, شہد رنگ آنکھیں, اس کی شہد رنگ آنکھیں اسے خوبصورت بنا رہی تھیں۔ (

"   س۔۔۔ سوری۔۔۔ آگے سے نہیں کروں گی ایسا۔" وہ کہتے ہی جلدی سے وہاں سے بھاگی, کہ کہیں گولی ہی نا چلادے, بچاری زویا۔

پیچھے صائم صرف سر جھٹک کر رہ گیا۔

______________   ______________

"   آہل کے آتے ہی وہ دونوں ایک ساتھ چلنے لگے, آہل اپنی مغرور چال چلتے ہوئے جا رہا تھا, سامنے سے وہ بھی اپنی مغرور چال چلتے ہوئے ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ آرہی تھی, دونوں ہی ایک دوسرے کی سائیڈ سے ہو کر آگے بڑھ رہے تھے, تیزی سے ایک ہوا کا جھونکا ان کی طرف آیا تھا۔ وہ دونوں وہیں تھم گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی سائیڈ سے گزرتے وقت ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا, لیکن ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا اس ماحول میں, جو کہ دل میں اتر رہا تھا, لیکن کیا؟ یہ وہ خود نہیں جانتے تھے۔ کچھ لمحے بعد وہ دونوں سر جھٹک کر چل دیے۔"

"لیڈر! یار ابھی میرے ساتھ ایک بہت بُرا واقعہ پیش آیا۔" زویا ہاتھ میں شاپنگ بیگز پکڑے زی سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" زی نے کہا اور وہاں سے چل دی۔

"ارے سنو تو! ابھی میں مرنے والی تھی۔" زویا اس کے پیچھے پیچھے بھاگتے بولی۔

"مرنے والی تھی، مری تو نہیں نا۔" زی کو شاید کوئی دلچسپی نہیں تھی اس کی بات سننے میں، لیکن وہ بھی زویا ہی تھی، ایک دم باتونی سی، زی کو ساری بات بتا کر ہی دم لیا تھا اس نے۔

"اگر اس کے پاس گن تھی تو وہ کوئی عام انسان نہ تھا۔ اس نے اپنا کارڈ دکھایا ہوگا تو ہی اسے مال میں آنے کی اجازت دی ہوگی۔ اگر وہ گن اس کے پاس تھی تو وہ ضرور کسی کی حفاظت کے لیے ہی کھڑا تھا۔ اگر وہ اردو بول رہا تھا تو مطلب وہ پاکستان سے تھا۔ اور جس کی وہ حفاظت کر رہا تھا وہ بھی ضرور پاکستان کا ہی تھا۔ مطلب کہ پاکستان سے کچھ بڑے لوگ آئے ہیں میامی میں۔" آخری بات کہتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرائی۔

زویا کو سمجھ لگ گی کہ میڈم کیوں مسکرا رہی ہیں۔اس لیے اسے نصیحت کرتے فکر مندی سے بولی۔

"لیڈر پلیز یار, وہ بہت خطرناک لڑکا لگ رہا تھا مجھے, تم اب ان کے ساتھ کوئی واردات نہ کر دینا, مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں تمہیں کھو نا دوں۔ایک تم ہی تو میری اپنی ہو۔"

"پہلی بات, خطروں سے کھیلنا زی کو اچھے سے آتا ہے۔دوسری بات, میں تمہاری اپنی نہیں ہوں, ہم ایک دوسرے کے لیے انجان ہیں اس لیے میری فکر کرنا چھوڑ دو۔تیسری بات, میں زی ہوں, خطرے میں تو وہ لوگ زی کے ہاتھوں پڑنے والے ہیں۔"

"افف زی, اللہ پوچھے تمہیں, تم ایک بہت ہی بڑی چورنی ہو, شکر ہے میں بچی ہوئی ہوں تم سے اب تک, ورنہ تمہارا کیا بھروسہ میری حلال کی کمائی پر ڈاکا ہی نا ڈال دو۔"زویا بُرے بُرے منہ بنا کر بولی۔

"زی کسی غریب کو نہیں لوٹتی۔"وہ دونوں مال سے باہر نکل آئی تھیں اور اب سڑک کی سائیڈ پر چلتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کم اور طعنے بازی زیادہ کر رہی تھیں۔

"شکر۔(ابھی وہ شکر کا سانس خارج کر رہی تھی کہ اچانک سے اس کے ذہن میں جھما کہ ہوا) مطلب کیا ہے تمہارا؟"وہ آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"مطلب صاف ہے۔اگر تم جیسے غریب سمجھ جائیں۔"زی اپنے مغرورانداز میں چلتے ہوئے بغیراس کی طرف دیکھے کہہ رہی تھی۔

"کہاں سے غریب ہوں میں, اللہ کا شکر ہے اچھا کماتی ہوں۔"زویا گردن تھوڑی سی کڑا کر بولی۔

"ہونہہ, ایک ریستوران کی ویٹریس کتنا ہی کما لیتی ہو گی۔"اس نے طنز کیا۔

"ہاں تو کماتی تو ہوں نا, اور وہ بھی حلال, تمہاری طرح ڈاکے ڈال کر حرام کا پیسہ نہیں کمایا میں نے, پچھلے دس سال سے جاب کر رہی ہوں اس ریستوران میں, اور اب تو میری سیلری بھی اچھی خاصی ہو گئ ہے۔"وہ اس کے طنز کا جواب بڑے پیارے پیارے سے اندازوں میں دینے لگی لیکن زی کا دھیان اب اس طرف نا تھا اس کا سارا دھیان سامنے سے آتی ایک عورت پر تھا جس نے گلے میں ایک ڈائمنڈ کا ہار پہن رکھا تھا, زی کی آنکھیں چمکی, زی نے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو جھٹکا تو اس میں لگا ایک چھوٹا سا بلیڈ باہر نکل آیا۔اس عورت کے پاس سے گزرتے وقت زی نے بڑی ہی صفائی سے اس کے گلے کی سائڈ پر ہاتھ ڈال کر اس ہار کو اپنے ناخن میں لگے بلیڈ کی مدد سے کاٹ کر نکال لیا۔یہ کام اتنی صفائی سے کیا گیا تھا کہ اس عورت کو معلوم ہی نا ہو سکا۔زویا کا دھیان بھی اس طرف نا تھا کیونکہ وہ اپنی ہی باتیں کہے جا رہی تھی

بس۔ لیکن دور کھڑی گاڑی میں بیٹھے آہل نے بیک میرر میں سے یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا، پر وہ زی کا چہرا نہیں دیکھ پایا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ چلتی لڑکی کا اس نے چہرہ دیکھ لیا تھا۔

وہ دونوں گھر پہنچ چکی تھیں، اور زی گھر پہنچتے ساتھ ہی اپنے کمرے میں چلی گئ تھی، مطلب کہ اپنے خفیہ کمرے میں۔ اور زویا اپنے شاپنگ بیگز میں سے سامان نکالنے لگی۔ زویا نے اپنا ایک بیگ کھولا تو اس میں اس نے اپنے لیے دو شرٹز اور دو ہی جینز لی تھیں، پھر اس نے دوسرا بیگ کھولا تو اس میں نئے ہلکے گلابی رنگ کے جوگرز تھے جیسے کہ وہ پہنا کرتی تھی۔ زویا نے اپنا تیسرا اور چوتھا بیگ کھولا تو اس میں مہینے بھر کا گھر کے راشن کا سامان موجود تھا۔ اب جو وہ راشن لائی تھی اس کے آدھے پیسے تو اس نے ابھی زی سے وصولنے تھے۔ وہ راشن نکال کر کچن میں گئ اور جس چیز کو فرج میں رکھنا تھا اسے فرج میں رکھا اور جس چیز کو کیبنیٹ میں رکھنا تھا اسے کیبنیٹ میں رکھنے لگی۔

اور اگر ہم زی کے کمرے میں موجود الماری کے اس پار اس خفیہ لگژری کمرے سے ملحقہ دوسرے کمرے میں چلیں تو وہاں زی اپنے پرس میں سے اس ڈائمنڈ نیکلیس کو نکال کر ٹیبل پر رکھ رہی تھی, کچھ دیر اس ہار کو اچھے سے دیکھنے کے بعد اب وہ اس کے اندر لگے ہیروں کو ایک اوزار کی مدد سے نکال رہی تھی, سارے چھوٹے چھوٹے ہیروں کو نکالنے کے بعد اب وہ ان ہیروں کا ایک ایک کر کے معائنہ کر رہی تھی, ان ہیروں کا معائنہ کرنے کے بعد اس نے ان ہیروں کو ایک مخملی ڈبی میں ڈال دیا, وہ اس مخملی ڈبی کو لے کر ان بڑی بڑی الماریوں کی طرف آئی اور ان میں سے ایک الماری کا دروازہ کھول کر اس مخملی ڈبی کو اس کے اندر رکھا, وہ الماری چھوٹی بڑی ہر طرح کی ڈبیوں سے بھری پڑی تھی, جن میں اسی طرح کے بڑے اور چھوٹے ہیرے موجود تھے۔

اب ہم واپس کچن کی طرف چلتے ہیں جہاں پر زویا چیزوں کو کچن کیبنیٹ کے اندر رکھ رہی تھی, وہ ابھی چیزیں رکھ ہی رہی تھی کہ ان کے گھر کے دروازے کی بیل بجی۔

"کس کمینے کی اولاد کو موت پڑ گئی ہے اس وقت (اس نے غصے سے چینی کے بڑے پیکٹ کو کیبنیٹ میں پٹخا) چل بھی زویا اب جا کر دروازہ کھول, کیونکہ اگر تُو زی کا انتظار کرتی رہی تھی تو اس کمینے کی اولاد نے بیل بجا بجا کر بیل ہی خراب کر دینی ہے, اور پھر

مجھے زی کی منت کرنی پڑے گی کہ بیل ٹھیک کردو پیاری سی لڑکی۔" یہ کہتے ساتھ ہی چل دی زویا صاحبہ دروازے کی طرف, اور وہ بھی اونچی اونچی آواز میں باہر کھڑے شخص کو اردو میں گالیاں دیتی کہ اس کمینے انگریز کے بچے کو کونسا سمجھ لگ جانی ہے۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی اسے سامنے جو شخص کھڑا نظر آیا اسے دیکھ کر اس کا دل کیا کہ اردو گالیوں کے ساتھ ساتھ اس شخص کو بھی لات مار دے۔

سامنے صائم اپنی مکمل تر وجاہت کے ساتھ کمر پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا, اس کے ساتھ کالے رنگ کی پینٹ کوٹ میں ملبوس کچھ گارڈز بھی موجود تھے, بقول زویا کہ: بڑے بڑے کالے کیڑے۔

"اپنی یہ گالیاں اپنے پاس ہی رکھا کرو, سمجھی؟ ورنہ سوچے سمجھے بغیر میں نے تمہارا منہ توڑ دینا ہے اور تمہارے ساتھ جو لڑکی رہتی ہے مجھے اس سے ملنا ہے۔" یہ کہتے ساتھ وہ اس کی اجازت کے بغیر اپنے کالے کیڑوں کو لے کر اندر گھس گیا, اور بچاری زویا کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا, وہ انجان شخص اس کی ہی اجازت کے بغیر اسی کے گھر میں, اپنے کالے کیڑوں کے ساتھ, گھس آیا تھا, اور اوپر سے غضب یہ کہ گنز بھی موجود تھیں ان کے پاس۔

زویا نے اپنا منہ بند کیا اور غصے سے دانت پر دانت جماتی اندر کی طرف بھاگی, سامنے ہی وہ لاؤنج میں کھڑا اس لکڑی نما گھر کا جائزہ لینے میں سخت مصروف تھا۔

زویا اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور دانت پر دانت جما کر اس سے مخاطب ہوئی۔"نکل جاؤ میرے گھر سے اپنے ان کالے کیڑوں کو ساتھ لے کر, ورنہ میں پولیس کو بُلا لوں گی۔"

"صائم نے اپنی بیلٹ سے گن نکال کر زویا کے سر پر تانی اور خود بھی دانت پر دانت جما کر بولا۔"میں نے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ جو لڑکی رہتی ہے اسے بلاؤ, ورنہ ایک منٹ نہیں لگاؤں گا تمہیں شوٹ کرنے میں, پولیس کو تو پتا بھی نہیں چلے گا کہ تم اس دنیا میں ہو کہ نہیں۔"زویا کا چڑیا جیسا دل لرزنے لگا, اس کے گن تاننے پر۔

زی اپنے خفیہ کمرے میں موجود تھی جب اس کے کمرے میں موجود چھوٹی سی بیل بجی, جس کا مطلب تھا کہ گھر میں کوئی آیا ہے, اس نے لیپ ٹاپ کھول کر سارے گھر کے کیمراز میں دیکھا تو لاؤنج میں کوئی انجان شخص گارڈز کے ساتھ زویا پر گن تانے کھڑا تھا۔زی نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارا اور خفیہ کمرے کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی, اور ڈھاکی آواز سے دروازہ کھول کر باہر گئی, غصے سے اس کی سرمئی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میری بہن پر گن تاننے کی۔" وہ ان کے پاس جا کر دبے دبے غصے سے انگریزی میں بولی۔ زی کے آنے سے زویا کو تھوڑا سکون ملا۔ اسے پتا تھا وہ ان سے اکیلے ہی نپٹ لے گی۔ لیکن کچھ یاد آتے ہی زی کو بتانے لگی کہ "لیڈر اسے اردو آتی ہے۔" لیکن زی کی گھوری پر جلدی سے اس نے اپنا منہ بند کیا۔

"آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا میں۔ مجھے میرے بوس آہل احمد بٹ نے بھیجا ہے۔" وہ گن واپس سے بیلٹ میں ڈالتا ہوا اردو میں بولا۔

"کیاا؟ کہیں تم دی ورلڈ فیمس بزنس مین آہل احمد بٹ کی تو بات نہیں کر رہے؟" زویا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

صائم نے ایک نظر زویا کو دیکھا پھر زی سے مخاطب ہوا۔ "جی، وہی میرے بوس ہیں، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

زویا بچاری تو گرتے گرتے بچی، مطلب کہ وہ آہل احمد بٹ کا آدمی تھا، اس کے کرش کا، اور اس نے ہی اسے ادھر اس کے چھوٹے سے غریب خانے میں بھیجا تھا، اُفف۔

"اگر بات کرنی ہی تھی تو آرام سے بھی کر سکتے تھے تم، میری بہن پر گن تاننے کی کوئی ضرورت نہیں تھی تمہیں۔" زویا تو عش عش کر اٹھی زی کی بہنوں والی محبت دیکھ کر۔

"یہی میرا انداز ہے۔" صائم اپنی بھاری آواز کے ساتھ بولا۔

"تم ایسے ہو تو تمہارے بوس تو تم سے بھی زیادہ گ ئے گزرے ہونگے۔" زی اب غصے کی بجائے اپنے مغرور انداز میں بولی۔

"میں تو صرف بولتا ہوں, وہ تو کر کے دکھاتے ہیں۔"

"ہائے, میں صدقے واری جاؤں اپنے کرش آہل احمد بٹ کے۔" زویا میڈم صائم کی بات پر آہل کے صدقے واری جانے لگی تھیں۔

"اس کے کہنے کا مطلب ہے کہ اگر وہ اس کی جگہ ہوتا تو تم پر گن تاننے کی بجائے تمہیں شوٹ کر دیتا۔" زی نے زویا کو طنز کا طماچہ مارا۔ صائم نے بھی افسوس سے زویا کو دیکھا۔

زویا اب ہاتھ پیچھے باندھے شرمندگی سے زمین کو دیکھتے ہوئے اس پر پاؤں رگڑنے لگی۔

"کیا بات کرنی ہے تمہارے بوس نے مجھ سے۔" زی نے ابرو اچکا کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ تو وہی بتائیں گے۔ اس لیے آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"وہ خود کیوں نہیں آئے؟" ایک تو زویا کی زبان۔

"تمہارے اس غریب خانے میں ان کے لیے جگہ نہیں بن پانی تھی, اس لیے یہ فضول قسم کے سوال کرنا بند کرو۔" صائم نے اس کے بیچ میں بولنے پر اسے پھر سے جھڑکا, لیکن غریب خانے کا سُن کر زویا کو تو آگ ہی لگ گئ, جبکہ زی نے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"تمہارا مطلب کیا ہے ہاں؟ کہاں سے غریب ہوں میں؟ کماتی ہوں, اور وہ بھی حلال سمجھے, اس لیے تم اپنی زبان بند کر لو, مِڈل کلاس ضرور ہوں لیکن غریب نہیں ہوں۔"

"اوہ پلیز زز شٹ اپ, اپنی بکواس بند کرو, تمہاری بہن کا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ ایک دو لگا چکا ہوتا میں تمہیں ابھی تک۔" وہ بھی تپ اٹھا تھا۔

"اِنف, میں تم لوگوں کی بکواس سننے کے لیے نہیں کھڑی یہاں (زی ان دونوں کو لڑتے دیکھ بھڑک اٹھی) اور تمہارے بوس کو مجھ سے کیا بات کرنی ہے, آخر ایک یتیم لڑکی سے انہیں کیا کام ہو سکتا ہے؟" آخر میں وہ صائم سے مخاطب ہوئی۔

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا, پھر وہ خود ہی بتائیں گے کہ انہیں آپ سے کیا کام ہے۔"

"اگر میں نہ گئ تو؟" زی نے ہاتھ باندھ کر مغرور انداز میں پوچھا۔

صائم ہلکا سا مسکرایا اور بولا۔ "اگر آپ نہ گئی تو مجھے مجبوراً آپ کو خود یہاں سے زبردستی لے کر جانا پڑے گا۔"

(ہونہہ۔۔ شکل دیکھی ہے زبردستی والے نے اپنی, زی سے زبردستی کرے گا۔) زویا نے منہ بنا کر صائم کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

زی بھی ہلکا سا مسکرائی اور بولی "میں پولیس کو بُلا لوں گی۔"

"میں بُلانے دوں گا تب نا۔"

"وفادار لگتے ہو اپنے بوس کے۔"

"مر جاؤں گا, لیکن وفاداری نبھاؤں گا۔"

ہمم۔۔زی نے ابرو اچکا کر جیسے داد دی۔

"اوکے, چلوں گی میں تمہارے ساتھ۔" یہ کہہ کر زی نے گھر کے باہر قدم بڑھا دیے۔

"میں۔۔ میں بھی چلوں گی زی۔" اسے باہر قدم بڑھاتے دیکھ زویا بھی اس کے پیچھے جانے لگی تھی کہ صائم نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور دبا دبا سا غرایا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ساتھ جانے کی, اپنے اس غریب خانے میں ہی رہو۔"

"یو نا محرم، بے شرم، بے حیا، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔" زویا نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔ صائم کا تو سر ہی گھوم گیا اس کی بات اور انداز پر۔

"اب جلدی سے نکلوان کالے کیڑوں کو لے کر میرے غریب خانے سے۔" زویا نے جیسے اور ڈر مارا لیکن جب صائم کی لال انگارہ ہوتی آنکھیں دیکھی تو جلدی سے معصوم بنتی بولی۔

"م۔۔م۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔ کہ ان گارڈز کو لے کر باہر جاؤ تا کہ میں گھر کو کنڈے تالے مار سکوں، میری بہن جب بھی باہر جاتی ہے تو مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ لے کر جاتی ہے، اس لیے مجھے اب بھی اسی کے ساتھ جانا پڑے گا۔"

صائم بھی سر جھٹکتا اپنے گارڈز کے ساتھ باہر جانے لگا۔

"ہونہہ۔۔ نامحرم پر کرش کر سکتی ہے لیکن نامحرم کا چھونا گوارہ نہیں ہے میڈم کو۔" غصے سے سوچتا وہ پھر سے سر جھٹک گیا۔

جبکہ زویا نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے منہ چڑھایا۔

ان کی گاڑی مین گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی, جس کے آس پاس بہت سے گارڈز اس گھر کی رکھوالی کرنے کے لیے موجود تھے۔

زویا نے بُرا سامنہ بنا کر ان کالے کیڑوں کو دیکھا, جبکہ زی اپنی سرمئ آنکھوں کو گھوما گھوما کر اس گھر کے باہر کی ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھی, وہ آنکھوں سے شاید اس گھر کا نقشہ اپنے ذہن میں اتار رہی تھی۔

گھر بہت بڑا تھا, آس پاس بہت سے درخت موجود تھے, وہ گھر بلکل سمندر کے کنارے پر تھا, گھر کے ایک طرف ایک گیراج تھا جہاں پر بہت سی گاڑیاں موجود تھیں, گھر باہر سے دیکھنے میں حد سے زیادہ خوبصورت تھا, گھر کو سفید رنگ سے پینٹ کیا گیا تھا, لیکن گھر کی چھت بھورے رنگ کی تھی, ایسا لگتا تھا گھر کے الگ الگ پورشنز ہیں, گھر کے آس پاس لگے کھجور کے درخت اور گھر پر لگی کمرے کی کھڑکیاں اور ٹریس گھر کو اور زیادہ خوبصورت بنا رہے تھے, وہ گھر نہیں بلکہ لگژری ہوم تھا۔

جب زویا نے زی کی ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتی ہوئی آنکھوں کو دیکھا تو اس کے کان میں گھس کر کہنے لگی۔

"لے لو لے لو اس گھر کا جائزہ, میرے کرش کو بھی نا بخشنا تم۔"

زی نے زویا کو ایک سخت گھوری سے نوازا۔

گاڑی گھر کے آگے رکی, تو زی اور صائم گاڑی کا دروازہ کھولتے ہی نکل آئے لیکن بچاری غریب سی زویا۔ اس سے تو گاڑی کا دروازہ ہی نہیں کھل رہا تھا۔ وہ اب گاڑی کے دروازے کو پتا نہیں کون کون سی گالیوں سے نواز رہی تھی۔

صائم نے اسے گاڑی سے نکلنے کی ناکام کوشش کرتے دیکھ افسوس سے نفی میں سر ہلایا اور خود جا کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

زویا نے دروازے کو غصے سے ٹانگ ماری اور باہر نکل آئی, لیکن جب صائم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو وہ فوراً سے ہڑ بڑا کر زی کی طرف لپکی۔

ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا اور زی سے ٹکراتا ہوا چلا گیا, زی کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا اس جھونکے کے ٹکرانے سے, کچھ تو تھا اس ہوا کے جھونکے میں, شاید کوئی انجانہ سا احساس, آج دوسری دفعہ اسے یہ محسوس ہو رہا تھا, لیکن وہ سر جھٹکتی آگے بڑھی۔

صائم ان دونوں کو لے کر گھر کے اندر داخل ہوا۔

دروازے سے تھوڑا آگے ایک ہال تھا, ہال کی سائیڈز پر بڑی بڑی پینٹنگز موجود تھیں, اور ڈیکوریشن کا کچھ سامان, اس ہال سے آگے جاؤ تو بہت بڑا سا لاؤنج تھا, جہاں ہر جگہ سفید رنگ کے صوفے رکھے گ ئے تھے, لاؤنج کے دائیں جانب دو جگہ

سیڑھیاں تھیں جو کہ اوپر کی طرف جاتی تھیں, سیڑھیوں کی سائیڈ پر ایک بڑا سا پیانو بھی موجود تھا, سیڑھیوں کے درمیان میں ایک چھوٹا سا ہال بھی موجود تھا جس کی سائیڈز پر بہت سے کمرے تھے۔اس ہال کی دیواروں پر بھی پینٹنگز موجود تھیں, سیڑھیوں سے اوپر جاؤ تو وہاں بھی ہر طرف بہت سے کمرے موجود تھے, لاؤنج کی بائیں طرف دیوار میں ایک آتش دان بھی موجود تھا, اس کے آس پاس بھی سفید رنگ کے چار صوفے موجود تھے, جو کہ دو دو کر کے آمنے سامنے پڑے تھے اور ان صوفوں کے درمیان میں ایک شیشے کی میز بھی موجود تھی۔لاؤنج میں بھی بہت سی جگہ بڑی بڑی پینٹنگز موجود تھیں, لاؤنج کے درمیان میں ایک بڑا سا جگمگاتا ہوا فانوس بھی لٹکا ہوا تھا, وہ گھر اندر سے بھی بہت خوبصورت تھا, ہر چیز لگژری تھی۔

صائم انہیں وہیں بیٹھنے کا کہہ کر اوپر چلا گیا آہل کو بُلانے۔

زویا صوفے پر بیٹھی گال تلے دونوں ہاتھ رکھے اپنی سبز آنکھوں سے سیڑھیوں کی طرف دیکھنے میں مصروف تھی۔

"آہ۔۔پتہ نہیں کب آئے گا میرا کرش, دی پرنس, دی آہل احمد بٹ۔" زویا صاحبہ سوچ رہی تھی, لیکن زی صوفے پر بیٹھی, ہاتھ باندھے, ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اپنی

سرمئی آنکھوں کو گھوما گھوما کر اس کا گھر کا نقشہ اپنے ذہن میں اتار رہی تھی, ایک چھوٹے سے گلدان سے لے کر بڑی بڑی پینٹنگز تک کے نقشے کو وہ اپنے ذہن میں اتار رہی تھی۔

زویا جو سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہی تھی فوراً صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی, اس کی آنکھیں خوشی سے چمکی, کیونکہ دی آہل احمد بٹ اپنے مغرور انداز میں سیڑھیوں سے اُتر رہا تھا۔ زویا تو اس کو دیکھ کر خوشی سے گرتے گرتے بچی۔

زی نے نظر گھوما کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا, آہل نے بھی نظروں کا رُخ زی کی طرف کیا, دونوں کی نظر اچانک ہی ملی تھی اور ایک دوسرے کا دل زور سے دھڑکا گئی تھیں, کھڑکی سے ایک ہوا کا جھونکا اندر آیا اور ان دونوں سے ٹکرایا۔ زی اور آہل کا دل عجیب انداز میں پھڑ پھڑایا۔

"آہل کا دماغ سُن ہونے لگا تھا, وہ آنکھیں, وہ سرمئی آنکھیں, اُن میں اسے اپنا ہی عکس دکھ رہا تھا, لیکن اُن آنکھوں کا رنگ۔۔ اُن آنکھوں کا رنگ ہی تو بس مختلف تھا, اس کی آنکھیں سرمئی تھیں جبکہ اس کی آنکھیں سیاہ۔"

"زی کی حالت بھی آہل سے کچھ مختلف نا تھی, اس کو لگ رہا تھا اگر وہ کچھ اور دیر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی تو اس کی آنکھیں جھُلس جائیں گی, زی نے فوراً سے اپنی نظریں پھیر لیں۔"

زی کے نظریں پھیرنے پر آہل ہوش کی دنیا میں واپس آیا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا, زی صوفے پر اسی طرح بیٹھی رہی لیکن آہل پر جیسے احسان کرتے ہوئے اپنے مغرور انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی, اب وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"کیوں بُلایا ہے ؟" زی نے آہل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اردو میں پوچھا, یہ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ کیسے وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے, دونوں کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے لیکن اپنا مغرور انداز دونوں میں سے کسی نے نہیں چھوڑا تھا۔

"میں نے تمہیں ڈولفن مال کے باہر ایک لڑکی کا ہار لوٹتے دیکھا ہے آج۔" وہ آخر میں ہلکا سا مسکرایا تھا۔

زویا جو پیار بھری نظروں سے اپنے کرش کو دیکھنے میں مصروف تھی ایک دم سے اس کے چہرے پر ڈر پھیلا اب وہ خوف سے آہل کو دیکھ رہی تھی۔ لیکن زی کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح کوئی تاثر نا تھا, نا ڈر, نا خوف, کچھ بھی نا تھا بس وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"تو مسٹر کیا آپ کو اس لڑکی نے بتایا تھا؟ جو آپ نے مجھ سے یہ فضول سوال پوچھنے کے لیے یہاں بُلایا۔" وہ سر کہنے کی بجائے "مسٹر آپ" کہہ کر بات کر رہی تھی اور وہ بھی ڈی آہل احمد بٹ سے۔

"میں نے کہا ہے کہ میں نے "دیکھا" تھا۔"

"مسٹر آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ نے "لوٹتے" دیکھا تھا۔" وہ بھی زی تھی, برابری کا جواب دینا اسے بھی خوب آتا تھا۔

"زویا کی تو سانس ہی اٹکی ہوئی تھی, کہ اگر وہ پکڑی گئی تو, اگر۔۔اگر اسے جھیل بھیج دیا گیا تو, وہ اکیلی۔۔اکیلی کیسے رہے گی اس دنیا میں, اس کا زی کے علاوہ تھا بھی کون اس دنیا میں, اس کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی جسے وہ کمال محارت سے چھپا گئی, یہ وقت زی کے بچاؤ کا تھا, اگر وہ ایک بھی آنسو گرا دیتی تو زی پھنس سکتی تھی, اسے اپنے آنسو بعد کے لیے بچانے تھے۔

"ہمم, انٹرسٹنگ۔" آہل نے جیسے زی کو داد دی۔ "میں نے دیکھا تھا کہ تم نے اس عورت کا ہار بہت محارت اور صفائی سے نکالا تھا, مطلب کہ چوری کیا تھا۔"

"پہلے آپ لڑکی کہہ رہے تھے اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ عورت تھی۔"

"وہ درمیانی عمر کی عورت تھی۔"

"آپ پہلے یہ فیصلہ کریں کہ وہ عورت تھی کہ لڑکی۔"

"اس بات کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے کہ وہ لڑکی تھی یا عورت۔" وہ بھی گفتگو میں تیزی جانتا تھا۔

"واسطہ ہے۔"

"کیسے؟" ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔

"جب آپ کو یہی نہیں پتہ کہ وہ لڑکی تھی کہ عورت، تو آپ کو یہ کیسے پتہ ہے کہ اس کا ہار چوری کیا تھا اور وہ بھی میں نے۔"

"میں نے تمہارے ساتھ اس لڑکی کو دیکھا تھا۔" زویا کی طرف اشارہ کیا گیا۔

"اس کا مطلب آپ نے مجھے دیکھا ہی نہیں۔" زی طنزیہ مسکرا کر بولی۔

"بے شک، ایسی ہی بات ہے۔"

"تو مسٹر پہلے آپ ثبوت لے کر آئیں میرے خلاف پھر ہی مجھ سے سوال جواب کریں، چلو زویا۔ وقت برباد کیا ہے انہوں نے ہمارا۔" وہ آہل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آخر میں زویا سے مخاطب ہوئی، اور دروازے کی جانب بڑھی۔

"زویا تو پہلے ہی ڈر کے مارے پتہ نہیں اپنے آپ پر کیسے ضبط کیے ہوئے تھی، زی کے بولتے ہی وہ جھٹ سے اس کے پیچھے چل دی۔

"رُکو!" آہل انہیں باہر کی طرف بڑھتا دیکھ اسی جگہ کھڑا بولا۔

زی کے باہر جاتے قدم تھمے, زویا بھی آہل کی آواز پر ایک دم سے رُک گئ۔

آہل چلتا ہوا زی کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اپنے مغرور انداز میں بولا۔

"تم یہاں آئی تو اپنی مرضی سے تھی, لیکن جاؤ گی آہل کی مرضی سے۔" زی نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ کو کوئی حق نہیں ہمیں یہاں روکنے کا۔" یہ کہہ کر زی وہاں سے دروازے کی طرف چل دی, اس کے قدم تب رُکے جب دروازہ بند کر دیا گیا, زی نے مڑ کر غیض و غضب سے آہل کو دیکھا۔

"میں نے کیا کہا ہے کہ یہاں تم آئی اپنی مرضی سے ہو لیکن جاؤ گی آہل کی مرضی سے, تم ایک طرح سے اس گھر کو اپنی قید سمجھ لو, لیکن اس قید میں تمہیں تمہاری ضرورت کا سارا سامان ملے گا, میں جب تک تمہارے خلاف کوئی ثبوت نہیں ڈھونڈ لیتا تب تک تم یہیں رہو گی۔" اس کی بات پر زی کی سرمئ آنکھیں ضبط سے لال ہو چکی تھیں, لیکن زویا کا دل مانو اس کی بات پر پسیج گیا ہو۔

"صائم!" وہ زی کو دیکھتے ہوئے صائم سے مخاطب ہوا جو کب سے چُپ کھڑا ان کی باتیں سُن رہا تھا۔

"جی، بوس"!

"اس کی بہن کو جا کر ان کا کمرا دیکھا دو, مجھے ابھی ان میڈم سے بات کرنی ہے۔"

"جی بوس!" صائم اس کے حکم پر سر خم کرتا زویا کی جانب بڑھا۔

"میری بہن کو جانے دو گھر, ان سب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے, پھر ہم بات کریں گے۔" زی نے ڈری سہمی سی کھڑی زویا کو دیکھتے کہا۔

"وہ ادھر ہی رہے گی, تمہارے ساتھ, یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔۔ صائم میں نے تمہیں کیا کہا ہے, ان کی بہن کو تمیز سے ان کے کمرے میں بھجواؤ۔" وہ آخر میں پھر سے صائم سے مخاطب ہوا جو اس کے حکم پر سر خم کرتا زویا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرنے لگا۔ زویا نے زی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا کہ جائے یا نا جائے۔ زی نے آنکھوں سے اسے صائم کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا, تو وہ صائم کے پیچھے چل دی۔

صائم نے اوپر لے جا کر اسے اس کا کمرا دکھایا, وہ کمرے سے جانے ہی لگا تھا کہ زویا نے اسے پکارا۔

"سنو"!

صائم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں، تم جاؤ۔" وہ بس اتنا بولی، جبکہ صائم اس کے "کچھ نہیں" کہنے پر گھور کر اسے دیکھتا کمرے سے نکل گیا۔

"مسٹر کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ، آپ ٹھیک سے مجھے جانتے نہیں ہیں ابھی، اگر میں اپنی کرنے پر آئی نا، تو بچیں گے نہیں آپ میرے ہاتھوں۔" وہ انگلی دکھا کر اسے دھمکی دے رہی تھی، وہ آہل احمد بٹ کو دھمکی دے رہی تھی۔

"اپنی زبان سنبھال کر بات کرو مجھ سے، ورنہ ایک منٹ نہیں لگاؤں گا تمہیں تمہاری اوقات دکھانے میں۔" وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"اور میں ایک سیکنڈ نہیں لگاؤں گی مسٹر آپ کو آپ کی اوقات دکھانے میں۔" وہ دبا دبا سا غرائی۔

"تم۔۔۔(آہل بول ہی رہا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا) تمہیں تو میں بعد میں دیکھتا ہوں۔" چبا کر کہتا وہ ملازمہ کو آواز دینے لگا۔

اولیویا!

"یس سر۔" اولیویا بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی۔ اولیویا نے وائٹ شرٹ کے نیچے کالے رنگ کی گھٹنوں سے تھوڑا نیچے تک آتی سکرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اور پیروں میں کالے رنگ کی پینسل ہیل ڈالے وہ ایک ماڈرن سی میڈ تھی۔

"میم کو ان کے کمرے میں لے جائیں۔" وہ حکم دیتا فون کان سے لگائے وہاں سے چلا گیا۔

"چلیں، میم!" وہ لڑکی انگریزی میں بولی۔

"یہ تمہارے سر کب آئے ہیں، میامی؟" زی نے اولیویا سے انگریزی میں پوچھا۔

"سر آج صبح ہی آئیں ہیں، میامی۔" اولیویا نے جواب دیا۔

"آخری بار کب آئے تھے ادھر؟" زی ساری معلومات لے رہی تھی۔

"جی چار سال پہلے۔"

"ہمم۔" زی نے سر ہلایا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی زی نے دروازہ بند کر دیا, سامنے ہی زویا بیڈ پر بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔زی اس کے پاس آئی اور اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئ۔

"تم فکر۔۔۔"زی بول ہی رہی تھی کہ زویا زور سے اس کے گلے آلگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔زی اپنی جگہ بلکل ساکت ہو گئ۔

"ز۔۔زی۔۔ان لوگوں۔۔۔ان لوگوں نے ہمیں قید کر لیا ہے۔"وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے ساتھ بول رہی تھی۔

"زی میں بہت۔۔بہت ڈر گئ تھی۔۔تم۔۔تمہیں یہ لوگ جھیل بھیج دیتے تو۔۔تو میں کہاں جاتی؟زو۔۔زویا تمہارے بغیر مر جاتی زی, زو۔۔زویا زی کے بغیر ک۔۔کچھ بھی نہیں ہے کچھ بھی نہیں۔"وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی زی کے گلے۔

"ز۔۔زی اس۔۔اس دنیا میں ہم یتیموں کا ک۔۔کوئی نہیں ہے, ہم۔۔ہم۔۔مر بھی گ ۓ تو۔۔تو کسی کو بھی ن۔۔نہیں پتا چلے گا کہ۔۔کہ اس دنیا میں زویا اور زی نام کی بھی کوئی لڑکیاں ہیں, ک۔۔کوئی رونے والا نہیں ہو گا ہمارے لیے ہم۔۔ہمارے ماما بابا کیوں ہمیں اس یتیم خانے میں چھ۔۔چھوڑ کر چلے گ ۓ تھے, ک۔۔کیا بگاڑا تھا ہم نے ان کا۔"زی کی سرمئ آنکھیں ایک دم سے نم ہوئیں۔

"زی یہ دنیا۔۔ یہ دنیا ب۔۔ بہت بُری ہے۔۔ بہت بہت بُری, یہ دنیا ہم یتیموں کی نہیں ہے, ہم۔۔ ہم یتیم کسی فضول چیز کی ط۔۔ طرح اس دنیا میں پڑے رہتے ہیں, کیوں۔۔ کیوں ہمارے ماں باپ ہوتے ہوئے بھی ہم۔۔ ہمیں یتیم کر گ ئے۔"
زویا اس کے گلے لگے اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی, اچانک زی کی سرمئی آنکھ سے ایک چمکتا موتی نکلا اور زویا کے بالوں میں جزب ہو گیا۔

"زی کیوں۔۔ کیوں وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گ ئے تھے, ان۔۔ انہیں ہمارا اتنا بھی خیال نہیں آیا ک۔۔ کہ ان کی بیٹی اس یتیم خانے میں کیسے رہے گے, ان۔۔ ان کی بیٹی کو کتنا ڈر لگے گا اس یتیم خانے میں, ک۔۔ کیا ہم کوئی فالتو کی چیز تھے جو وہ ہمیں اس۔۔ اس یتیم خانے میں پھینک۔۔۔" آگے زویا سے بولا نہیں گیا, وہ ہچکیوں کے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر رو دی, پچھلے پندرہ سالوں کا غبار اب نکل رہا تھا۔ زی کے ساکت ہاتھوں نے حرکت کی, اس نے زویا کی کمر کو سہلاتے ہوئے اسے دلاسہ دینا چاہا۔

"ششش, خاموش۔۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں، یہ دنیا تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی, کچھ بھی نہیں, سمجھی۔"

کچھ دیر بعد زویا کی ہچکیوں کی آواز آنا بند ہو گئ, وہ سو چکی تھی, زی نے اسے اپنے سے الگ کیا پھر تکیے پر اس کا سر رکھ کر اس کے پاؤں سیدھے کیے اور اس کے اوپر لحاف اوڑھا دیا۔

زی نے اپنے لب زویا کی پیشانی پر رکھے پھر اس سے دور ہوتے اس کی سائیڈ پر آ کر لیٹ گئ اور چھت کو گھورنے لگی۔ آج کا سارا دن اس کی آنکھوں میں کسی فلم کی طرح چل رہا تھا۔

"وہ آہل احمد بٹ کیوں آگیا ہے اس کی زندگی میں, کیوں ؟ اچھی خاصی زندگی جی رہی تھیں ہم دونوں, کیوں آپ سے برداشت نا ہوا, کیوں آپ نے دس سال بعد پھر سے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا؟ کچھ تو رحم کریں ہم یتیموں پر۔"

ایک آنسو اس کی سرمئ آنکھ سے گال پر بہہ گیا اور نیچے گر کر تکیے میں جزب ہو گیا, اسے اپنا مذہب نہیں پتا تھا, لیکن اسے یقین تھا کہ خُدا ہے, جس نے اسے بنایا ہے, اسے نہیں پتا تھا کہ اس کا خُدا کون ہے, لیکن اسے یہ پتا تھا کہ خُدا ہے۔ وہ اپنے خُدا سے مخاطب تھی, جس نے اسے بنایا تھا, جس نے اس کے لیے زویا کو بھیجا تھا تا کہ وہ اس دنیا میں تنہا نا رہے, جس نے اسے دس سال پہلے مشکل سے نکالا تھا, ہاں اسے یقین تھا کہ خُدا ہے۔

"کیوں میری وجہ سے زویا بھی مشکل میں پڑ رہی ہے, کیوں ؟ کیا میں اتنی بُری ہوں, کہ میرے ساتھ رہنے والی یہ لڑکی بھی آج میری وجہ سے ایک انجان گھر میں رہ رہی ہے, جس میں سب لوگ ہمارے لیے انجان ہیں۔ بلکل انجان۔ ہم پر رحم کر میرے خُدا ہم پر رحم کر۔" ایک کے بعد ایک آنسو اس کے گال پر بہہ کر تکیے میں جزب ہو رہا تھا۔ اس کے پاس تو رونے کے لیے کاندھا بھی میسر نہیں تھا, یہ سوچ کر وہ پھیکا سا مسکرائی۔ اس کا بھی دل کرتا تھا کہ زویا کی طرح وہ بھی کسی کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے, اپنے دل کے اندر چھپا غبار نکالے۔ اس کا بھی دل چاہتا تھا کہ اس کو بھی دلاسہ دینے والا کوئی ہو۔

آہل کا دل ایک دم سے دھڑکا, کچھ ہو رہا تھا اس کے دل کو, کوئی احساس بار بار اس سے ٹکرا رہا تھا, یہ احساس بُرا نہیں تھا اور نا ہی اچھا, عجیب سا احساس تھا جسے وہ خود سمجھنے سے قاصر تھا, آج صبح سے تیسری بار اسے یہ عجیب سا احساس ہو رہا تھا, کیوں ؟

وہ ٹیرس پر کھڑا تھا جہاں سے میامی کے سمندر کا نظارہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن اس کا دھیان اس طرف نا تھا, وہ سوچوں میں گُم آج کے دن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"کون ہے یہ لڑکی؟اس کی آنکھوں میں ویرانی دیکھی تھی میں نے, بلکل ویرانی, کچھ بھی نہیں کہتی اس کی آنکھیں, چہرہ بھی بے تاثر تھا, کوئی تاثر نا تھا اس کے چہرے پر, کیوں؟

وہ سوچ رہا تھا اس بات سے انجان کہ وہ لڑکی سارا درد, ساری تکلیف اپنے اس چھوٹے سے دل میں چھپائے ہوئے تھی پچھلے پندرہ سال کا درد, پچھلے پندرہ سال کی تکلیف, جو اسے اندر ہی اندر کھا رہی تھی, جو اسے اندر ہی اندر جینے نہیں دے رہی تھی۔

وہ صبح کے چھ بجے اٹھی تو زی ٹیرس پر موجود تھی, زویا نے واشروم جاکر وضو کیا اور باہر نکل کر دروازے پر لگا پردہ نکالا اور نماز کے انداز میں اسے اپنے اوپر لپیٹ لیا, اب وہ نماز ادا کرنے کے لیے جائے نماز ڈھونڈنے لگی, جائے نماز تو خیر موجود نا تھا اس لیے کونے میں پڑی میز کی شیٹ اٹھا لائی اور اسے زمین پر بچھا کر نماز ادا کرنے لگی, جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنسوں لڑھیوں کی صورت اس کے گال پر بہنے لگے, وہ کچھ بھی نہیں

کہہ رہی تھی کچھ بھی بول نہیں پا رہی تھی، اس سے کچھ کہا ہی نہیں جا رہا تھا، بس وہ رو دی۔

"جب کہہ نا پاؤ تو رو لیا کرو، اللہ تو سب جانتا ہے۔"

کچھ دیر بعد جب اس کا دل ہلکا ہوا تو سلام پھیر کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی، پھر پردے کو واپس اس کی جگہ لگایا اور شیٹ کو واپس سے میز پر بچھا دیا۔

وہ شیشے کا دروازہ کھول کر ٹیرس پر گئی جہاں زی ریلنگ پر دونوں ہاتھ رکھے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔

ٹیرس پر دو صوفے موجود تھے اور اگر ٹیرس سے نیچے دیکھو تو ایک بڑا سا پول بھی تھا، پول سے آگے جاؤ تو ریلینگ کے سامنے ایک سمندر میں ایک موٹر بوٹ کھڑی تھی۔

"زی کیا سوچ رہی ہو؟"۔

زویا نے زی کے پاس جا کر پوچھا۔

"اب مجھے کچھ سوچنا نہیں ہے، اب مجھے سوچنا ہے ہی نہیں، اب میں کروں گی، وہ بھی سوچے سمجھے بغیر، اگر میں سوچتی رہی تو وہ آہل ہمیں یہاں سے جانے نہیں دے گا، وہ چاہتا ہے کہ میں یہ بات مان لوں کہ وہ ہار میں نے چُرایا تھا۔"

"پر وہ کیوں ایسا چاہتے ہیں؟"۔

زویا نے ناسمجھی سے پوچھا۔

زی پھیکا سا مسکرائی۔

"یہ دنیا بہت مطلبی ہے, وہ مجھے اپنے مطلب کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔"

"کونسے مطلب کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے؟"۔

زویا کو ابھی بھی سمجھ نہیں آئی۔

"اگر اسے پتا چل گیا کہ میں کیا ہوں تو وہ مجھ سے اپنے کام نکلوائے گا, وہ میری ذہانت کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کرے گا۔"

زویا نے لب بھینچ لیے۔

"تو اب ہم کیا کریں گے، زی؟"

وہ پوچھ رہی تھی۔

"اب ہم نے کچھ نہیں کرنا, جو کرنا ہے وہ کرے گا۔"

"مطلب؟"

زویا نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"وہ صائم کو بھیجے گا ہمارے گھر۔"

")صائم تم ابھی جاؤ گے اور اس کے گھر کی اچھے سے تلاشی لو گے, گھر کا کونا کونا چھان مارو, کچھ تو ملے گا اس کے خلاف, تمہیں یہ کام صبح صبح ہی کرنا ہو گا۔" وہ صائم سے کہہ رہا تھا۔

"اوکے، بوس(" !

"کیا؟۔۔۔پر کیوں؟"۔

زویا حیرت سے بولی۔

)صائم ان کے گھر پہنچ چکا تھا, اس نے گارڈز سے کہہ کر گھر کا تالا تڑوایا, اور پھر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔(

"وہ صائم کو ہمارے گھر بھجوا کر گھر کی تلاشی لینے کا کہے گا, تاکہ میرے خلاف کوئی ثبوت مل سکے۔"

)صائم نے گارڈز کے ساتھ مل کر سارا گھر چھان مارا تھا اور اب وہ زی کے کمرے میں جا رہا تھا, زی کے کمرے میں پہنچتے ہی اس نے سب گارڈز کو کونا کونا چھان مارنے کو کہا اور خود الماری کی طرف بڑھ گیا۔(

"زی اب۔۔اب کیا ہو گا, انہیں تمہارا خفیہ کمرہ مل جائے گا۔" زویا کو اب بہت ڈر لگ رہا تھا۔

)صائم نے الماری کھولی اور اس کے اندر موجود لٹکتے کپڑوں کو سائیڈ پر کیا۔ سامنے ہی اسے ایک لوہے کا چہرہ لگا نظر آیا, وہ اس کو دیکھ کر چونک گیا۔(

"خفیہ کمرہ ہو گا تو ہی ملے گا نہ۔" زی ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

"مطلب؟"۔

زویا نے چونک کر پوچھا۔

)صائم نے اس لوہے کے بنے چہرے کو ہاتھ سے نکالا تو وہ ایک معمولی سا ڈیکوریشن پیس تھا۔(

"مطلب کہ زی نے پچھلے دس سال اس کمرے میں فارغ نہیں گزارے, زی نے اپنے بچاؤ کے لیے سب پہلے سے ہی تیار کر رکھا تھا۔"

"زی مجھے سمجھ نہیں آئی, کمرہ کیسے نہیں ہے وہاں؟"۔

"یہ دیکھ رہی ہو۔"

زی نے اپنی پاؤں تک آتی سکرٹ کی جیب سے اپنا سمارٹ فون نکال کر زویا کے سامنے لہرایا۔

زویا نے سوالیہ نظروں سے زی دیکھا۔

"ایک کلک اور سب غائب۔"

"کیسے؟"

"میجک۔"

زی نے مسکرا کر اپنی ایک آنکھ دبائی۔

"زی تم کیا چیز ہو یار!" زویا نے حیرت اور خوشی کے ملے جُلے تاثرات کے ساتھ کہا۔

"لیکن زی اسے شک نہیں ہو گا اس ڈیکوریشن پیس کے وہاں لگے ہونے سے؟"

زویا نے سمجھداری سے سوال کیا۔

"ہو گا, ضرور ہو گا شک اسے, وہ الماری کو بھی وہاں سے ہٹوائے گا, دیوار بھی تڑوائے گا اور زمین بھی کھُدوائے گا۔"

")گاڑی سے سارے اوزار لے کر آؤ, ہمیں یہ دیوار توڑنی ہو گی اور ساتھ میں یہاں سے زمین بھی کھودنی ہو گی۔"

صائم نے گارڈز سے کہا تو فوراً سے وہ گاڑی سے اوزار اٹھا لائے۔(

"زی وہ کمرہ تو زمین کے نیچے ہے, وہ تو۔۔وہ تو اس کمرے کو ڈھونڈ نکالیں گے۔"

زویا کا دماغ گھوم رہا تھا اب زی کی باتوں سے۔

)صائم نے پہلے دیوار تڑوائی لیکن اس دیوار کے آگے ان کے گھر کا سٹور روم تھا جسے انہوں نے پہلے ہی چیک کر لیا تھا, اس کے بعد اس نے گارڈز کو زمین کھودنے کا کہا, وہ

لوگ تقریباً چھ فٹ نیچے زمین کھود چکے تھے لیکن انہیں کسی چیز کا نام ونشان نا ملا۔ صائم نے غصے سے ہاتھ کی مٹھی بنا کر دیوار پر ماری۔(

"زی نے تمہیں کہا ہے کہ کمرہ وہاں ہے ہی نہیں تو ملے گا کیسے انہیں۔"

زی نے اپنی بات پر زور دیتے کہا۔

"لیکن زی پھر وہ کمرہ گیا کہاں؟"۔

"It's a secret."

زی نے زویا کے کان کے پاس جھک کر ہلکی سی سرگوشی کی۔

زویا بچاری تو حیرتوں کے سمندر میں پوری کی پوری ڈوب چکی تھی۔ اسی زی کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"سر میں نے پورا گھر چھان مارا, جہاں پر مجھے شک ہوا تھا وہاں سے میں دیوار بھی تڑوا دی اور زمین بھی کھدوادی, لیکن وہاں کسی چیز کا نام ونشان تک نا تھا, اور نا ہی ہمیں وہاں سے کوئی ہار ملا۔" صائم ہاتھ پیچھے باندھے آہل کو بتا رہا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے، اگر اس گھر میں کچھ نا ملا تھا تو ہار تو ضرور ملنا چاہیے تھا، میں نے اسے خود وہ ہار چراتے دیکھا تھا، اور اس کے بعد فوراً ہی میں نے تمہیں اس کے پیچھے لگایا تھا وہ کہیں بھی نہیں گئی سوائے اپنے گھر کے، لیکن وہ ہار تو ہمیں ملنا چاہیے تھا، وہ ہار کہاں چلا گیا؟"۔

آہل نے ہاتھ کا مکا بنا کر اپنے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برسایا، جیسے عقل لڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔ تھوڑی دیر عقل لڑانے کے بعد وہ ہلکا سا مسکرایا۔ صائم اس کے مسکرانے پر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"صائم وہ لڑکی۔۔ وہ لڑکی بہت بہت ذہین ہے، اس نے اپنا بندوبست پہلے سے ہی کر کے رکھا تھا، اس لڑکی کو لوگوں کے دماغ سے کھیلنا اچھے سے آتا ہے، وہ ماسٹر مائنڈ گرل ہے۔"

آہل خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"لیکن، بوس! ایک یتیم اور غریب سی لڑکی اتنا کیسے جانتی ہے؟"

صائم ناسمجھی سے بولا۔

"وہ یتیم ہو سکتی ہے لیکن غریب نہیں, وہ جان بوجھ کر اس غریب خانے میں رہ رہی ہے, تاکہ کسی کو شک نا ہو, تم آج کے آج ہی مجھے اِس شہر میں جتنی بھی چوری کی وارداتیں ہوئی ہیں ان کی ڈیٹیل لا کر دو۔ آخر میں اس نے حکم دیا۔

"اوکے، بوس!" صائم نے اس کے حکم پر سر ہلایا۔

"اس لڑکی کا پالا ابھی آہل احمد بٹ سے نہیں پڑا, وہ جانتی نہیں ہے مجھے ابھی۔" وہ مسکرا کر بولا۔

وہ دونوں ٹیرس پر ہی کھڑی تھیں جب کمرے کا دروازہ بجا۔ زویا نے جا کر دروازہ کھولا تو سامنے ہی اولیویا کھڑی تھی۔

"سر آپ دونوں کو نیچے بُلا رہے ہیں ناشتے کے لیے۔"

اولیویا نے اپنی زبان میں اسے آہل کا پیغام دیا۔

زویا نے سوالیہ نظروں سے زی کو دیکھا جو ان ہی کی طرف آ رہی تھی۔

"تم چلو ہم آتے ہیں۔"

زی نے اولیویا سے کہا تو وہ چلی گئ۔

"زی اب میں نیچے جا کر ان کے ساتھ کیسے پیش آؤں ؟ گالیاں دوں, یا پھر پیار سے بات کروں ؟"۔

زویا نے معصوم سا سوال کیا۔

"تم جیسے پہلے ہر کسی کے ساتھ پیش آتی ہو، ویسے ہی پیش آنا ان کے ساتھ۔" زی اس کی بات پر اپنی مسکراہٹ چھپاتی کمرے سے نکل گئ۔

"ہائے پھر ٹھیک ہے۔" زویا خوشی سے کہتی اس کے پیچھے بھاگی۔

وہ دنوں کچن میں داخل ہوئیں, تو سامنے ہی آہل اور صائم ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"کچن کے اندر ہی ایک بڑا سا ڈائیننگ ٹیبل موجود تھا, ڈائیننگ ٹیبل ماربل کا بنا ہوا تھا, اور اس کے آس پاس آٹھ کرسیاں تھی جو کہ سفید رنگ کی تھیں, جن میں سے دو پر آہل اور صائم بیٹھے ہوئے تھے, کچن بھی ہر لحاظ سے لگژری تھا, نہایت ہی خوبصورت۔"

اولیویا کے ساتھ کچھ اور ملازموں نے ڈائننگ پر کھانا لگا دیا تھا, زی بھی کسی تکلف کے بغیر ان میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

زویا جو اس انتظار میں تھی کہ ان میں سے کوئی انہیں بیٹھنے کو کہے گا لیکن زی کو یوں کسی تکلف کے بغیر بیٹھتے دیکھ خود بھی جا کر زی کی ساتھ والی کرسی پر دھپ سے بیٹھ گئی۔اور دانت دکھا کر آہل اور صائم کو دیکھنے لگی جو اس کے دھپ سے بیٹھنے پر اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

آہل نے اپنی مسکراہٹ دبائی جبکہ صائم نے اس پاگل سی لڑکی کو گھور کر دیکھا۔

آہل نے پانی کا گلاس اپنے لبوں سے لگایا اور پانی پیتے پیتے ہی وہ زی کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا جو کھانا کھانے میں مصروف تھی, آہل اس کو دیکھتے دیکھتے اچانک سے ہی مسکرایا, اور یہ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ کیوں؟

زی کی نظر جب آہل پر گئی جو پانی پیتے ہوئے مسکرا کر اسے ہی دیکھنے میں مصروف تھا تو غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

"سسس۔" صائم جو کھانا کھا ہی رہا تھا کہ اپنے پاؤں پر پڑنے والی کسی سخت چیز سے وہ سسک اٹھا, پاؤں پر پڑنے والی چیز کوئی اور نہیں بلکہ ہماری پیاری زویا کا جو گروالا پاؤں تھا, صائم نے گھور کر زویا کو دیکھا تو اس نے معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپا کر کہا۔

"پلیز مجھے وہ بریڈ پکڑا دیں۔"

زویا نے اس کے پاس پڑی بریڈ کی طرف اشارہ کیا۔

صائم نے آہل کی وجہ سے اسے کچھ نہیں کہا ورنہ اس کا دل تو کر رہا تھا دو تین چماٹ لگا ہی دے اسے, صائم نے غصے سے اسے بریڈ تھمائی اور ساتھ میں اپنا پاؤں زور سے زویا کہ پاؤں پر مارا کہ وہ بھی سسک اٹھی۔

زویا کا دل تو کر رہ تھا کہ دس بیس گالیاں سنا ہی دے اسے پر آہل کی وجہ سے کچھ نا بولی, آہل احمد بٹ کے سامنے اس نے اپنی عزت تھوڑی خراب کروانی تھی۔

بے شک اس نے انہیں قید کر کے رکھا تھا, پر وہ تھا تو ایک بڑا آدمی, جس میں بہت ہی سینس تھی, لیکن زویا کو کیا پتا اس سینس والے بندے نے کتنوں کو ہی مرنے والی زندگی دے رکھی تھی۔

زویا نے بس غصے سے بریڈ چبا کر صائم کو دیکھا۔ اور وہ کر بھی کیا سکتی تھی بیچاری۔

کھانے کے بعد وہ لوگ لاؤنج میں آگ ئے تھے, آہل نے ہی انہیں ادھر بُلایا تھا, زی اور آہل پھر سے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے, زی ہاتھ باندھے مغرور انداز میں آہل کو دیکھ رہی تھی اور آہل بھی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنے مغرور انداز میں زی کو دیکھ رہا تھا۔

"بہت بہت چالاک ہو تم, مجھے تو لگا تھا تم ایک معمولی سی چور ہو گی, پر تم نے تو بڑے سے بڑے چور کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر اس سے مخاطب تھا۔

"آپ کو جو لگتا ہے آپ وہ کہیں, مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے, آپ نے ہم یتیموں کو اس طرح قید کر کے بہت غلط کیا ہے, اور اب آپ بہت پچھتائیں گے اس وجہ سے, میں بتا رہی ہوں آپ کو۔"

"بہت تیز ہو تم۔ you know، مجھے تم جیسی لڑکی ہی چاہیے تھی, ذہین, شاطر, چالاک۔ میں بہت امپریس ہوا ہوں تم سے, تمہاری یہ ذہانت میرے بہت کام آئے گی۔" وہ بول رہا تھا۔

"کہنا کیا چاہ رہے ہیں آپ یہ باتیں کر کے۔ مدعے کی بات پر آئیں۔" زی اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

"جتنی تم تیز ہو تمہیں پتا چل ہی گیا ہو گا, کہ میں کیا چاہ رہا ہوں, لیکن پھر بھی میں تمہیں کہہ دیتا ہوں, کہ تم میرے لیے کام کرو, جو میں کہوں وہ کرو, تو تمہیں ایک اچھی زندگی مل جائے گی۔"

وہ شاید اسے "اچھی زندگی" کی آفر کر رہا تھا۔

"زندگی کی "آفر" کر رہے ہیں آپ مجھے, یہ جانے بغیر کہ زندگی کی نہیں معمول سی چیزوں کی آفر ہوتی ہے۔"

اُف ایک توزی کا انداز۔

"بہت خوب! بات کو نیا رُخ دینا آپ کو اچھے سے آتا ہے۔ "

"جی بلکل, اور کوئی بات آپ نے کہنی ہے تو کہیں ورنہ جا کر کام کریں اپنا۔ بار بار وقت نا برباد کیا کریں میرا۔"

"آپ کے پاس، وقت، بھی ہے؟" وہ شاید پوچھ رہا تھا۔

"وقت کسی کے پاس نہیں ہوتا, اگر میرے پاس ہوتا نا تو روک دیتی اس وقت کو جب تم میری زندگی میں آئے۔" بے شک زی کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔

"خیر, اب تو آہل احمد بٹ تمہاری زندگی میں آگیا ہے, غلطی سے ہی سہی, پر آگیا ہے, تمہاری زندگی بدلنے۔"

وہ شاید سچ ہی کہہ رہا تھا۔اس لڑکی کا بہت کچھ بدلنے والا تھا۔

صائم اور زویا تو بس کھڑے ان کا منہ دیکھ رہے تھے۔

"زندگی بدلنے کے لیے نہیں سنوارنے کے لیے ہوتی ہے, اور میں اپنی زندگی سنوار سکتی ہوں, اور آپ ہمیں یہاں قید میں رکھ کر ہماری زندگی سنوار نہیں رہے تباہ کر رہے ہیں۔"

زی بات بھی خوب کرتی تھی۔

"اوووہ پلیز ززز, اگر تم مجھے طعنہ دے رہی ہو تو یہ طعنہ تمہیں الٹا ہی مبارک, کیونکہ میں بھی تمہاری زندگی سنوارنا ہی چاہ رہا ہوں, اور ویسے بھی چوری کر کے کونسا زندگی سنورتی ہے, تم ایک چور ہو, یہ بات میں اور تم اچھے سے جانتے ہیں, لیکن تم مانتی نہیں ہو, اس لیے اب میں ثبوت اکھٹے کر کے ہی تمہیں ایک، اچھی جاب، کی آفر کروں گا۔"

وہ "اچھی زندگی" سے اب "اچھی جاب" پر آ گیا تھا۔

"اچھی جاب؟"۔

ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔

" بلکل, اچھی جاب آفر کر رہا ہوں میں تمہیں۔"

" پھر مسٹر یہ اچھی جاب آپ کسی اور کو دے دیں, کیونکہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ کی اس اچھی جاب میں۔"

" نہیں میں تو تمہیں ہی دوں گا۔"

آہل ہلکے سے شرارتی انداز میں بولا۔ جس پر زی نے اپنی سرمئی آنکھوں سے گھور کر اسے دیکھا۔

" اچھا خیر, اللہ حافظ میں جا رہا ہوں آفس۔۔۔ اپنے ہونے والے شوہر کو رخصت نہیں کرو گی کیا۔"

اس نے دھماکہ ہی تو کیا تھا۔

زویا نے آنکھیں پھاڑ کر آہل کو دیکھا جبکہ زی زور سے غرائی تھی۔

" کیا بکواس ہے یہ، مسٹر آہل؟ زبان سنبھال کر بات کریں۔"

" اُف, تمہیں نہیں پتا کہ ہماری شادی ہونے والی ہے؟ چلو کوئی بات نہیں اب پتا چل گیا نا تمہیں۔"

وہ دل جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مسٹر آہل! اب آپ اپنی حد سے بڑھ رہے ہیں, بہت سہہ لیا میں نے آپ کا یہ رویہ۔"

وہ اتنا تیز بھڑکی تھی کہ ایک پل کو تو زویا ہی کانپ گئی, اس نے زی کو پہلی دفعہ اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

"اپنی آواز نیچی رکھو, آواز اونچی کرنی مجھے بھی آتی ہے, اگر اب تم نے کوئی بکواس کی تو زبان کاٹ دوں گا میں تمہاری, اور میں صرف کہہ نہیں رہا, کر کے بھی دکھاؤں گا۔"

وہ زی سے بھی زیادہ اونچی آواز میں بھڑکا تھا۔

"چلو صائم! دماغ خراب کر دیا ہے کچھ لوگوں نے۔"

وہ زی کو ایک آخری گھوری سے نوازتا باہر کی طرف چل دیا, صائم بھی اس کے پیچھے چل دیا۔

"زی اپنا سر تھام کر اپنے غصے کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی, جو کسی قدر کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔"

زویا بھاگتی ہوئی زی کے پاس آئی اور بولی۔

"زی اگر تمہاری شادی ہو گئی تو میں کہاں جاؤں گی؟"

زویا دانتوں میں انگلی رکھ کر فکر مندی سے بولی۔

زی نے اسے ایک سخت گھوری سے نوازا۔ جیسے کہہ رہی ہو تمہیں بڑی جلدی ہے۔

"میں تو بس ایسے ہی۔۔ کہہ۔۔رہی تھی۔"

زویا ہڑ بڑا کر بولی۔

"بوس! میں نے پتا لگوایا ہے کہ شہر میں آئے دن کوئی نا کوئی چوری کی واردات ہوتی رہتی ہے, کوئی چھوٹی موٹی واردات بھی نہیں, بہت بڑی بڑی چوریوں کی واردات ہوتی ہیں, اور چوری اتنی صفائی سے کی جاتی ہے کہ اتنی ساری سیکیورٹی ہونے کے باوجود بھی کسی کو بھی پتا نہیں چل پاتا, پولیس نے بہت ساری ترکیبیں لگا کر اس چور کو پکڑنے کی کوشش کی ہے پر آج تک ناکام رہی, اور یہ کام ایک ہی چور کا ہے, وہ چور واردات کرنے کے بعد ایک کاغذ پر "Z" لکھ کر چھوڑ جاتا ہے, اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں معلوم کسی کو اس چور کے بارے میں۔" وہ آہل کے آفس میں کھڑا ہاتھ پیچھے باندھے اسے ساری تفصیل بتا رہا تھا۔

"اس لڑکی کا نام کیا ہے ؟"۔

وہ اپنی آفس چیئر پر جھولتے ہوئے پیپر ویٹ کو ٹیبل پر گھماتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"زعیمہ نام ہے اس لڑکی کا۔"

اس نے بتایا تو آہل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے پتا تھا یہ وہی لڑکی ہے۔"

آہل بولا تو صائم نے ناسمجھی سے اس سے پوچھا۔

"لیکن بوس آپ کو کیسے پتا؟"

"پہلے، صائم! مجھے وہ ساری معلومات دو جو تم اس کے بارے میں پتا کر کے آئے ہو۔"

"بوس! ان کے گھر سے دوسرے گھر بہت دور ہیں, اس وجہ سے کسی کو بھی ان کے بارے میں نہیں پتا تھا, تو میں اس ریستوران میں گیا جہاں پر اس لڑکی کی بہن کام کرتی ہے, ادھر انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی بہن زویا پچھلے دس سالوں سے اس ریستوران میں کام کرتی ہے جب وہ مشکل سے ہی گیارہ سال کی ہو گی ان کی بہن زویا ہی بس کماتی ہے دوسری بہن زعیمہ گھر ہی ہوتی ہے, گھر میں کمانے والی لڑکی بس زویا ہی

ہے، دونوں بہنیں یتیم ہیں، کوئی بھی رشتے دار نہیں ہے ان کا، اس سے زیادہ انہیں کچھ بھی نہیں پتا تھا ان کے بارے میں۔"

"Z for Zaima."

"زی سے تو بہت سے لوگوں کے نام بنتے ہیں، اس کی بہن کا بھی بنتا ہے، لیکن مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے کہ یہ کام اس لڑکی کا ہی ہے۔"

جس پہیلی کو آج تک کوئی نہیں بوجھ پایا تھا، آہل احمد بٹ نے اسے ایک دن میں ہی بوجھ لیا تھا۔

"اب بس اس سے شادی کی دیر ہے، پھر دیکھتا ہوں کیسے آنکھیں دکھاتی ہے مجھے۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا۔ صائم نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

ان لوگوں کی ملاقات دوپہر کے کھانے پر ہوئی، جب آہل نے انہیں ایک ہفتے بعد کی شادی کی ڈیٹ بتا کر ایک اور بڑا دھماکہ کیا۔

زی ٹیبل پر دھپ سے ہاتھ رکھ اٹھ کھڑی ہوئی اور شعلہ اگلتی آنکھوں سے آہل کو دیکھنے لگی, جو آرام سے اپنا کھانا کھانے میں مصروف تھا۔

زویا کو تو خیر بہت بھوک لگی تھی اس لیے کھانا کھانے میں مصروف رہی, بقول زویا کے کھانا کھاتے ہوئے بولنا نہیں چاہیے۔

"مسٹر! آپ کیوں مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں آپ کے خلاف کچھ کروں۔" وہ بولی, لیکن آہل ڈھیٹ بنا کھانا ہی کھاتا رہا۔ ایک لفظ بھی اس نے اپنے منہ سے نہیں نکالا تھا۔

زی غصے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئ۔

"یہ تمہاری بہن شروع سے ہی ایسی تھی کہ میرے سامنے آ کر ہی اسے اینگری برڈ بننے کا دورہ پڑ جاتا ہے۔"

آہل کھانا کھانے کے بعد زویا سے پوچھ رہا تھا جو کیلا منہ میں ٹھوسنے کا کام کر رہی تھی۔

زویا نے اس کے پوچھنے پر جلدی جلدی سے کیلا نگلا۔

"نہیں وہ ایسی ہی تھی شروع دن سے, لیکن غصہ تو اسے آپ کے آنے کے بعد آنا شروع ہوا ہے, ورنہ وہ غصہ نہیں کرتی تھی۔"

"پھر کیسی تھی وہ؟"۔

وہ شاید اس کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔

"بلکل سڑی ہوئی کریلی, بات کا جواب ہمیشہ الٹے انداز میں دیتی ہے وہ, اور سب سے بڑی بات زی کو سب پتا ہے۔"

صائم اور آہل نے چونک کر زویا کو دیکھا کیونکہ زویا پاگل سی نے لیڈر اور زعیمہ کہنے کی بجائے زی اُگل دیا تھا منہ سے, اور غضب یہ کہ اس بے وقوف کو پتا بھی نہیں چلا کہ اس نے منہ سے زی بکا ہے۔

آہل نے مسکرا کر زویا کو دیکھا جس نے غلطی سے ہی سہی لیکن منہ سے سچ اُگل دیا تھا۔ جبکہ صائم نے اس کی بے عقلی پر داد دینے والی نظروں سے اسے دیکھا جو کہ آرام سے سچ اگلنے کے بعد اب دوسرا کیلا ٹھوسنے میں سخت مصروف تھی۔

"صائم تم ابھی زویا کو سارا گھر دکھاؤ گے, اس کے بعد اسے اور اس کی بہن کو شاپنگ بھی کرواؤ گے۔"

آہل نے زویا سے خوش ہوتے ہوئے صائم کو حکم دیا۔

"لیکن میں نے تو سارے پیسے خرچ کر لیے تھے شاپنگ پر, اب میرے پاس پیسے ہی نہیں, جس دن مجھے میری تنخواہ ملتی ہے نا, اسی دن میں اپنے آپ کو کنگال کر آتی ہوں۔"

زویا نے معصومیت سے اپنے کنگال پن کا انہیں بتایا, جس پر صائم کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"ارے یہ میری طرف سے گفٹ ہو گا, تمہیں پیسے دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ آخر میری ہونے والی سالی صاحب جو ہو۔

"اچھا گفٹ, ویسے تو میں لیتی نہیں ہوں, اب آپ اتناا کہہ رہے ہیں تو میں کر آؤں گی شاپنگ, ویسے بھی کل سے میں نے یہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔"

زویا بھی جیسے اس پر احسان کرتی ہوئی مان گئی۔

صائم, زویا کو گھر دکھا رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کے فضول سوالوں کے جواب بھی دے رہا تھا۔اب وہ دونوں گھر کے پچھلے حصے میں آگئے تھے جہاں پر پول تھا۔اور پول سے آگے ریلنگ کے اس پار سمندر۔

"اتنا بڑا سمندر رہے سامنے، پھر اس گھر میں پول کی کیا ضرورت تھی, ایسے ہی اتنے پیسے خرچ کیے۔"

ایک تو بچاری غریب سی زویا کو کچھ بھی نہیں پتا تھا۔

"دِکھا دیا نا اپنا پینڈو گھنوں والا روپ۔" صائم اسے پول کی دھجیاں اڑاتے دیکھ بولا۔

"پینڈو ہو گے تم, تمہاری شکل اور تمہارا انداز۔"

وہ اسے اپنا مذاق اڑاتے دیکھ بولی۔

"زیادہ زبان نا چلاؤ ورنہ ابھی اسی وقت اس پول میں پھینک دوں گا تمہیں, سمجھی۔" وہ اسے گھور کر بولا۔

"ہونہہ۔۔یہ دیکھ رہے ہو میرے ہاتھ میں۔"

زویا نے اپنی جینز کی جیب میں سے ایک پینڈولم نما چیز نکال کر اس کے سامنے لہرائی۔

"اب یہ کیا ہے؟"۔

اس نے دونوں ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ہی ہی ہی، یہ ہے ہپنوٹک پینڈولم ہے، اس سے میں تمہیں ہپنوٹائز کر سکتی ہوں۔"

وہ دانتوں کی بھرپور نمائش کرتے ہوئے بولی۔

"واٹ، تم مجھے ہپنوٹائز کرو گی؟"۔

وہ غصے سے آنکھیں نکال کر پوچھ رہا تھا جس پر وہ جلدی سے گڑ بڑا کر بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ میں اس پول کو ہپنوٹائز کر دوں گی۔"

زویا نے پول کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھاا، وہ کیسے؟"۔

صائم نے دلچسپی لینے والے انداز میں پوچھا، حالانکہ وہ اس کی وہ چول سننا چاہتا تھا جو وہ ٹھوکنے والی تھی۔

اس کو دلچسپی لیتے دیکھ تو زویا میڈم چوڑی ہی ہو گئیں۔ "میں نے ایک دفعہ اس پول کے آگے یہ ہپنوٹک پینڈولم لہرانا ہے اس کے بعد تو یہ پول بسس۔" زویا نے آخر میں ہاتھ کو گھما کر "بسس" کہا۔

"کیا بس؟"۔

وہ پھر سے اسی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"بسس کیا، اس پول کو میں کہوں گی ناچو، تو یہ ناچ پڑے گا، اگر میں اسے کہوں گی برف، تو یہ برف بن جائے اور اگر میں اسے کہوں گی چل بے چھلانگے لگا، تو یہ اُچھل اُچھل کر چھلانگے لگائے گا۔"

زویا نے گردن کڑا کر فخر سے بتایا، جیسے صرف وہی سیانی ہے اور آگے والا تو عقل سے ویلا ہے۔

صائم نے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ روکا۔ وہ لڑکی اسے اُلو بنانے کی سر توڑ کوشش جو کر رہی تھی۔"

اچھا تو پھر اس پول کو ہپنوٹائز تو کر کے دکھاؤ۔"

اب وہ اسے اس کی سیانی باتوں پر عمل کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

"چچ۔۔ ارے نہیں یہ تو سیکریٹ ہے، جو میں نے صرف تمہیں بتایا ہے، اب اتنے سارے تمہارے یہ کالے کیڑے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، ان کو میرا سیکریٹ پتا چل جائے گا۔"

اس نے ہلکی سی سرگوشی کی جیسے اس کی یہ سیکریٹ بات ہوائیں بھی کان کھول کر سُن لیں گی۔

"میں ایسا کرتا ہوں تمہیں اس پول میں پھینک دیتا ہوں، پھر تم اس پول کو ہپنوٹائز کر کے باہر آ جانا۔"

وہ دو قدم آگے ہوتے ہوئے بولا، زویا فوراً سے دو قدم پیچھے ہوئی اور اسی ایک لمحے میں پیاری سی زویا پانی میں۔۔ چچ۔۔ چچ گرتے گرتے بچ گئی، کیونکہ صائم نے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

"آاااااہ۔"

زویا کی چیخ فضا میں بلند ہوئی۔

"کیا کہہ رہی تھی تم، کہ پول کو ہپنوٹائز کر سکتی ہو۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"یو نا محرم، بے شرم، بے حیا، تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔"

زویا کو شاید اپنی جان پیاری نہیں تھی۔

"بے وقوف دھیان سے دیکھو، تمہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ آستین کے اوپر سے تھام رکھا ہے، لیکن شاید تمہیں اپنی جان پیاری نہیں ہے، تمہیں دیکھ کر تو لگتا ہے تیرنا بھی نہیں آتا ہوگا، میں تو چلا جاؤں گا پھر مرتی رہنا اس پول میں، اور میرا ایک بھی کالا کیڑا میرے حکم کے بغیر تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا۔"

اس کی بات پر وہ دانت پیس کر بولا۔

"ہ۔۔ہا۔۔ہاہا، میں تو۔۔میں تو مذ۔۔مذاق کر رہی تھی، آپ تو اصلی سے بھی اصلی والے سیریس ہو گئے۔" وہ پھیکا سا ہنس کر بولی کیونکہ اس بچاری کو سچ میں ہی تیرنا نہیں آتا تھا۔ ہماری بچاری زویا۔۔ چچ۔۔ چچ۔

"ہمم۔۔ چلو پہلے یہ بتاؤ میرے نا چھوڑنے پر تم میرے لیے کیا کرو گی؟"۔

وہ شاید نا چھوڑنے کی رشوت لے رہا تھا۔

"میں نا آپ کو ایک اچھا سا، بہت بہت اچھا سا چاکلیٹ شیک بنا کر دوں گی اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے۔"

وہ دونوں ہی راشی اور مرتشی بنے پڑے تھے۔

"چلو ٹھیک ہے، بخش دیتا ہوں، لیکن اگر آئندہ مجھ سے جھوٹ بولا یا یہ فضول قسم کا مذاق کیا تو ڈائریکٹ اوپر پہنچا دوں گا۔"

وہ اب اسے آگے ایسا کچھ نا کرنے کے لیے دھمکی بھی دے رہا تھا۔

"اوپر کیوں پہنچائیں گے آپ مجھے میں خود جا سکتی ہوں اوپر۔"

وہ شاید اس کی بات نہیں سمجھ سکی تھی۔

"کیسے؟"۔

ابرو اچکا کر دلچسپی سے پوچھا گیا۔

"ارے سیڑھیوں سے۔"

وہ صائم کی عقل پر جیسے افسوس کرتے بولی کہ ابھی تو اتنی عقل تھی تمہارے پاس, اتنی جلدی کہاں نکل گئ۔

"سیڑھیوں سے ؟"۔

وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھ رہا تھا۔

"تو اور کیا آپ کے ہی گھر میں سیڑھیاں ہیں اور آپ کو ہی نہیں پتا۔۔ چچ۔۔ یہ تو دماغ ہے آپ کا۔"ایک تو ساری عقل بچاری زویا کے پاس ہی تھی۔۔ ہماری سیانی زویا۔

"میرے گھر میں۔۔۔"اس نے ناسمجھی سے سوچا لیکن پھر یاد آیا کہ زویا کے پاس تو عقل ہی نہیں ہے, وہ تو چھت پر جانے والی سیڑھیوں کی بات کر رہی تھی, اس نے ایک جھٹکے سے زویا کو کھینچ کر سیدھا کھڑا کیا, اور افسوس سے اسے دیکھنے لگا جواب گہرا سانس لے کر پول کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے سارا قصور اس پول کا ہو, وہ ہی غلط جگہ پر لگا ہوا تھا۔ صائم کو زویا سے اب کچھ بھی کہنا اپنی ہی بے عزتی لگ رہا تھا۔ ورنہ میڈم نے اس کے الفاظ کو پتہ نہیں کون کون سا رُخ دے دینا تھا۔

زی کمرے میں آکر غصے سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگ گئ۔

"یہ آہل احمد بٹ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے آخر, زی سے شادی کرے گا, اس کی اتنی ہمت۔"

زی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آہل کا کچھ کر ڈالے۔

"جب سے آیا ہے میامی، میری جان کے پیچھے ہی پڑ گیا ہے, پتا نہیں کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ, دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے میرا۔"

وہ سر تھام کر بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئ۔

"کیا کروں میں اس آہل کا؟"۔

وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنے آپ سے ہی پوچھنے لگی۔

"جب شادی کے دن بھاگ کر میں اس کی عزت خاک میں ملا دوں گی, تب پتا چلے گا اسے۔"

وہ سوچ کر ہلکا سا مسکرائی۔

وہ بیٹھی آگے کا لائحہ عمل تیار کر رہی تھی کہ دروازہ دھاڑ دھاڑ کی آواز سے بجا۔

"زی دروازہ کھولو جلدی سے۔"

اووہ یہ تو بچاری زویا میڈم تھیں۔ زی نے جا کر دروازہ کھولا اور وہ خوش ہوتے ہوئے اسے بتانے لگی۔

"زی! سر آہل نے صائم کو کہا ہے کہ وہ ہمیں شاپنگ کروائے گا, انہوں نے کہا تھا کہ یہ ان کی طرف سے میرے لیے تحفہ ہو گا۔"

"تو جاؤ کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔"

زی کا دماغ پہلے ہی گھوما ہوا تھا اور اب تو زویا لٹو کی طرح گھوما رہی تھی۔

"یار زی انہوں نے کہا ہے کہ تمہیں بھی لے کر جانا ہے, اب پلیز زی کوئی بہانا نا کرنا, ہم دونوں نے کل سے یہی کپڑے پہنے ہوئے ہیں, تم تو دن میں دو دفعہ کپڑے بدلتی تھی, تو کیا اب تمہیں الجھن نہیں ہو رہی, پلیز زی اب تم منع نا کرنا, میرے لیے میرے ساتھ چل لو۔"

وہ زی کے منع کرنے سے پہلے ہی اسے منانا شروع ہو چکی تھی۔

"پہلے یہ بتاؤ وہ تمہیں یہ تحفہ کس لیے دے رہے ہیں؟"۔

زی نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"زویا کی بے عقلی کے لیے۔" ہواؤں نے ہلکی سی سرگوشی کی تھی جسے زی سن نا پائی۔

"یہ تو انہوں نے نہیں بتایا بس انہوں نے صائم کو حکم دیا ہے, کہ وہ ہمیں شاپنگ کروادے۔"

"لیکن انہوں نے "تمہیں" تحفہ دینے کے لیے کیوں کہا, تم نے ایسا کونسا کام کیا ہے؟"۔

ایک تو زی کا جاسوس والا انداز۔

"میں نے تو کوئی کام نہیں کیا۔"

زویا نے کندھے اچکا کر کہا جیسے کہہ رہی ہو, انہوں نے مجھے صائم تھوڑی سمجھ رکھا ہے جو مجھ سے کام کروائیں گے۔

"تم نے ان کے سامنے کچھ بھی غلطی سے میرے بارے میں تو نہیں بتایا"!

زی نے بے چینی سے پوچھا۔

"ارے زی! میں مر کے بھی نا بتاؤں ان کو تمہارے بارے میں۔"

وہ ہلکا سا ہنس ہر بولی۔

"میں نے، غلطی، سے کہا ہے۔"

زی نے زویا کے جملے کی درستگی کی۔

"کیا مطلب غلطی سے؟"۔

زویا حیرت سے بولی۔

"زویا۔ زویا تمہاری زبان جو پٹر پٹر چلتی رہتی ہے سوچے سمجھے بغیر, تم نے غلطی سے ان کے سامنے میرا نام ،زی، تو نہیں لیا۔"

وہ مشکوک انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ارے! میں نے نہیں لیا تمہارا نام کبھی بھی ان کے سامنے۔ تم نے کبھی سنا کہ میں نے کبھی ان کے سامنے تمہیں زی بُلایا ہو؟"۔

وہ الٹا اسی سے پوچھ رہی تھی۔

زی کو تسلی ہی نہیں ہو رہی تھی, اس نے زویا کو دیکھتے ہوئے بس لب بھینچ لیے۔

وہ دونوں صائم کے ساتھ گاڑی میں جا رہی تھیں, صائم گاڑی چلا رہا تھا اور وہ دونوں پیچھے بیٹھی تھیں, زی بار بار پریشانی سے زویا کو دیکھ رہی تھی جو سکوووون سے کھڑکی کے باہر کے نظارے کرنے میں مصروف تھی۔ زی کو بس یہ فکر تھی کہ میڈم نے

کہیں اس کا نام ہی نا بک دیا ہو ان کے سامنے۔ کاش وہ ٹیبل چھوڑ کا نہ جاتی۔ اب اسے پچھتاوا ہو رہا تھا۔

صائم کسی اور مال کے سامنے گاڑی روکنے لگا تو زویا چِلا اٹھی۔

"ابے اوہ کمینے، ادھر نہیں ڈولفن مال کی طرف چلو۔"

ایک تو زویا کی زبان، کہیں بھی پھسل جاتی تھی۔ آج بھی پھسل گئی۔

صائم نے بیک مرر سے کھا جانے والی نظروں سے زویا کو دیکھا، جس کی اردو گالیاں ہی ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

"میں نے تو گاڑی سے کہا ہے اچھے لڑکے۔"

زویا اتنی معصومیت سے بولی کہ معصومیت بھی شرما گئی زویا سے۔

"لاحول ولا قوۃ۔"

بے اختیار صائم کے منہ سے نکلا۔

"صائم! تم ڈولفن مال کی طرف چلو، زویا کو وہ زیادہ پسند ہے۔"

زی بولی تو صائم نے بھی سر اثبات میں ہلاتے گاڑی موڑلی۔

صائم کے دل میں زی کے لیے بہت احترام تھا، پتا نہیں کیوں، زی اسے اپنی اپنی سی لگتی تھی۔

وہ لوگ ڈولفن مال کے اندر پہنچ چکے تھے۔اور اب تینوں ہی شاپنگ میں مصروف تھے۔

"ابے اوہ کالے کپڑوں کے مالک ,اِدھر آ زرا۔"

زویا کی زبان ایک بار پھر سے پھسلی, لیکن جب صائم کا ہاتھ گن کی طرف جاتے دیکھا تو رونے والی شکل بناتے بولی۔

"معافی دے دو, اللہ کے واسطے معافی دے دو۔"

زویا کی شکل دیکھنے والی تھی۔صائم کی بس ہنسی نکلتے نکلتے رہ گئ۔

"کیا ہے؟"۔

وہ احسان کرنے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"یہ دیکھو, مجھے کیا مِلا۔"

زویا نے اس کے آگے ایک مچھلی والا کی چین لہرایا۔

"یہ کیا ہے؟"۔

وہ شاید پوچھ رہا تھا کہ اس کی نظر میں وہ کیا ہے۔

"مچھلی۔۔۔ہی ہی ہی ہی۔"

زویا دانت دکھاتے بولی۔

"تو میں کیا کروں؟"۔

وہ اس کی پاگلوں والی بات کو نا سمجھتے بولا۔

"ہم اس مچھلی کو تمہارے پول میں ڈالیں گے, اس کے اندر مچھلیاں نہیں ہیں۔۔ہی ہی ہی ہی۔"

وہ پھر سے دانت دکھاتے بولی۔

بچارا صائم تو غش کھاتے کھاتے بچا۔"

اور اس کے بعد کیا ہو گا؟" وہ اس کے آگے کی بونگیاں بھی سننا چاہتا تھا۔

"اس کے بعد یہ بچے دے گی, ہی ہی ہی۔"

توبہ, زویا کی تو دندیاں ہی اندر نہیں جا رہی تھیں۔

"پھر؟"۔

صائم کو اس کی بات نے دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا۔

"اس کے بعد ہم مالا مال ہو جائیں گے رے, مالا مال۔۔ہی ہی ہی۔"

کیا عقل پائی تھی زویا نے۔اب تو عقل کو بھی زویا سے شرم آرہی تھی۔

صائم کے منہ سے بھی بے اختیار نکلا۔

"ماشااللہ اکسں توپوں کی سلامی تمہیں۔"

"اب اتنی بھی تعریف نا کرو۔"

وہ شرمانے والے انداز میں بولی۔

صائم تو جی جان سے فدا ہو گیا اس کی ایکٹنگ پر۔

"اوہ مائے فیوچر وائف ,ادھر تو دیکھو۔"

زی ڈریسز دیکھ رہی تھی جب اپنے پیچھے سے اسے آواز آئی ,زی نے فوراً سے مڑ کر پیچھے دیکھا تو آہل اپنی مکمل ترو جاہت کے ساتھ کھڑا تھا۔

صائم ابھی زویا سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر آہل پر پڑی۔

"بوس"!

"بوس؟"۔

زویا نے بھی نا سمجھی سے مڑ کر اس کے تعاقب میں دیکھا۔

صائم بھاگنے کے انداز میں آہل کے پاس پہنچا۔

"بوس! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں، آپ کو میرے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا، آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا میں آپ کو لینے آ جاتا۔"

وہ فکر مندی سے بول رہا تھا۔

"اف، یار صائم! میں نے سوچا تم لوگ اکیلے اکیلے گھومنے چلے گئے ہو مجھے چھوڑ کر تو میں بھی آ گیا، اور فکر نا کرو یار بلکل ٹھیک کھڑا ہوں تمہارے سامنے۔"

اسے اپنے لیے فکر مند دیکھ وہ بولا۔

"پھر بھی اگر کوئی اونچ نیچ ہو جاتی تو، آپ بس اب سے میرے ساتھ ہی آیا کریں گے۔"

وہ ضدی انداز میں بولا تو آہل ہنس پڑا۔

"اچھا جانی! اب جلدی سے جاؤ میرے لیے جوس لے کر آؤ مجھے بہت پیاس لگی ہے۔"

وہ بڑے پیار سے بولا۔

صائم بھی سر اثبات میں ہلاتا وہاں سے چلا گیا جبکہ بچاری غریب سی زویا یہ سوچ رہی تھی۔

"اگر پیاس لگی تھی تو پانی منگواتے، یہ جوس منگوانے کی کیا ضرورت تھی، ایسے ہی پیسے خرچ کریں گے۔"

آہل تو بس زی کو گھور رہا تھا جو اس کی نظروں سے اکتا چکی تھی۔"

کیا مسئلہ ہے مسٹر آہل آپ کے ساتھ,اپنی نظروں کو زرا کنٹرول میں رکھیں۔"

وہ کڑھ کے بولی۔

"میں تو تمہیں ہی دیکھوں گا۔"

آہل کے تو انداز ہی نرالے ہوئے پڑے تھے, وہ ڈیول قسم کا آدمی اس سے شرارتی انداز میں باتیں کر رہا تھا,شاید زی کو چڑانے میں اسے مزح آتا تھا۔

زی کا اس وقت شدت سے دل چاہا تھا کہ وہ شخص مر جائے,اور شاید وہ قبولیت کا لمحہ تھا,زی آہل سے کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اس کی نظر پھسل کر شاپ سے باہر اوپر ریکنگ پر گئ۔اس نے ایک نظر آہل کو دیکھا اور اسے دھکا دے کر سائیڈ پر ہوئی۔

گولی کی آواز فضا میں گونجی,اور سب کا دل خوف سے دھڑکا گئ۔

"زی"...!

زویا چیخ اٹھی۔

"آہ"...!

زی سسک اٹھی,گولی زی کو لگی تھی۔

آہل کو لگا اس کی سانسیں تھم جائیں گی۔

صائم جو جوس لینے جا رہا تھا گولی کی آواز سُن کر بھاگتا ہوا آیا اور سامنے کا منظر دیکھ کر اسے لگا اس نے اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کر دی انہیں اکیلا چھوڑ کر۔

"زی"!

زویا اونچی آواز میں روتے ہوئے زی کی طرف بھاگی۔

مال میں ہر کوئی گولی کی آواز سُن کر ادھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔

صائم نے اوپر کی طرف دیکھا تو وہ شخص بھاگ رہا تھا, صائم نے جلدی سے بیلٹ سے گن نکالی اور اس شخص کے پیچھے بھاگا۔

"ز۔۔زی! اٹھو پلیز۔"

زویا روتے ہوئے زی کو اٹھا رہی تھی۔

"زی پلیز آنکھیں کھولو۔"

آہل بھاگ کر زی کی طرف آیا۔

"کچھ نہیں ہوگا اسے, گولی بازو پر لگی ہے۔" وہ زویا سے زیادہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ آہل نے زی کو اپنی باہوں میں بھرا, اور تقریباً بھاگنے کے انداز میں وہ اسے باہر کی طرف لے جانے لگا۔

زویا بھی آہل کے پیچھے بھاگی۔

وہ زی کو گاڑی تک لایا اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اس نے زی کو اندر بٹھایا۔ زویا بھی بھاگ کر دوسری سائیڈ سے اندر بیٹھ گئی۔ آہل فرنٹ سیٹ پر جا کر بیٹھا اور گاڑی کو ہسپتال کی طرف لے جانے لگا۔

صائم نے اس شخص کی ٹانگ پر گولی چلائی تو وہ شخص لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔

صائم اس شخص کے پاس پہنچا اور گن اس کے ہاتھ سے لے کر گھسیٹنے کے انداز میں اسے وہاں سے لے جانے لگا، پولیس کے آنے سے پہلے اسے اس شخص کو وہاں سے لے کر جانا تھا، اور مال کے سارے کیمراز کی فوٹیج بھی ڈلیٹ کرنی تھی، یہ ان لوگوں کا معاملہ تھا اور پولیس کی بجائے انہیں یہ خود ہینڈل کرنا تھا۔ صائم اس شخص کو گاڑی تک لایا اور اس شخص کی گردن کی مخصوص رگ دبا کر اسے بے ہوش کر دیا، پھر اسے گاڑی میں ڈال کر گاڑی لاک کر دی اور واپس سے مال کی طرف بھاگا، پولیس کے سائیرنز کی آواز آنا شروع ہو چکی تھی اس کے بھاگنے میں تیزی آ گئی، اب اسے جلدی سے کیمراز کی فوٹیج جا کر ڈلیٹ کرنی تھی۔

صائم جلدی سے CCTV کنٹرول روم پہنچا، کنٹرول روم میں کوئی نہیں تھا کیونکہ سب باہر کی طرف بھاگ چکے تھے، صائم پچھلے بیس منٹ کے اندر والی فوٹیجز ڈلیٹ کرنے لگا، تقریباً پانچ منٹ کے اندر اندر وہ ساری فوٹیجز ڈلیٹ کر چکا تھا، اور اب

واپس وہ باہر کی طرف بھاگ رہا تھا, کچھ لوگ ابھی بھی بھاگ رہے تھے, وہ ان کے ساتھ ہی بھاگنے لگا تاکہ کسی کو شک نا ہو, وہ جلدی سے جا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی سٹارٹ کر دی, صائم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس شخص کو وہاں سے لے جانے کی بجائے جان سے مار ڈالے, لیکن نہیں اسے تڑپا تڑپا کر مارنا تھا۔

وہ تینوں "سیولینڈ کلینک فلوریڈا" (میامی کا ہسپتال) پہنچ چکے تھے۔

زویا آہل کے حکم پر پورے رستے زی کے ہاتھ پر رومال رکھے آئی تھی, تاکہ خون زیادہ نا بہہ جائے۔

زویا کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے, وہ زی کو نہیں کھو سکتی تھی۔

آہل نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور زی کو اپنی باہوں میں اٹھا کر وہ اندر کی طرف بھاگا, زویا بھی اس کے پیچھے بھاگی۔

اندر جا کر آہل نے زی کو سٹریچر پر ڈالا, تو نرسز وغیرہ اسے روم میں شفٹ کرنے لگے۔

"ڈ۔۔ڈاکٹر کو بُلاؤ۔"

وہ ایک نرس پر تقریباً جی جان سے دھاڑا تھا۔ نرس بھاگتا ہوا ڈاکٹر کو بُلانے گیا۔ کچھ دیر بعد ایک ڈاکٹر حاضر تھا۔

"ارے مسٹر آہل, آپ یہاں۔"

ڈاکٹر اپنی انگریزی زبان میں بولا، شاید وہ آہل کو جانتا تھا۔

"آپ زیادہ باتیں نا کریں، آپ جلدی سے ان کا ٹریٹمنٹ شروع کریں، مجھے یہ لڑکی صحیح سلامت چاہیے کسی بھی حال میں۔"

وہ اس ڈاکٹر پر بھی دھاڑ رہا تھا، ڈاکٹر گڑبڑا کر جلدی سے کمرے کی طرف بھاگا جہاں زی موجود تھی۔

آہل بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا، زویا بھی بینچ پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی، رو رو کر اس کا حال بُرا ہوا پڑا تھا۔ صائم بھاگتا ہوا آہل کے پاس آیا۔

"بوس! سب ٹھیک تو ہے؟"

وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

"بازو پر گولی لگی ہے۔"

اس نے بتایا تو صائم نے لب بھینچ لیے۔

"تم بتاؤ، سب، سیٹ، ہے؟"۔

آہل نے پوچھا تو صائم نے اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"سب سیٹ ہے، بوس۔"

"ہمم۔"

آہل نے جیسے شاباشی دی۔

"کتنی دیر ہے؟"۔

صائم نے کمرے کی طرف اشارہ کرتے پوچھا۔

"آدھے گھنٹے تک ڈاکٹر آ کر بتائے گا, میں زرا فریش ہو کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر آہل جانے ہی لگا تھا کہ صائم بولا۔

"بوس میں بھی چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔"

"نہیں تم زویا کے پاس رُکو, میں بس ابھی آتا ہوں۔"

آہل حکم دیتا وہاں سے چل دیا۔

صائم کی نظر جب زویا پر گی تو ساکت ہو گئیں۔

سبز آنکھیں بلکل لال ہو رہی تھیں, اور ان میں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے, وہ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔

صائم کو عجیب سے احساس نے آن گھیرا تھا, دل کی دھڑکنیں عجیب انداز میں دھڑک رہی تھیں, اس نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا جیسے دھڑکنوں کو کنڑول میں کرنا چاہ رہا ہو۔

صائم نے سر جھٹکا اور زویا کے پاس جا کر بینچ پر تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"زویا تم رو رہی ہو؟"۔

وہ شاید پوچھ رہا تھا۔

"نہیں میں نے ایک بڑا سا بنگلہ خرید لیا ہے اور اس کی خوشی میں آنسو بہا رہی ہوں۔"

وہ ٹسوے بہاتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان بولی۔

اتنی سیریس سچویشن میں بھی صائم کو ہنسی آنے والی تھی بس , جسے وہ کنٹرول کر گیا۔

"میں تمہاری بہن کو بتاؤں گا کہ تم اتنی سیریس سچویشن میں بھی مجھے جوکس سنا رہی تھی۔"

وہ اسے چڑانے کے لیے بولا تو اس نے اُمید بھری نظروں سے اسے دیکھتے پوچھا۔

"تو کیا وہ بلکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

"میں تمہاری بہن کو یہ بھی بتاؤں گا کہ تم اس کے مرنے کی امیدیں لگا کر بیٹھی تھی اور وہ بھی ایک سوا ایک فیصد والی۔"

وہ پھر سے اسے چڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں منہ نا توڑ دوں تمہارا اگر تم نے اس کے سامنے ایسی کوئی بکواس کی تو۔"

وہ اب بھی روتے ہوئے ہچکیوں کے ساتھ بولی۔

صائم بچارا تو اسے گھوری سے بھی نواز نا سکا۔

"تم میرا منہ توڑو گی؟"۔

اس نے سرسری سا پوچھا تھا لیکن زویا میڈم نے تو اس کی نرمی کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی آج قسم کھا رکھی تھی۔

"نہیں میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں بھی توڑ دوں گی۔"

صائم نے اب اسے ایک سخت گھوری سے نوازا تو وہ اور اونچا رونا شروع ہو گئی۔

"زویا! زویا! زویا! یہ ہوسپیٹل ہے، اپنا یہ بے سُرا گانا بند کرو۔"

صائم نے اس کے رونے کو گانا قرار دے دیا تھا، اور وہ بھی بے سُرا۔۔ چچ۔ زویا بچاری تو سناٹے میں آ گئی۔

"اب پیشنٹ بلکل ٹھیک ہے، گولی بس بازو کو چھو کر گزری تھی، وہ درد کی وجہ سے بے ہوش ہو گئیں تھیں، لیکن اب وہ بلکل ٹھیک ہے۔"

ڈاکٹر آہل کو اپنی انگریزی زبان میں بتا رہا تھا۔ آہل نے بس سر اثبات میں ہلایا۔ ڈاکٹر جانے ہی لگا تھا کہ آہل بولا۔

"سنو"!

"جی"!

ڈاکٹر نے نرمی سے پوچھا۔

"اگر اس ہوسپیٹل سے یہ بات باہر گئی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا, باقی بات تو تمہیں صائم نے سمجھا ہی دی ہوگی۔

" وہ اسے اپنی سیاہ آنکھوں سے دیکھتا دھمکی امیز لہجے میں بولا تو ڈاکٹر "جی" کہتا وہاں سے چلا گیا۔

زی کو ہوش آگیا تھا, اور اب وہ زویا کے ٹسوے دیکھ کر تنگ آئی پڑی تھی۔

"زویا! پلیز, نہیں ہوا مجھے کچھ, فضول میں تم یہ ٹسو بہا رہی ہو۔"

"اگر ہو جاتا تو میں کہاں جاتی؟"۔

وہ اب اس سے پوچھ رہی تھی۔

"ہوا تو نہیں نا, اور تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تمہیں ایک سو ایک فیصد یقین ہو کہ میں مر جاؤں گی۔"

زی بولی تو صائم نے اپنی مسکراہٹ دبائی جبکہ زویا کا منہ لٹک گیا۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور آہل اندر داخل ہوا اپنی شاندار پرسنیلٹی کے ساتھ۔

زی نے اسے دیکھ کر نظریں پھیر لیں۔ وہ شخص اس کے ہر درد کا باعث بن رہا تھا کل سے۔

"تم دونوں باہر جاؤ۔"

آہل نے زی کو دیکھتے ہوئے زویا اور صائم کو حکم دیا, جو ایک سیکنڈ کے اندر اندر وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔

آہل گہرا سانس لیتا ہوا بیڈ کے پاس رکھے سٹول پر بیٹھ گیا۔

زی کو اس کی موجودگی زہر لگ رہی تھی زہر۔

"اوہ، مائے فیوچر وائف ! کتنی اچھی ہو تم۔ تم نے تو میری جان بچا لی آج یار, ورنہ میں تو ڈائریکٹ مر جاتا, کتنا پیار کرتی ہو تم مجھ سے۔"

آہل کے تو انداز ہی آج بدلے ہوئے تھے۔

"مسٹر آہل پلیز زا اپنی یہ بے ہودہ قسم کی باتیں بند کریں, اور جائیں یہاں سے, جب سے آئے ہیں آپ میری جان کے دشمن ہی بن گئے ہیں۔"

وہ اکتا کر بولی۔

"اوہ، سویٹی! ایسے نہ کہو نا, تم تو میری ہونے والی بیوی ہو۔"

وہ سنجیدہ انداز میں بولا لیکن آنکھوں میں شرارت صاف واضح تھی۔

"اوہ پلیز شٹ اپ, کتنی بار کہوں میں آپ سے کہ مجھ سے یہ فضول قسم کی باتیں نا کیا کریں, اور دفع ہو جائیں یہاں سے۔"

وہ چڑ چڑے انداز میں بولی۔

"میں تو نہیں جاؤں گا, میں تو ادھر ہی رہوں گا۔"

وہ آنکھوں میں شرارت لیے ضدی انداز میں بولا۔ زی کو تو آگ ہی لگ گئی, وہ ضدی شخص اس کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔

"مسٹر آہل! ...... دیکھیں"!

وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بول ہی رہی تھی کہ آہل پھر سے بول پڑا۔

"دیکھ ہی رہا ہوں، سویٹی, قسم سے بلکل بھی سویٹ نہیں ہو تم, ایک دم سڑی ہوئی ہو تم۔"

زی نے گھور کر آہل کو دیکھا تو اس نے ایک دل جلا دینے والی مسکراہٹ پاس کی۔ زی تو اندر تک جل بھن گئ۔

"مسٹر آہل! پلیززز، آپ یہاں سے جائیں میرا سر بہت درد کر رہا ہے۔"

وہ اپنا غصہ ضبط کرتی نرم لہجے میں بولی۔

"لووو، پہلے بتانا تھا نا، سویٹی، میں دبا دیتا، ابھی میں تمہارا سر دبا دیتا ہوں۔"

وہ بڑی پیاری سی مسکان کے ساتھ کہتا کھڑا ہونے ہی لگا تھا کہ زی جلدی سے بولی۔

"رکیں!... رکیں!... رکیں! مجھے نہیں دبوانا، ویسے بھی سب سے بڑا سر درد تو آپ ہیں میرا، آپ اپنا گلا کیوں نہیں دبا لیتے۔"

"آااں! اب آج تم نے میری جان بچالی اپنی جان داؤ پر لگا کر، اس کا مطلب ہے کہ اب سے میری جان تمہاری امانت ہے، اور میں کسی کی امانت کا خیال کیوں نا رکھوں، یہ تو میرے اصولوں کے خلاف ہے۔"

وہ بے چارگی سے اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ اس کی جان اب اس کی ہی امانت ہے، اس لیے اسے خود اس کا دھیان رکھنا ہوگا، ورنہ وہ تو تیار بیٹھا تھا ابھی کے ابھی اپنا گلا دبانے کے لیے، بچارا آہل، چچ۔

زی دانت کچکچا کر اسے گھورنے لگی، جواب بچارا سا آہل بنا بیٹھا تھا۔

تقریباً رات کے گیارہ بجے زی کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا, اور اب وہ گھر کے اندر داخل ہو رہے تھے, جب آہل زویا اور زی سے مخاطب ہوا۔

"تم دونوں اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو, ہمیں کچھ کام ہے۔"

یہ کہہ کر آہل اور صائم تیزی سے سیڑھیوں کے درمیان میں لگے ہال میں چلے گئے جہاں بہت سے کمرے موجود تھے, زی نے آنکھیں چھوٹی کر کے انہیں جاتے دیکھا اور ہلکا سا مسکرائی, اسے سمجھ لگ گئی تھی شاید, جبکہ زویا نے صرف کندھے اچکائے اور دونوں اوپر اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

آہل اور صائم ایک کمرے کے اندر گئے, اور جا کر کمرے میں لگی بڑی سی پینٹنگ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ وہ پینٹنگ ان دونوں کے قد سے کافی بڑی تھی, صائم نے اس

پینٹنگ کو وہاں سے اتار کر سائیڈ پر رکھا, سامنے ہی ایک دروازہ تھا جو کہ کسی کمرے کا تھا, وہ دونوں اس کمرے کا لاک کھولتے اندر داخل ہو گئے, کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا, صائم نے بلب جلا کر کمرے کو روشن کیا تو سامنے ہی کرسی پر ایک آدمی بندھا ہوا تھا, آہل ہلکا سا مسکراتے ہوئے اس آدمی کے سامنے جا کھڑا ہوا, آہل کو دیکھ کر اس آدمی کے ہوش اڑ گئے۔

"اوہ, تمہیں کیا لگا تم آہل پر گولی چلاؤ گے اور آہل مر جائے گا, مطلب کہ آہل کا دی اینڈ ہو جائے گا, اُف ہائے رے یہ خوش فہمیاں تم لوگوں کی, چچ۔"

وہ جیسے افسوس کر رہا تھا۔

"میرا, میرا کوئی قصور نہیں ہے اس میں, مجھے تو اس کام کے پیسے ملے تھے, میرا, میرا کوئی بھی قصور نہیں ہے۔"

وہ انگریز آدمی اپنی صفائی دے رہا تھا۔

"پر تم مجھے مارنے سے پہلے پوری معلومات تو لے لیتے, اب تمہیں یہ افسوس مرتے دم تک رہے گا, چچ۔"

"صائم"......!

آہل نے اس آدمی کو دیکھتے ہوئے صائم کو مخاطب کیا تو صائم نے ایک بڑا سا چاقو آہل کی طرف بڑھایا جسے اس نے فوراً تھام لیا۔

"اگر آج تمہاری وجہ سے اس لڑکی کی جان چلی جاتی تو۔"

وہ اب بھڑک کر بولا تو وہ آدمی کانپ اٹھا, وہ آدمی تو پہلے ہی اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر ڈرا پڑا تھا, لیکن صرف ڈرا تھا, کیونکہ اسے آہل کا پتا نا تھا۔

"سر آپ جو کہیں گے میں وہ کروں گا, لیکن مجھے بخش دیں۔"

وہ منت کرنے پر اتر آیا۔

آہل طنز سے مسکرایا۔

"تمہیں تو میں موقع ایک بار بھی نہیں دے سکتا, کیونکہ تم نے میری جان لینے کی کوشش کی ہے۔اور ہر کسی کو اپنی جان بہت عزیز ہوتی ہے۔ جس طرح کہ تمہیں اپنی۔"

یہ کہتے ساتھ ہی آہل نے چاقو کی تیز دھار اس آدمی کے بازو پر ماری, وہ آدمی درد سے چیخ اٹھا, خون اس کے ہاتھ سے تیزی سے بہنے لگا۔

"تم چیخے کیوں ؟"۔

اس نے غرا کر پوچھا۔

جن آنکھوں میں زی کے سامنے شرارت موجود تھی, اب ان آنکھوں سے مانو لہو ٹپک رہا ہو۔ وہ اب بلکل ڈیول لگ رہا تھا۔

"اگر اب تم چیخے تو اگلی دھار پہلے والے سے زیادہ ہو گی۔"

یہ کہتے ساتھ آہل نے اس آدمی کے دوسرے بازو پر بھی چاقو کی تیز دھار رکھ کر ماری, اس بار درد پہلے سے زیادہ ہوا تھا, وہ آدمی زور سے چیخا۔"

"چیخے کیوں تم؟ میں نے کہا تھا نا کہ نہیں چیخنا۔"

آہل نے پھر سے چاقو اب اس آدمی کی ٹانگ پر مارا, جس سے اس آدمی کی چیخیں کمرے میں زور و شور سے گونجنے لگیں۔

آہل بھی اس کی چیخوں کی پرواہ کیے بغیر ایک کے بعد ایک دھار اس کے جسم پر لگا رہا تھا, وہ آدمی لہولوہان ہوا پڑا تھا, کافی سارا خون آہل کے سوٹ کو بھی خراب کر گیا تھا, اس آدمی کو تڑپتے دیکھ صائم اور آہل کے اندر مانو سکون بھر گیا ہو۔

وہ آدمی درد کی شدت برداشت نا کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔ آہل گہرا سانس لیتے کمرے سے نکل گیا, جبکہ صائم کو ابھی اس آدمی کو اس کی جگہ پہنچانا تھا۔

کمرے میں جاتے ہی زی فون لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی, گولی اس کے بائیں بازو پر لگی تھی, جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی, وہ بازو مشکل سے ہی حرکت میں آتا تھا اس لیے زی دائیں ہاتھ سے فون استعمال کر رہی تھی۔ اور زویا میڈم نے تو صوفے پر بیٹھ کر ایک نیا شُغل جاری کیا ہوا تھا, وہ جگ میں سے پانی گلاس میں اُلٹا دیتی تو کبھی گلاس سے پانی جگ میں اُلٹا دیتی, یہ کام وہ اپنی دندیاں دکھاتے ہوئے کر رہی تھی جیسے کوئی عظیم کارنامہ انجام دے رہی ہو۔

زی کے دائیں ہاتھ کی انگلیاں فون پر تیزی سے چل رہی تھی, وہ شاید فون میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ زویا جو پانی گلاس اور گلاس جگ والا کھیل کھیل رہی تھی اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹا اور فرش پر گر کر ٹوٹ گیا, زویا کی دندیاں جھٹ سے اندر ہوئی تھیں, زویا نے تھوک نگلتے کنکھیوں سے زی کو دیکھا کہ وہ اسے ڈانٹے گی لیکن زی اپنے کام میں جاری تھی, زویا کی دندیاں پھر سے باہر آ گئیں۔

"مطلب کہ زی کو پتا ہی نہیں چلا۔"

اس نے خوش ہوتے ہوئے سوچا اور باہر کی طرف دوڑ لگا کر اولیویا کو بُلا لائی اور اسے کانچ کے ٹکڑے اٹھانے کا حکم بھی دیا جس پر اولیویا نے جلدی سے ہاتھ چلا کر کانچ سمیٹا اور

کمرے سے باہر چلی گئ, زویا کا سر تو فخر سے اونچا ہو گیا, اس نے اپنے اتنے عظیم کارنامے کو زی سے جو چھُپا لیا تھا۔ اچانک سے زویا کے دماغی گھوڑوں نے دوڑنا شروع کر دیا اور جہاں جا کر اس کے دماغی گھوڑے پہنچے تھے وہ یہ تھا کہ

"زی کیا کام کر رہی ہے فون میں جو اسے گلاس ٹوٹنے کی خبر بھی نا ہوئی, ابھی جا کر دیکھتی ہوں کہ کیا کر رہی ہے۔"

زویا اپنی جگہ سے جن کی طرح غائب ہو کر زی کے پاس حاضر ہوئی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کے فون میں جھانکنا شروع ہو گئ۔

زی آج مال میں ہونے والے واقعے کی نیوز دیکھ رہی تھی جس میں بتا رہے تھے کہ مال میں گولی کسی لڑکی کو لگی تھی جو کہ پولیس کے مال میں پہنچنے تک وہاں موجود نہیں تھی, اور مال کی CCTV فوٹیج میں جب دیکھنے کی کوشش کی گئ تو وہاں پر گولی لگنے کے دوران کی بیس منٹ والی ویڈیو غائب تھی, اب پولیس کو بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ مال میں اصل میں ہوا کیا تھا۔

"یار زی یہ کیسے ہوا؟"۔

زویا نے شاک کی سی کیفیت سے پوچھا۔

"زویا یہ سارے ثبوت آہل احمد بٹ نے ہی مٹوائے ہیں۔"

وہ فون پر دیکھتے ہوئے بولی۔

"پر اتنی جلدی کیسے, وہ تو ہمارے ساتھ ہوسپٹل گ ئے تھے, اور ہمارے وہاں سے جاتے ہی فوراً پولیس آ گئی تھی, اور انہوں نے تو میرے سامنے کسی کو فون بھی نہیں کیا تھا۔"

زویا کم عقل نے اپنا دماغ لڑایا۔

"زویا یہ صائم نے کیا ہے۔ وہی اس کا خاص آدمی ہے, اور یقیناً وہ میرے، تمہارے، اور آہل کے ساتھ ہوسپٹل نہیں آیا تھا۔"

زی نے سب کا نام الگ الگ لیتے کہا۔

"پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ہمارا نام الگ الگ کیوں لیا؟"

زویا نے بیچ میں سے اس کہ بات اچک لی۔

"کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لیے انجان ہیں۔" زی بولی تو زویا کا منہ کھل گیا۔

"تھوڑی دیر پہلے تک تو تم میری بہن تھی۔"

"ڈرامہ۔" لفظی جواب آیا۔

"کیا ڈرامہ؟"

"سب ڈرامہ تھا, ان لوگوں کے سامنے ہی صرف تم میری بہن ہو۔"

وہ ابھی بھی فون میں دیکھ رہی تھی۔

"چلو کسی کسی ٹائم ہی سہی، بہن تو ہوں نا، ویسے تم کچھ بتا رہی تھی ابھی کہ صائم نے مٹائیں ہیں یہ سارے ثبوت، زرا تفصیل بتادو کہ، کیسے؟"۔

زویا کو اپنا اگلا سوال بھی یاد آ ہی گیا تھا جو وہ تیس سیکنڈ پہلے بھول گئ تھی۔

"جب تم لوگ مجھے ہاسپٹل لے کر گ ئے تھے، تب صائم مال میں ہی تھا تو اس نے اس آدمی کو پہلے پکڑا ہوگا اور سارے ثبوت بھی مٹا دیے ہونگے، یہی نہیں صائم نے اس آدمی پر گولی بھی چلادی تھی، کیونکہ نیوز میں بتایا گیا ہے کہ پہلے ایک گولی چلنے کی آواز آئی تھی اور اس کے ٹھیک سات منٹ بعد دوسری گولی چلنے کی بھی آواز آئی تھی اور یقیناً وہ دوسری گولی صائم نے ہی چلائی تھی اس آدمی پر۔"

زویا پر سکتا طاری ہو گیا زی کہ بات سُن کر۔

"اوہ میرے اللہ، مطلب کہ۔۔ مطلب کہ صائم ایک قاتل ہے۔ مجھے تو لگا تھا کہ وہ بس دھمکی دیتا ہے، لیکن اس نے ایک آدمی کا قتل کر دیا۔"

زویا بس اپنے ہی تکُے لگا رہی تھی۔

"نہیں، زویا! اس نے اس آدمی پر گولی ضرور چلائی تھی, لیکن صائم نے اس آدمی کا قتل نہیں کیا۔"

زی نے اس کے تکُوں کو غلط قرار دے دیا۔

"ہیں؟ یہ کیا بات ہوئی؟" زویا کے سر پر سے گزری تھی بات۔

"زویا میرا سر نا کھاؤ اور جاؤ یہاں سے, اگر گھنٹہ بھی تمہیں میں سمجھاتی رہی نا تو تمہیں پھر بھی سمجھ نہیں آنی۔"

زی نے اکتا کر کہا۔

"پلیز زبتادو نا, اب مجھے پکا سمجھ آجائے گی, پکا۔"

زویا زی کا گھُٹنا زور سے ہلاتے بولی۔

"اُف، زویا! پیچھے ہٹو اور جاؤ یہاں سے۔"

زی اسے گھور کر بولی تو زویا میڈم نے نقلی ٹسوے بہانے شروع کر دیے۔"

زی تم مجھے کچھ بھی نہیں بتاتی۔۔ آآاہاں ہاں۔۔ تم بہت خراب ہو۔۔ آآاں ہاں ہاں, پلیز زآج بتادو اس کے بعد بے شک نا بتانا آآاں ہاں ہاں, پلیز ز ز آآاں ہاں ہاں۔"

"اچھا بتاتی ہوں۔"

زی افسوس سے اسے دیکھتے بولی تو اس کا "آااں ہااں" بند ہو گیا اور "ہی ہی ہی ہی" شروع ہو گیا۔

"وہ آدمی مرا نہیں ہے بلکہ اسی گھر میں ہے۔"

زی نے بتا کر گہرا سانس لیا۔

"کیاااا؟"

زویا صدمے سے چلائی لیکن زی کچھ نا بولی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ وہ آدمی اسی گھر میں ہے۔"

وہ پھر سے بولی۔

"زی کو سب پتا ہے۔"

وہ اپنے مغرور انداز میں بولی۔

"اچھا جی، پھر تو زی کو یہ بھی پتا ہو گا کہ اس آدمی کو اس گھر میں کس جگہ رکھا گیا ہے۔"

وہ شاید پتا لگانا چاہ رہی تھی۔

"بے شک"!

کڑک سا جواب آیا۔

زویا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کہاں ہے پھر وہ آدمی ؟ زرا میں اس کی خبر لے کر آتی ہوں اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی تمھیں نقصان پہچانے کی۔"

زویا لڑاکا بندوں کی طرح آستین اوپر چڑھاتے بولی۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی, آہل اور صائم نے اس آدمی کی عقل ٹھکانے لگادی ہو گی۔"

"اچھا چلو پھر ٹھیک ہے, ورنہ تو میں نے جو بھرتا بنانا تھا اس آدمی کا جو بھرتا بنانا تھا اس آدمی کا کہ اس کی عقل ٹھکانے آجانی تھی, بچ گیا وہ میرے ہاتھوں بس۔"

زویا احسان کرنے والے انداز میں بولی تو زی بس افسوس سے سر جھٹک کر رہ گئ۔

****

صبح کا وقت تھا جب اولیویا نے ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ زویا نے جب دروازہ کھولا تو اولیویا نے اسے کافی سارے شاپنگ بیگز پکڑا دیے اور کہا۔

"یہ سر نے آپ کو دینے کے لیے کہا ہے اس میں آپ دونوں کے کپڑے اور کچھ ضرورت کا سامان ہے۔"

"شکر ہے جو کپڑے آگ ئے ہیں, میں توان کپڑوں میں بور ہو گئ تھی, اب میں جلدی سے تم سے پہلے پہلے واشروم میں جا کر نہا دھو کر کپڑے بدل لوں گی, تم میرے بعد نہا لینا, اور ابھی تم یہ ساری چیزیں وارڈروب میں رکھ دو، کیونکہ میں تو نہانے جا رہی ہوں۔"

اولیویا کے جاتے ہی زویا، زی سے مخاطب ہوئی۔

زویا نے سارے کپڑے نکال کر دیکھے تو وہ اسی طرح کے کپڑے تھے جس طرح کے وہ دونوں پہنتی تھیں۔

"یار زی! مجھے نا یہ کپڑے دیکھ کر میرا ریستوران یاد آگیا۔"

زویا کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"وہ تمہارا ریستوران نہیں تھا, تم صرف ادھر ایک معمولی سی ویٹریس تھی۔"

زی نے اسے اس کی اوقات بتائی۔

"ہاں وہی, ایک ہی بات ہے۔" زویا ایک ادا سے ہاتھ جھٹکتے بولی۔

"مجھے تو ریستوران یاد آگیا, آج میری دوسری چھٹی ہو گئ ہے ریستوران سے, کہیں مالک مجھے نکال ہی نا دے, غریب سی تو میں ہوں, مجھے اور کہاں جاب ملے گی پھر, ان

لوگوں نے تو ہمیں قید کر کے ہی رکھ لیا ہے, اگر ان لوگوں کی وجہ سے مجھے ریستوران سے نکالا گیا نا تو میں نے ان لوگوں کی ہی کسی کمپنی میں مینیجر کی جاب پر لگ جانا ہے۔"

زویا کچھ زیادہ ہی اوقات سے باہر ہو رہی تھی۔

"لیکن پھر میں سوچتی ہوں جس طرح کے یہ لوگ ہیں, مجھے تو چپڑاسی کی بھی نوکری نہیں ملے گی۔"

زویا اب اپنی اوقات میں واپس آ رہی تھی۔

زویا تو بس اپنی باتوں میں شروع ہوئی پڑی تھی یہ جانے بغیر کہ کوئی بھی اس کی باتیں نہیں سُن رہا, کیونکہ زی اس سے بھی پہلے واشروم نہانے چلی گئ تھی۔ جب زویا کو اپنی باتوں سے فرصت ملی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

کمرے میں کوئی بھی نا تھا۔

"زی تم کہاں چلی۔" زویا ابھی بول رہی رہی تھی کہ واشروم کا بند دروازہ دیکھ کر اس کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے, زویا کا تو منہ ہی رونے والا ہو گیا۔

"اللہ تمہیں پوچھے، زی۔"

یہ کہہ کر وہ زمین پر پیر پٹختی کپڑے لے کر کمرے میں موجود وارڈروب کی طرف چلی گئ, تا کہ کپڑوں کو اس میں رکھ سکے، بچاری زویا، چچ۔

نہا دھو کر کپڑے وغیرہ بدل کر وہ نیچے جانے کے لیے سیڑھیوں سے اُتر رہی تھیں۔ زی تو خیر آرام سے اتر رہی تھی لیکن زویا کو شاید زیادہ جلدی تھی۔ زویا میڈم تو اُچھل اُچھل کر دو سٹیپ چھوڑ کر اتر رہی تھی۔ جیسے اس سے اچھا کوئی کام دھندا ہی نہیں اس کے پاس۔

صائم جو ڈائننگ کی طرف جا رہا تھا اسے مینڈک بنا اترتا دیکھ صائم کو اندازہ ہو گیا کہ وہ جلد ہی مینڈک سے سانپ بننے والی ہے، اور ہوا بھی یہی تھا، کچھ دیر بعد زویا میڈم، میرا مطلب ہے زویا مینڈک دھڑام نیچے۔

"آاااااہ"...!

زویا درد کی وجہ سے چیخ اٹھی۔

"ہائے اللہ جی! میری ٹانگ گئی، اب لگتا ہے کہ میں کبھی بھی نہیں چل پاؤں گی، یا اللہ مجھے بچا لے رے بچا لے، آاں، ہااں، ہاں۔" زویا چیخیں مار کر اپنے نہ نظر آنے والے آنسو بہاتے بولی۔

"زویا تمہارے پاؤں کے پاس کاکروچ بیٹھا ہے۔"

زی جو آرام سے نیچے اتر رہی تھی اس کے پاس پہنچتے ہی عام سے انداز میں بولی اور آگے نکل گئی، زی کے منہ سے کاکروچ کا سنتے ہی زویا فوراً سے چیخ مارتے اٹھ کھڑی ہوئی، اٹھی بھی کیا ہی تھی اُچھلی تھی زویا مینڈک۔

کیا سپیڈ تھی زویا مینڈک کے اُچھلنے کی۔ صائم کے منہ سے بھی بے اختیار نکلا۔

"واہ واہ۔"

"کہاں ہے؟ کہاں ہے، کاکروچ؟"

وہ اس جگہ سے اٹھ کر اسی جگہ کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم خود کسی کاکروچ سے کم ہو۔"

زی نے چلتے ہوئے مڑے بغیر کہا۔

زویا کو پہلے تو سمجھ نا آئی لیکن جب صائم زور سے ہنسا تو بہت اچھے سے سمجھ لگی اسے۔

"اللہ پوچھے تمہیں۔"

وہ پیچھے سے چلائی، اور فوراً سے جا کر صائم کے سر پر کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے دانت کیوں نکل رہے ہیں، ہاں؟"۔

کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا عورتوں کی طرح کہا گیا۔

"شٹ اپ، میری مرضی میرے دانت، تمہیں کوئی مسئلہ؟"

وہ شاید پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ہے مجھے مسئلہ، کیونکہ تم مجھے بلکل بھی اچھے نہیں لگتے۔"

دوٹوک انداز میں کہا گیا۔

"تم بھی مجھے اچھی نہیں لگتی، سمجھی اور اب راستہ ناپو اپنا کیونکہ مجھے تمہاری فضولیات سننے میں بلکل بھی دلچسپی نہیں ہے۔"

صائم کو تو غصہ ہی آگیا۔

"نہیں ناپو گی میں اپنا راستہ، پہلے تم جا کر اپنا پول ناپو۔۔ ہونہہ۔"

صائم کا ہاتھ اپنی گن تک جانے ہی لگا تھا کہ زویا اس کے ارادے دیکھ کر فوراً سے اپنے ہاتھ جوڑتے بولی۔

"معافی دے دو، اللہ کے واسطے معافی دے، اب نہیں کہتی کچھ۔"

"چلو جاؤ ایک اور بار بخشا تمہیں، لیکن اگلی بار میں سیدھا شوٹ کروں گا تمہیں۔"

وہ احسان بھی کر رہا تھا اور دھمکی بھی دے رہا تھا، زویا کی تو پھر سے دندیاں باہر آگئیں۔

"ہی ہی ہی"......!

اسے اس کی بات سے زیادہ احسان اور دھمکی کی زیادہ سمجھ لگی تھی شاید۔

"توبہ لڑکی اب چلو ناشتہ کرنے کا تمہارا کوئی موڈ نہیں لگ رہا مجھے۔"

صائم کہتے ساتھ ہی وہاں سے چل دیا، زویا بھی اس کی پشت کو اپنے دانت دکھاتی اس کے پیچھے بھاگی۔

وہ تینوں ڈائننگ پر بیٹھے تھے جب آہل کچن میں داخل ہوا اور ان کو سلام کرتے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

صرف صائم اور زویا نے سلام کا جواب دیا تھا۔ بلکہ زویا نے تو خوشی خوشی سلام کا جواب دیا تھا، اسے اتنے سالوں بعد ہی کسی نے سلام کیا۔

"زویا! تمہاری بہن کو سلام کا جواب دینا نہیں آتا کیا؟"۔ آہل نے سرسری سا پوچھا۔

"نہ، میری بہن کو سلام کا جواب دینا بلکل نہیں آتا۔"

زویا کے بولنے پر صائم اور آہل نے چونک کر زویا اور زی کو دیکھا۔

"کیوں؟"۔

آہل نے ابرو اچکا کر سوال کیا۔

"کیونکہ زی کو اپنا مذہب نہیں پتا نا، لیکن مجھے پتا ہے وہ دو سو فیصد مسلمان ہے۔" زویا سوچے سمجھے بغیر منہ پھاڑ کر بول دی لیکن زی کی تیز گھوری پر فوراً سے چُپ ہو گئ۔ زی کو بھی جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا، اب آہل اس بات کی پوری تشویش کرے گا زی سے جس کا زی کے پاس جواب تو ہو گا پر وہ دے نہیں پائے گی۔

زی نے بس ضبط سے مٹھیاں بھینچ لی۔

"ایسے کیسے اسے اپنے مذہب کا نہیں پتا، یہ تمہاری بہن ہے اور تم مسلمان ہو، اس کا مطلب ہے کہ یہ بھی مسلمان ہے۔"

آہل نے بھی تشویش سے پوچھا۔

"کیونکہ زویا میری سگی بہن نہیں ہے۔"

زی نے بھی آدھا سچ بتانے میں ہی عافیت جانی۔

"واٹ، مطلب کیا ہے تمہارا۔" آہل ناسمجھی سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ کو اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے، آپ بس اپنے کام سے کام رکھیں۔"

روکھے انداز میں کہا گیا۔

آہل کچھ سوچتے ناشتہ شروع کرنے لگا۔

"میری بات سننا زرا، زی؟"۔

زی کے سیڑھی پر پیر رکھتے قدم رکے، دل کی دھڑکنوں کی رفتار تیز ہو گئی کیونکہ اسے پیچھے سے آہل نے پکارا تھا اور وہ بھی، زی، کہہ کر، زی نے ہمت کر کے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دیں، وہ آہل کو کسی بھی قسم کے شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں تمہیں کہہ رہا ہوں زی پلس زعیمہ۔"

آہل نے اسے نا رکتے دیکھ پھر سے پکارا، صائم بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

زی پیچھے مڑی اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرنے لگی، جیسے پوچھ رہی ہو کہ اسے ہی پکارا گیا ہے یا پھر کسی اور کو۔

"جی زی پلس زعیمہ میڈم میں نے آپ کو ہی پکارا ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولا۔زی بھی گہرا سانس لیتی نیچے اُتر کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور ابرو اچکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔اب تو ان آنکھوں میں دیکھنے کی عادت سی ہو گئی تھی۔

"اُف، سویٹی! تم بہت بہت چالاک ہو۔"

وہ ہلکا سا مسکرا کر اسے اس کی چالاکی کی داد دے رہا تھا۔

"مسٹر آہل! میں نے آپ سے کہا بھی ہے کہ فضول باتوں میں میرا وقت نا برباد کیا کریں۔"

اس سے ضبط نہیں ہو رہا تھا۔

"اُف، سویٹی! تم سچ میں سویٹ نہیں ہو، ویسے تمہارا نام بھی تمہاری طرح عجیب سا ہے، زی، بلکل عجیب، ہے نا؟"

ہلکا سا مسکرا کر ابرو اچکا کر کہا گیا۔

"اوہ شٹ اپ، مسٹر آہل! یہ کیا کب سے زی زی لگا رکھا ہے ہاں، میرا نام زعیمہ ہے۔"

زی تپ اٹھی تھی، پیچھے سے آتی زویا کو بھی شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔

"یہ سر آہل کو کیسے پتا چلا؟"۔

زویا نے ڈر کر سوچا۔

"اوہ، سویٹی! اب تو ایکٹنگ نا کرو، مجھے سب پتا ہے جیسے کہ تمہیں سب پتا ہوتا ہے، بقول زویا کہ زی کو سب پتا ہے۔"

آہل نے زویا کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔

زی نے چونک کر حیرت سے زویا کو دیکھا۔

زویا کو بھی اب یاد آچکا تھا کہ اس نے کب اور کیا چوّل ماری تھی اب تو زویا کو اپنی جان سولی پر لٹکتی محسوس ہو رہی تھی۔ زویا نے زی کو دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

زی نے غصے اور ضبط سے مٹھیاں اور آنکھیں دونوں بھینچ لیں۔

"یہ کیا کیا تم نے، زویا۔"

"سو، دی ورلڈ فینس تھیف، زی! ریڈی رہنا کل ہمارا نکاح ہے، سوچا تو میں نے شادی کا تھا پر اب صرف نکاح ہوگا کیونکہ شادی ہم پاکستان میں کریں گے، اس کے لیے مجھے تمہارا اور زویا کا پاسپورٹ وغیرہ بھی تو بنوانا ہے، اس لیے تیار رہنا نکاح کے لیے۔"

آہل دھماکوں پر دھماکے کیے جا رہا تھا۔

"مسٹر آہل، یہ کیا زی، چور، نکاح، شادی لگار کھا ہے، میں آپ سے کتنی بار کہوں کہ مجھے آپ کی فضول بکواس سننے میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔اور میں تو آپ سے نکاح بلکل بھی نہیں کروں گی چاہے اسکے لیے آپ میری جان ہی کیوں نا لے لیں۔"

زی نے دوٹوک کہا پر وہاں اس کی باتوں کی پرواہ کسے تھی۔

"اوہ، سویٹی! تمہیں اپنی نہیں تو اپنی بہن کی جان تو ضرور پیاری ہو گی نا۔"

آہل نے ڈری سہمی سی کھڑی زویا کی طرف اشارہ کیا۔زی نے جھٹ سے زویا کی طرف دیکھا اور پھر سے آہل سے مخاطب ہوئی۔

"میں آپ سے کتنی بار کہوں کہ میری بہن کا ان سب معاملوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس لیے اس کو بیچ میں مت لائیں۔"

"اوہ، سویٹی! اسی کی تو ساری بات ہے، جہاں تک مجھے لگتا ہے وہی تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہے جس کو میں استعمال کر سکتا ہوں۔"

آہل کے بولنے پر صائم نے چونک کر زویا کو دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو بس چھلکنے ہی والے تھے۔

"مسٹر آہل! پلیز میری بہن کو بیچ میں مت لائیں۔"

زی نے لال آنکھوں سے کہا۔

"اوہ، سویٹی! تم نکاح کے لیے تیار ہو جاؤ گی تو میں زویا کو کچھ بھی نہیں کہوں گا، اور اگر تم تیار نا ہوئی تو۔۔۔"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں۔۔آپ سے۔۔ نکاح۔۔ نہیں کروں گی۔" زی نے الفاظ توڑ کر جملہ ادا کیا۔

"ٹھیک ہے پھر، سویٹی۔"

آہل نے کندھے اچکا کر کہا اور پھر صائم کو اشارہ کرنے والے انداز میں مخاطب کیا

"صائم"......!

صائم نے گن نکال کر زویا کی کنپٹی پر رکھی، زویا نے تڑپ کر صائم کو دیکھا، پلکوں کی باڑ توڑ کر ایک آنسو تیزی سے زویا کی آنکھ سے نکل کر گال پر بہتے ہوئے نیچے جا گرا۔ صائم کو لگا جیسے وہ آنسو اس کے دل پر گرا تھا۔

"صائم! گن نیچے کرو۔"

زی چلا کر بولی۔

"صائم صرف میری بات سنے گا، اتنا تو تم جان ہی گئی ہو گی کہ وہ میرا کتنا وفادار ہے، میں ابھی اسے صرف ایک اشارہ کروں گا اور زویا اس دنیا جہان سے رخصت ہو جائے گی۔"

آہل بہت ہی آسانی سے یہ الفاظ ادا کر رہا تھا جو وہاں کھڑے تینوں نفوس کے دلوں پر پتھر کی طرح برس رہے تھے۔

"مجھے نا ماریں پلیز۔" زویا کے آنسو تیزی سے بہنا شروع ہو چکے تھے۔

"زویا! اب میں کیا کروں، تمہاری بہن بھی تو میری بات نہیں مان رہی نا، اس لیے اب مجھے ایسا کرنا ہی پڑے گا۔"

آہل اس پر جیسے ترس بھی کھا رہا تھا اور افسوس بھی کر رہا تھا۔

"مسٹر آہل پلیز چھوڑ دیں زویا کو اس بارے میں ہم آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

زی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زویا کو وہاں سے غائب کر دے۔

"مجھے۔۔مجھے نا ماریں پلیز۔"

زویا وہاں کھڑے کھڑے پھوٹ کر رو دی۔ زویا کو ایسے دیکھ کر صائم کا دل کیا وہ اس سے پہلے خود کو شوٹ کر لے۔ وہ ہنستی مسکراتی لڑکی آج رو رہی تھی، وہ صرف ہنستی مسکراتی ہی اچھی لگتی تھی، ایسے روتے ہوئے وہ اس کی جان کی دشمن بن رہی تھی، زی کی آنکھوں میں بھی نمی چھلکی، زویا آج اسی کی وجہ سے اس موت کے مقام پر کھڑی تھی۔

"اب اس میں میرا کیا قصور، زویا! تمہاری بہن ہی نہیں مان رہی، اب میں صرف تین تک گنوں گا صائم اگر یہ نا مانیں تو تم زویا کو شوٹ کر دینا۔"

آہل نے حکم جاری کیا اور گننا شروع کیا۔

"ایک"......!

"پلیزز، مسٹر! آہل پلیززز چھوڑ دیں زویا کو۔" زی نے زویا کو دیکھتے ہوئے جسیے منت کی، آج وہ اس لڑکی کے لیے منت کر رہی تھی جسے وہ اب تک کہتی آئی تھی کہ وہ اس کے لیے انجان ہے، آج وہ اس لڑکی کے لیے منت کر رہی تھی جو آج اس کی وجہ سے مصیبت میں پڑ چکی تھی، آج وہ اس لڑکی کے لیے منت کر رہی تھی جس سے اسے بہت محبت تھی، ہاں زی کو زویا سے بہت محبت تھی، اس لیے تو وہ اس کی کمزوری تھی، سب سے بڑی کمزوری، اور سب سے بڑی کمزوری بہت جان لیوا ہوتی ہے۔

"دو"......!

"پلیزز، صائم! مجھے نہ مارنا۔"

زویا روتے ہوئے صائم سے مخاطب ہوئی، اور صائم کا شدت سے دل چاہا کہ وہ خود مر جائے، وہ اسی وقت مر جائے۔

"تین!......صائم شوٹ۔"

آہل چلایا۔

"میں کروں گی نکاح"...!

زی حلق کے بل چلائی، لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی صائم نے ٹریگر دبا دیا تھا، زویا کا آخری وقت آ چکا تھا۔

لیکن شاید قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا، ٹریگر دبا تھا کلک کی آواز سے لیکن گولی نہیں چلی تھی، زویا خوف سے آنکھیں میچے کھڑی تھی، زی کی آنکھ سے ایک موتی ٹوٹ کر نیچے جا گرا۔ صائم کا گن والا ہاتھ اس کے پہلو میں جا گرا، اسے لگا جیسے اسے ایک نئ زندگی ایک نئ جان مل گئ ہو، لیکن وہ خود حیران تھا کہ گولی چلی کیوں نہیں؟ کیا یہ کوئی معجزہ تھا؟

زویا نے اپنی آنکھیں آہستہ سے کھولیں۔

"کیا وہ زندہ تھی؟"۔ یہ سوال اس نے خود سے کیا تھا۔

"ہاں وہ زندہ تھی، وہ زندہ تھی، اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔"

زویا آنسو بہاتے ہوئے زمین پر بیٹھتی چلی گئ، زی بھاگ کر اس کے پاس آئی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر زویا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے گلے لگتے ہی زویا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ز۔۔زی میں بچ گئی۔" وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے ساتھ بولی، آنکھوں سے آنسو اسی طرح جاری تھی، اور شاید اب وہ خوشی کے آنسو تھے۔

"ہا۔۔ہاں میری جان تم بچ گئی۔" گلے میں آنسوں کا ایک گولا اٹکا پڑا تھا جس کی وجہ سے آخر میں اس کا گلا رندھا گیا، وہ بہت سارا رونا چاہتی تھی بہت سارا، لیکن ابھی نہیں، وہ اپنے آنسو بعد کے لیے بچانا چاہ رہی تھی، وہ اس شخص کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی، وہ اس شخص کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ شخص ظام تھا بہت ظالم تھا، پر کیا وہ سچ میں اتنا ظالم تھا؟

صائم نے اس وقت دل سے دعا کی تھی اس لڑکی کے ہمیشہ خوش رہنے کی، آہل قدم قدم چلتا ان کے پاس آیا اور بولا۔

"شکر ہے اللہ کا جو میں نے صائم کی گن سے گولیاں نکال لی تھیں، ورنہ تم لوگوں نے تو قسم ہی کھا رکھی تھی بچاری زویا کو مارنے کی، صائم تو مارنے کے لیے تیار ہی کھڑا تھا بچاری زویا کو، ایک تو یہ صائم بھی کچھ زیادہ ہی وفادار ہے میرا اوپر سے تم سویٹی، تم نے بھی نا ماننے کی اور زویا کو مارنے کی قسم کھا رکھی تھی، بچاری میری بہنوں جیسی زویا۔"

آہل نے تو اچھا خاصا شکر ادا کیا تھا کہ اس نے گولیاں نکال لی تھیں۔

ان تینوں نے حیرت سے آہل کو دیکھا تھا، آہل نے ان کے اس طرح دیکھنے پر منہ بنایا۔

"اتنا بھی ظالم نہیں ہوں میں اب کہ ایک بے قصور کو بلاوجہ ہی موت کے گھاٹ اُتار دوں۔"

زی نے نفرت سے اسے دیکھا۔

زویا آہل کو دیکھ کر بس مسکرائی تھی، وہ صائم سے تو اچھا تھا، بہت اچھا۔

"زی تم ان سے نکاح کرلو۔"

زویا نے اتنی سیریس سچویشن میں بھی ایک حسین سا مشورہ پیش کیا اور زی کے سر پر تو حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اس نے لال انگارہ ہوتی آنکھوں سے زویا کو گھورا۔

زی کے اس طرح گھورنے پر زویا جلدی سے ہڑبڑا کر بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ اس سے پہلے وہ مجھے سچ میں مار دیں تم ان سے نکاح کرلو، ویسے بھی اب تمہیں نکاح کرنا ہی پڑے گا کیونکہ تم نے خود ہی کہا ہے، اور تم ہی تو کہا کرتی تھیں کہ زی اپنے کہے سے کبھی نہیں پلٹتی۔" زویا نے سب سے بڑا گپ چھوڑا تھا، کیونکہ زی نے ایسا کبھی کہا ہی نہیں تھا۔

"اوکے، میں کل تیار رہوں گی نکاح کے لیے۔"

زی سوچے سمجھے بغیر بولی اور آہل کے لبوں پر تیزی سے مسکراہٹ نے سفر کیا۔

"سو کل دی ورلڈ فینس تھیف، زی، کا نکاح دی ورلڈ فیمس بزنس مین آہل سے ہو گا۔"

آہل نے جیسے اعلان کیا تھا۔

زی نے بس لب بھینچ لیے، اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، اس کے جاتے ہی آہل زویا سے مخاطب ہوا۔

"اُف، تمہاری بہن تو بہت بُری ہے۔"

آہل نے سر جھٹک کر جیسے افسوس کیا۔

"میری بہن بُری نہیں ہے.........بلکہ اچھی خاصی بُری ہے۔" کہتے ساتھ ہی زویا کھلکھلا کر ہنس دی۔

آہل بھی زور سے ہنسا تھا جبکہ صائم بس ہلکا سا مسکرایا تھا، اس لڑکی کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

"زویا"...!

آہل کے جانے کے بعد زویا بھی وہاں سے جانے ہی لگی تھی جب صائم نے اسے پکارا، زویا کو لگا کہ اب وہ اس سے معافی مانگے گا اس لیے زویا میڈم کی گردن تھوڑی سی اکڑ گئی۔

"بولو" !

"زویاوہ۔۔۔" صائم نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو زویا خود ہی بول پڑی۔

"وہ کیا؟"۔

"زویا وہ جب تم رو رہی تھی تو ایک روتی ہوئی مینڈ کی لگ رہی تھی۔"

صائم نے نہایت ہی سنجیدگی سے کہا، زویا کی اکڑی ہوئی گردن واپس سے ڈھلک گئ۔

"صائم! تم بہت بہت بُرے ہو بہت بُرے۔"

صائم کو کوئی شدت سے یاد آیا تھا۔

زویا رونے والی شکل بناتے پیر پٹختی وہاں سے چلی گئ، پیچھے سے اسے صائم قہقہہ سنائی دیا تھا۔

زویا کمرے میں داخل ہوئی تو زی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی، وہ شاید کچھ سوچ رہی تھی۔

"زی کل تمہارا نکاح ہے، کتنا مزح آئے گا نا کل، میں پہلی دفعہ کسی کا نکاح ہوتے دیکھوں گی اُف، میں تو بہت ہی زیادہ خوش ہوں۔"

زویا خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"زویا مجھے اسلام قبول کرنا ہے۔" زی نے اس کے سر پر دھماکہ ہی تو کیا تھا، یہ وہ کیا کہہ رہی تھی، زویا کو اپنی سننے کی صلاحیت پر شبہ ہونے لگا، کیا اس نے سچ میں یہ کہا تھا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتی تھی؟

"زی تم نے کیا کہا ہے؟ مجھے لگتا ہے میں نے ٹھیک سے سنا نہیں۔"

زویا نے کان میں انگلی مار کر اپنے ٹھیک سے نا سننے کا یقین دلایا۔

"میں نے کہا مجھے اسلام قبول کرنا ہے۔" زی نے اپنی بات دہرائی۔

زویا نے بے اختیار خوشی سے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"زی! تم جانتی ہو کہ تم نے کتنا اچھا فیصلہ لیا ہے۔"

وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی، زی کچھ نا بولی، چُپ رہی۔

"زی! اللہ نے تمہیں، اللہ نے تمہیں اپنے راستے کی طرف بُلا لیا ہے، وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔"

زویا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نا تھا۔

"کیا سچ میں اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے؟"۔ زی نے سوچا۔

زویا نے جیسے تیسے کر کے دو سٹالرز کا انتظام کیا تھا، پھر ایک سٹالر سے اپنے سر پر ہجاب کیا اور دوسرے سٹالر سے زی کے سر پر ہجاب کرنے ہی لگی تھی کہ زی ایک جھٹکے سے زویا سے دور ہوتے بول پڑی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"۔

"ارے یہ تو اسلام کی شہزادی کا تاج ہے، جسے پہننا بہت فخر کی بات ہے۔"
زویا نے بہت اچھی بات کہی تھی۔

"کیا اسے پہننا ضروری ہے؟"۔ زی نے پوچھا۔

"بہت ضروری ہے، اگر تم یہ نہیں پہنو گی تو تم اسلام کی شہزادی کیسے کہلاؤ گی۔" جواباً زویا بولی۔

"لیکن تم تو اسے نہیں پہنتی، صرف نماز پڑھتے وقت یا پھر قران پڑھتے وقت ہی پہنتی ہو، اور شہزادی کا تاج تو ہمیشہ ہی اس کے سر پر اچھا لگتا ہے۔"

زی نے کیا بات کہی تھی، زویا خود لاجواب ہو چکی تھی۔

"زی یہ بات میں نے پہلے کیوں نہیں سوچی۔"

زویا کو اپنے آپ پر افسوس ہونے لگا۔

"کیونکہ تم مسلمان تو تھی، تمہیں نماز اور قران تو پڑھنا آتا تھا لیکن تمہیں یہ سب باتیں سمجھانے والا کوئی نہیں تھا۔"

زی نے گہرا سانس لیتے کہا۔ زویا نے بھی سر اثبات میں ہلایا تھا، اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ روز ہجاب لے گی۔

زویا نے سٹالر کو ہجاب کے اسٹائل میں زی کے سر پر اوڑھایا، اور بولی۔

"اب جیسے جیسے میں پڑھتی جاؤں گی تم بھی میرے ساتھ ویسے ہی پڑھنا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے ماما بابا مسلمان ہی تھے، یہ بات میں تمہیں ایک بار پھر سے بتا رہی ہوں تمہارے اسلام قبول کرنے سے پہلے۔"

آخر میں زویا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنا چاہا، پر اس کی بات پر زی کے چہرے پر کوئی تاثر نہ آیا، زویا بس گہرا سانس لے کر رہ گئی اور بولی۔

"چلو اب شروع کرتے ہیں۔"

زی نے سر اثبات میں ہلایا۔

لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ

زویا نے بولنا شروع کیا تو زی کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر نیچے جا گرا۔

لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ

زی نے پڑھا، اور ایک اور آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھ سے نیچے جا گرا، بہت سکون مل رہا تھا اسے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؐ

زویا نے پورا کلمہ پڑھ دیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؐ

زی نے کلمہ پورا پڑھ دیا تھا، وہ اسلام قبول کر چکی تھی، ہاں وہ اسلام قبول کر چکی تھی۔ جس لڑکی کو اپنا مذہب نہیں پتا تھا، آج اس نے بہت سے مذہب میں سے ایک مذہب قبول کر لیا تھا۔ اس لڑکی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

زی کی آنکھوں سے بہت سے آنسو ٹوٹ کر بہہ رہے تھے، اور شاید ان آنکھوں سے اتنے سالوں کا پچھتاوا ٹوٹ کر بہہ رہا تھا، اپنے اللہ سے دور رہنے کا پچھتاوا، اپنے اللہ کا ذکر نا کرنے کا پچھتاوا، اپنے اللہ کو نا ماننے کا پچھتاوا۔

زویا اسے دیکھ کر کھل کر مسکرائی تھی، اس کی بہن نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ آج اللہ نے اسے اپنی طرف بُلا لیا تھا، بے شک اللہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔

"اللہ تم سے بہت بہت محبت کرتا ہے زی، آج اس نے تمہیں اپنے راستے کی طرف بُلا لیا ہے، اللہ نے تمہارا دل اسلام کے لیے کھول دیا ہے۔"

زویا کی خوشی آسمانوں کو چھو رہی تھی۔

"کیا سچ میں اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے؟"۔

وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں زی، اللہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، اس لیے تو اس نے تمہیں سیدھے راستے کی طرف بُلا لیا۔"

"پر میں تو بلکل بھی نیک نہیں ہوں، میں تو ایک گناہ گار لڑکی ہوں، وہ مجھ سے محبت کیسے کر سکتا ہے؟"۔

"یہ تو وہی جانتا ہے، اور ہمیں دس سال پہلے اسی نے تو مشکل سے نکالا تھا، اسی نے تو ہماری مدد کی تھی، وہ تو گناہ گار کو بھی تنہا نہیں چھوڑتا۔"

زویا بلکل ٹھیک کہہ رہی تھی، زی نے چونک کر زویا کو دیکھا تھا، ہاں اللہ نے، اس کے مالک نے اس کے خالق نے ہر بار اسے مشکل سے نکالا تھا۔ جب وہ دونوں دس سال پہلے ایک مشکل میں پھنسی تھیں تب بھی اللہ نے ہی انہیں اس مشکل سے باہر نکالا تھا، جب وہ دونوں سڑک پر بھوکی پیاسی مر رہی تھیں تب بھی اللہ نے ہی انہیں مشکل سے نکالا تھا، جب وہ اس گندے پانی میں ڈوب کر مرنے والی تھی تب بھی اللہ نے اسے بچایا تھا، جب وہ دونوں میامی کی سڑکوں پر بھیگ مانگ رہی تھیں، اور لوگ انہیں ٹھوکریں مار کر پرے کر دیتے تھے تب بھی اللہ نے ہی انہیں اس مشکل سے نکالا تھا، جب زویا کو اس گاڑی نے ٹکر ماری تھی جب زویا خون سے لت پت پڑی تھی جب وہ لوگوں کو اس خون میں لت پت لڑکی کی مدد کے لیے پکار رہی تھی تب بھی کوئی نہیں آیا تھا اس کی مدد کے لیے، ہاں تب اس نے روتے ہوئے خُدا کو پکارا تھا، ہاں اس دس سالہ بچی نے تب شدت سے خُدا کو اپنی مدد کے لیے پکارا تھا، جس بچی کو اپنا مذہب نہیں پتا تھا اس نے تب خُدا کو پکارا تھا، اور ہاں تب اس خُدا نے ہی ان کی مدد کی تھی۔ تب صرف اللہ نے ہی ان کے لیے ایک مسیحے کو بھیجا تھا۔

"زی! ہم کہتے ہیں کہ ہم یتیموں کا کوئی نہیں ہے، لیکن ہمارے ساتھ ہمارا اللہ ہوتا ہے، جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے، کیا یہ ہمارے لیے کافی نہیں کہ ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

زویا پھر سے بولی اور زی کا سر اثبات میں ہلا تھا، آج اسے زویا کی ہر بات ٹھیک لگ رہی تھی۔

"میں تمہیں آج سے ہی نماز اور قران پڑھنا سکھاؤں گی، ٹھیک ہے۔"

"ہمم۔" زی نے ایک بار پھر سر اثبات میں ہلایا۔

"زعیمہ آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے آہل احمد ولد محمد احمد بٹ سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"۔

قاضی صاحب زی کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھے اس سے پوچھ رہے تھے۔

"قاضی صاحب مجھے یہ نکاح قبول نہیں ہے۔"

زی چلا کر بولی تھی۔

آہل جوزی کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا اس کے نکاح سے منع کرنے پر فوراً سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے مِس زعیمہ، آپ کی عقل تو ٹھکانے پر ہے؟"۔

وہ غصے سے آگ بگولا ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"جی میری عقل ٹھکانے پر ہے، اس لیے تو آپ جیسے شخص سے نکاح کرنے سے منع کر رہی ہوں، مجھے آپ سے نکاح نہیں کرنا، آپ جیسے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے اچھا ہے کہ میں مر جاؤں۔"

زی کے بولنے پر آہل کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ چکا تھا اور آہل کا ہاتھ تیزی سے اٹھا تھا زی کے چہرے پر۔

"چٹاخ"...!

"یہ کیا بدتمیزی ہے مسٹر آہل؟"۔

زی حلق پھاڑ کر چلائی تھی۔

"جو آپ نے کیا ہے، آپ اسی کے قابل ہیں۔"

وہ اس سے بھی زیادہ تیز آواز میں غرا رہا تھا، صائم خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا اور زویا کا تو ڈر اور خوف سے بُرا حال ہوا پڑا تھا، آنکھوں سے آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔

زی کا بھی ہاتھ اٹھا تھا آہل کے چہرے پر۔ "چٹاخ"...!

آہل نے گال پر ہاتھ رکھے لہو رنگ ہوتی آنکھوں کے ساتھ زی کو دیکھا۔

"آپ بھی اسی قابل ہیں۔" زی بولی تھی۔

"تمہاری اتنی ہمت۔"

وہ بولا تھا اور صائم کے پاس جا کر اس کی بیلٹ سے گن نکال کر وہ زویا کی طرف مڑا تھا۔

"کل تو خیر میں نے گولیاں نکال لی تھیں، لیکن آج اس میں گولیاں بھری پڑی ہیں جو کہ میں تمہارے سامنے زویا کے اندر اتاروں گا۔ وہ غصے سے چلایا تھا، زویا کو لگا تھا کہ وہ اس کے مارنے سے پہلے ہی مر جائے گی، وہاں کا ماحول کافی حد تک خطرناک بنا ہوا تھا۔

"مسٹر آہل چھوڑ دیں زویا کو ورنہ بہت بُرا ہو گا۔"

زی وہیں کھڑے چلائی تھی۔

"سوری سویٹی، آج نہیں، آج تم نے خود مجھے اس مقام پر لا چھوڑا ہے۔"

وہ بولا تھا اور گن کو زویا کی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبایا تھا۔ اس بار گولی سچ میں چلی تھی، اور زویا کو اس دنیا جہان سے رخصت کر چکی تھی، زویا مر چکی تھی، زویا کا مردہ وجود زمین پر پڑا تھا، اور دماغ پر گولی لگنے کی وجہ سے سارا دماغ باہر آ چکا تھا، زی کو لگا تھا اس کی سانس بھی تھمنے والی ہے، زی بھاگ کر زویا کے پاس گئی تھی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر

زار و قطار حلق پھاڑ کر رونے لگی، لیکن یہ کیا، زویا نے آنکھیں کھول دیں تھیں، اس کا دماغ باہر آیا ہوا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھولیں تھیں، ساری زمین خون سے بھر چکی تھی پر اس نے آنکھیں کھول کر کہا تھا۔

"زی میں جا رہی ہوں، میں جا رہی ہوں، زی میں اس دنیا سے جا رہی ہوں۔"

"نہیں میری جان تم نہیں جا سکتی مجھے چھوڑ کر، تم میرے پاس ہی رہو گی۔"

وہ روتے ہوئے اسے یقین دلا رہی تھی، وہ اس مردہ وجود کو یقین دلا رہی تھی۔

"میں جا رہی ہوں زی، مجھے جانا ہو گا، وہ۔۔۔ وہ موت کا فرشتہ مجھے لینے آ چکا ہے زی، اب مجھے جانا ہو گا، وہ موت کا فرشتہ میرے سامنے کھڑا ہے زی کالے کپڑوں میں، وہ مجھے اپنی طرف بُلا رہا ہے، اب مجھے جانا ہو گا، میں جا رہی ہوں زی، میں جا رہی ہوں۔"

"نہیں تم نہیں جا سکتی مجھے چھوڑ کر، تم، تم میرے پاس ہی رہو زویا، میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔"

وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے ساتھ کہہ رہی تھی، لیکن آہستہ آہستہ زویا اس سے دور ہو رہی تھی، زویا اس سے دور جا رہی تھی، زی نے روتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اسے روکنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ جا چکی تھی، وہ اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔

"زویا!!۔" وہ چلا کر اُٹھ بیٹھی، اے سی چلنے کے باوجود اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا، آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے، اس نے جلدی سے اپنی سائیڈ پر دیکھا تو زویا خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھی، زویا کو کچھ نہیں ہوا تھا، وہ زندہ تھی، وہ اسے چھوڑ کر نہیں گئی تھی، وہ تو بس ایک خوفناک خواب تھا، جو ٹوٹ چکا تھا، اب آنسوؤں میں اور زیادہ روانی آچکی تھی، وہ زویا کی پیشانی پر جھکی تھی اور اپنے لب اس کی پیشانی پر مس کیے تھے شدت سے، آنکھوں سے آنسو نکل کر زویا کے چہرے پر قطرہ قطرہ کر کے گر رہے تھے۔ وہ اس کے سامنے تھی، اس کا وجود زندہ تھا جو سانس لے رہا تھا، اس کا دل دھڑک رہا تھا، اسے موت کا فرشتہ لے کر نہیں گیا تھا۔

اپنے چہرے پر گیلا سا لمس محسوس کر کے زویا تھوڑا سا کسمسائی تھی، زی آہستہ سے اس سے دور ہوئی اور اپنے آنسو صاف کرتے واپس سے اپنی جگہ پر لیٹ گئی، اس خواب نے اسے بہت ڈرا دیا تھا، اس نے ایک اہم فیصلہ کرتے ہوئے اپنی آنکھیں موند لیں، اب اسے نیند کہاں آنی تھی، اس لیے آنکھیں بند کر کے کل کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے لگی۔

"زی! یہ دیکھو کتنا پیارا جوڑا ہے تمہارا، نکاح کا، تمہیں پتا ہے یہ آہل سر نے پاکستان سے منگوایا ہے، اور تو اور اس کا دوپٹہ تو دیکھو، کتنا پیارا ہے، مجھے تو بہت پسند آیا ہے تمہارے نکاح کا یہ ڈریس۔"

زویا زی کو اس کے نکاح کا جوڑا دکھاتے ہوئے بولی جو کچھ دیر پہلے ہی اولیویا دے کر گئی تھی، زی نے ایک نظر بھی اس جوڑے کو نہیں دیکھا تھا، لیکن زویا تو نکاح کے جوڑے پر تعریفوں کے پُل باندھ رہی تھی۔

"زویا پلیز، دور رکھو اسے مجھ سے۔"

زی ناگواری سے بولی۔

"ایسے نہیں کہتے نکاح کے جوڑے کو زی، بہت بُری بات ہے یہ۔"

زویا نے منہ پھلائے کہا۔

"تم بس اسے مجھ سے دور رکھو۔"

زی نے پھر سے نکہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن شام کو تمہارا نکاح ہے تب بھی تمہیں یہی جوڑا پہننا پڑے گا۔"

زویا نے کندھے اچکا کر کہا، اور زی کا دل چاہا وہ یہ جوڑا اٹھا کر آہل کے منہ پر دے مارے۔

"زی! تم تو پاکستان چلی جاؤ گی، پیچھے سے میں ادھر اکیلی ہی رہ جاؤں گی، تم مجھے بہت یاد آؤ گی۔"

بولتے ہوئے آخر میں زویا کا گلا رندھا گیا۔

"ہاں تو رہ لینا اکیلی، مزے کرنا، ویسے بھی میں کونسا تمہاری کچھ لگتی ہوں، ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے انجان ہیں۔"

زی اپنی پہلی والی ٹون میں واپس آچکی تھی۔

"ہاں، اب تو تمھیں میں یاد بھی نہیں آؤں گی، بلکہ تم تو خوش ہو گی کہ جان چھوٹ گئی زویا سے۔"

زویا میڈم تو رونے ہی لگ گئی تھی۔

"ہاں، بلکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم، زی کو تمہاری یاد کبھی بھی نہیں آئے گی۔"

زی نے شانے اچکا کر کہا۔

"آاااں ہااں ہااں، تم بہت بہت بُری ہو زی۔"

اب زویا نے اپنا اونچی آواز میں رونے والا شغل جاری کر لیا تھا۔

"بے شک !..."زی پھر سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی اور واشروم میں گھس گئی۔

"زی !...زی"...!

زویا اس کے نام پر زور دیتے اسے بُلانے لگی لیکن زی نے کوئی اثر نہ لیا تھا۔

زی کو کوئی اثر نہ لیتے دیکھ وہ زمین پر بیٹھ گئی اور ٹانگوں کی سائیکل چلاتے ہوئے زور و شور سے رونے لگی۔

"آااں ہاااں ہااں"......!

زویا زی کو نکاح کے لیے تیار کر رہی تھی۔زی تو اس کی ہاتھوں میں عجیب عجیب سی چیزیں دیکھ کر تنگ آچکی تھی جو وہ اسے پہنا رہی تھی،اور ان عجیب عجیب سی چیزوں میں جھومر، بڑا سا موتیوں کا ہار (جس کی کافی ساری لیئرز تھیں)، بڑے بڑے جھمکے،اور چوڑیاں وغیرہ شامل تھیں۔

"زویا! پیچھے ہٹاؤ اس پتھر سے کو، کتنا بھاری ہے یہ۔"

زویا نے جب زی کے کان میں بڑا سا جھُمکا پہنایا تو زی فوراً سے اس جھمکے کو اتارتے ہوئے بولنے لگی جو اتر ہی نہیں رہا تھا۔

"زی! یہ ائیر رنگز کی ہی ایک قسم ہے، پاکستان میں دلہنیں ایسی ہی چیزیں پہنتی ہیں۔"

زویا نے اسے بہت ہی اہم معلومات دی۔

"اب چھوڑو اسے، نکاح ہونے تک تمہیں یہ پہنے رکھنا ہے۔"

زویا نے اس کا ہاتھ جھمکے پر سے ہٹاتے کہا، زی کو تو ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی جوکر بن رہی ہے کسی سرکس کی۔

"اب یہ کیا ہے؟"۔

زویا نے جب اس کے ماتھے اور سر پر جھومر رکھا تو زی فوراً سے اس سے دور کرتے ہوئے بولی۔

"یہ جھومر ہے، جب میں تمہیں یہ پہناؤں گی نا تو تم کسی رُقیہ اکبر سے کم نہیں لگو گی۔"

زویا نے اس کی معلومات میں اور زیادہ اضافہ کیا جو کہ اس کے سر پر سے گزرا۔

"یہ رُقیہ اکبر کون ہے؟"۔

زی نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اکبر کی پہلی بیوی تھی۔"

زویا نے بتایا۔

"اب یہ اکبر کون ہے؟"

زی نے اکتا کر پوچھا۔

"ارے تمہیں نہیں پتا، ویسے تو زی کو سب پتا ہوتا ہے۔"

زویا نے زی پر حیرت کرتے ہوئے کہا، لیکن جب زی نے اسے غصے سے گھور کر دیکھا تو فوراً سے ہڑ بڑا کر بولی۔

"یہ تاریخ کے کردار ہیں، اکبر مسلمان تھا اور رقیہ بھی مسلمان تھی، لیکن اکبر کی کافی ساری بیویاں تھیں جن میں جودھا بائی بھی تھی، جو کہ ہندو تھی، اور اکبر اپنی ساری بیویوں میں سب سے زیادہ محبت جودھا سے کرتا ہوتا ہے، لیکن جودھا سے شادی کرنے سے پہلے اسے اپنی پہلی بیوی رُقیہ پسند ہوتی ہے لیکن جودھا کے آنے کے بعد۔۔۔"

"بسس!...بسس!...بسس!...مجھے نہیں سننی یہ ساری ہسٹری۔"

زویا کی زبان کو فراٹے بھرتے دیکھ زی جھٹ سے بولی۔

"اچھا! ویسے تمہیں پڑھنی چاہیے ایسی ہسٹری۔"

زویا نے جیسے مشورہ پیش کیا۔

"کتابیں پڑھنے کا شوق تمہیں ہے، مجھے نہیں، سمجھی، اپنے یہ فضول کے مشورے اپنے پاس ہی رکھا کرو۔"

زی کے بولنے پر زویا کا منہ بن گیا، اب وہ زی کے بال کھینچ کھینچ کر اس کا جھومر سیٹ کر رہی تھی۔

"زویا ٹھیک سے کرو، سارا غصہ مجھ پر نکالنے سے اچھا ہے کہ تم اپنے بال نوچ لو۔"

اس کو اپنے بال کھینچتے دیکھ زی غصے سے بولی، زویا کا تو منہ ہی لٹک گیا۔

"سب ریڈی ہے؟"۔ آہل کوٹ پہنتے ہوئے صائم سے پوچھ رہا تھا۔

"جی بوس، سب ریڈی ہے۔"

صائم نے جواب دیا۔

صائم اور آہل دونوں نے سفید شلوار قمیض پہن رکھی تھی، اور اس کے اوپر کوٹ پہن رکھے تھے، آہل نے نیوی بلو جبکہ صائم نے کالے رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا شلوار قمیض پر۔ آج کے کپڑوں کا تھیم ہی یہی تھا کہ لڑکے سفید شلوار قمیض اور لڑکیاں شرارے

پہن کر ہی نکاح میں شامل ہوں گی، چاہے وہ انگریز ہی کیوں نا ہو، آہل نے ان کے لیے ایک علیحدہ بندوبست کیا تھا تیار ہونے کے لیے، آہل نے سپیشل پاکستان سے ان سارے ڈریسز کا اورڈر دیا تھا جو کہ سارے میامی کے لیے ہی تھے، سارے میامی کو ہی نکاح کی دعوت دی گئی تھی، کیمرہ مینز و غیرہ رپورٹرز سب کو نکاح میں شامل کیا گیا تھا۔

کمرے کا دروازہ نوک کیے بغیر ہی آہل اور صائم کمرے میں داخل ہو گ ئے، زی اپنے بھاری سے دوپٹے کو سنبھالنے میں مصروف تھی جبکہ زویا میڈم شرارے کے نیچے بھی جوگرز پہننے میں مصروف تھی کہ کونسا کسی کو دِکھ جانا ہے، شرارے کے اندر ہی چھُپ جائیں گے، وہ دونوں ہی ان کی موجودگی سے بے خبر اپنے کاموں میں لگی ہوئی تھیں۔

اُن دونوں کو ایسی حالتوں میں دیکھ کر آہل اور صائم کی ہنسی نکلتے نکلتے رہ گئ۔

"ہاں اب ٹھیک ہے، دیکھو زی، میں کتنی عقل مند ہوں۔"

زویا شرارہ تھوڑا سا اوپر کر کے جوگرز کو دیکھتے ہوئے زی سے مخاطب ہوئی، دراصل وہ اسے اپنی عقل مندی کا بتا رہی تھی۔

"اس کو چھوڑو زویا، یہ کیا مجھے کارپیٹ جیسا دوپٹہ پہنا دیا ہے، بار بار زمین بوس ہو رہا ہے، اوپر سے جھومر کا بچہ، پتا نہیں کس جھومر کی نسل ہے، کبھی اِدھر لڑھک رہا ہے تو کبھی اُدھر۔"

زی بھی اپنی سنجیدگی کو سائیڈ پر رکھتے ہوئے اپنے دوپٹے میں الجھی ہوئی بولی۔

"ارے زی اس کو چھوڑو پہلے تم میرے جوگرز دیکھو۔"

"پہلے تم میرا دوپٹہ ٹھیک کرو۔"

"نہیں پہلے تم میرے جوگرز دیکھو۔"

"میں نے کہا نا کہ پہلے میرا دوپٹہ ٹھیک کرو۔"

زی غصے سے زویا کو گھورتی ہوئی بولی۔

"بس!...بس!...بس!... میڈم بخش دو بچاری کو۔"

آہل ان کو یوں لڑتا دیکھ آخر بول ہی پڑا۔

"آپ دونوں کب آئے؟"۔

زویا اور زی دونوں ہی حیرت سے ان کو دیکھتے بولیں۔

"جب آپ دونوں اپنے جوگرز اور دوپٹے میں الجھی ہوئی تھیں۔"

جواب صائم کی طرف سے آیا تھا۔

"آپ کو اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ نوک کر کے آتے ہیں لڑکیوں کے کمرے میں۔"

زی ان کو شرم دلاتے بولی۔

"ہمارا گھر۔ ہم جب مرضی چاہے جہاں مرضی جائیں۔"

آہل نے اپنے دانتوں کی نمائش کرنا نہایت ضروری سمجھا۔

زی نے جھرجھری سی لی۔

"تم نے ہی بُلایا تھا، بتاؤ کیا کہنا ہے؟"۔

آہل اپنے دانت اندر کرتے بولا۔

"نکاح سے پہلے میری ایک شرط ہے۔"

زی ہاتھ باندھ کر بولی۔

"کیسی شرط؟"۔

ابرا چکا کر پوچھا گیا۔

"میرے ساتھ زویا کا بھی نکاح ہو گا۔"

زی نے ایک نظر زویا کو دیکھتے کہا جو اب منہ کھولے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیا؟ لیکن کس کے ساتھ؟"۔

آہل نے ناسمجھی اور کچھ حیرت سے پوچھا۔

"صائم کے ساتھ۔"

زی نے صائم کی طرف اشارہ کیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔"

زویا آنکھیں پھاڑ کر زی کو دیکھتے ہوئے منہ میں بڑبڑائی۔

"استغفر اللہ"

صائم کی بھی حیرت سے آنکھیں باہر آنے والی تھیں۔

"چلووو جی"!

آہل نے چلو کو لمبا کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا سویٹ، میں پہلے ہی صائم سے پوچھ لیتا۔"

آہل نے اس کے پہلے نا بتانے پر افسوس کیا۔

"ہاں بھئی تو صائم کیا تمہیں زویا سے نکاح قبول ہے؟"۔

آہل مولوی بنا پڑا تھا لیکن صائم چُپ رہا کچھ نا بولا۔

"میں نے نہیں کرنا نکاح۔"

جواب زویا کی طرف سے آیا تھا، زویا نے ایک ہاتھ کو "نہ" والے انداز میں گھماتے دو قدم پیچھے ہوتے صاف منع کر دیا۔

"تم سے کون پوچھ رہا ہے، چُپ کر کے بیٹھو۔"

زی نے اسے ڈپٹا۔

"میں نی، میں نی، میں نی۔"

زویا نے ضدی انداز میں کہا۔

زی کو تو غصہ ہی چڑھ گیا اس کے ضد کرنے پر، زی اس کے سر پر جا کر کھڑی ہو گی اور زور سے چپیڑ اس کے سر پر دے ماری، صائم اور آہل کا تو منہ ہی کھل گیا جبکہ زویا نے نچلے لب کو باہر نکال کر رونے والی شکل بنائی، رونے والی شکل بھی کیا بنائی تھی بلکہ رونے ہی لگ گئ تھی۔

"آااں ہاں ہاں"...!

اس کے اس طرح رونے پر زی نے ایک اور چپیڑ زویا کے سر پر ماری اور بولی۔

"چُپ!...چُپ!...زویا!، بلکل چُپ، اگر تم اب روئی تو اور زیادہ ماروں گی۔

زویا نے اپنی آااں ہاں ہاں بند کی اور نچلے لب کو باہر نکالے اپنے رونے کے شغل کو کنٹرول کرنے کی سر توڑ کوشش کرنے لگی، کیونکہ پہلے ہی آہل اور صائم کے سامنے اتنی عزت افزائی ہو چکی تھی، اب وہ او نچا رو کر اور اپنی عزت افزائی نہیں کروانا چاہتی تھی۔

آہل اور صائم کے منہ حیرت سے اسی طرح کھُلے پڑے تھے جب زی کے دیکھنے پر ان دونوں نے اپنے منہ فوراً سے بند کیے۔

"ہاں صائم تم بتاؤ، تم کرو گے زویا سے نکاح؟"اب زی صائم سے پوچھ رہی تھی۔

"میں نہیں کرنا چاہتا زویا سے نکاح۔"

آہل نے آنکھیں پھاڑ کر صائم کو دیکھا جو نکاح سے منع کر رہا تھا۔

"صائم تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، تمہارا زویا سے نکاح ہو گا بس،اور کچھ نہیں سننا چاہتا میں۔"

آہل نے جیسے حکم دیا،اس نے تو بس فارمیلیٹی کے لیے ہی پوچھا تھا نکاح کا،اسے کیا پتا تھا کہ وہ منع ہی کر دے گا۔

صائم نے حیرت سے آہل کو دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو کہ حکم ہی دینا تھا تو پوچھا ہی کیوں؟

"اب کیا تم میری نافرمانی کرو گے؟"۔

صائم کو اپنی طرف یوں حیرت سے دیکھتا پا کر آہل بولا۔

"نہیں، بوس!ایسی بات نہیں ہے، میں کروں گا نکاح زویا سے۔"

صائم فرمابرداری سے بولا۔

"اب تو ٹھیک ہے نا سویٹی، آج ہمارے ساتھ صائم کا بھی نکاح ہو گا زویا سے۔"

آہل زی سے بولا لیکن زویا کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

"مجھے نہیں کرنا نکاح اس صائم سے، کل اس نے مجھ پر گن تانی تھی آگے جا کر اگر اس نے مجھے مار دیا تو؟"۔

صائم کے دل کو کچھ ہوا۔

"ارے، چندا! اس نے تو میرے کہنے پر گن تانی تھی تم پر۔"

آہل پیار سے بولا۔

"تم رُک جاؤ سہی، میں تمہاری طبیعت صاف کر لیتی ہوں۔"

کہتے ساتھ ہی زی نے اپنا پینسل ہیل والا جوتا نکالا۔

"اچھا اچھا، کر لوں گی نکاح میں۔"

زی کے ہاتھ میں پینسل ہیل دیکھ کر زویا جھٹ سے بولی۔

"توبہ ہے، کیا بگاڑا ہے اس بچاری نے تمہارا، چھوڑ دو اس کی جان۔"

آہل نے زی کے ہاتھ سے ہیل کھینچتے کہا۔

"زعیمہ آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے آہل احمد ولد محمد احمد بٹ سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے ؟"۔

قاضی صاحب زی کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھے اس سے پوچھ رہے تھے۔

زی کو اپنا رات والا خواب یاد آیا، آج اس نے اس خواب کی وجہ سے ہی تو زویا کے نکاح کی شرط رکھی تھی، وہ ڈر گئی تھی اس خواب کے بعد، لیکن پھر سر جھٹکتے بولی۔

"قبول ہے"...!

)وہ سارے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے جب آہل اس کی زندگی میں آیا تھا۔"میں نے تمہیں ڈولفن مال کے باہر ایک لڑکی کا ہار لوٹتے دیکھا ہے آج۔("

"زعیمہ آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے آہل احمد ولد محمد احمد بٹ سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے ؟"۔

قاضی صاحب نے دوسری مرتبہ پوچھا۔

"قبول ہے"...!

)تم یہاں آئی تو اپنی مرضی سے تھی, لیکن جاؤ گی آہل کی مرضی سے۔(

"زعیمہ آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے آہل احمد ولد محمد احمد بٹ سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے ؟"۔

قاضی صاحب اب تیسری اور آخری بار پوچھ رہے تھے۔

"قبول ہے"...!

)سو کل دی ورلڈ فینس تھیف زی کا نکاح دی ورلڈ فینس بزنس مین آہل سے ہو گا۔(

اس کی سوچوں کا فسوں تب ٹوٹا جب قاضی صاحب نے اسے نکاح کے رجسٹر پر دستخط کرنے کے لیے کہا۔

زی نے قلم تھام کر نکاح کے رجسٹر پر دستخط کرنے شروع کیے۔

اس کی نظر رجسٹر پر لکھے اپنے نام پر گئی جہاں صرف "زعیمہ" لکھا تھا۔ اسے اردو تو پڑھنی نہیں آتی تھی پر ایک دفعہ زویا نے اسے اس کا نام نیٹ سے دیکھ کر اردو میں لکھ کر دکھایا تھا، زبردستی۔

اس کے پاس تو باپ کا نام ہی نہیں تھا، وہ تلخی سے مسکرائی تھی، ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر نکاح کے رجسٹر پر لکھے آہل کے نام پر گرا تھا۔

دستخط کے بعد قاضی صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے دعائیں دیتے زویا کی طرف مڑے۔

"زویا آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے صائم سلیمان ولد سلیمان راشد سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"۔

قاضی صاحب پوچھ رہے تھے۔

"ایک منٹ قاضی صاحب، زویا کے ابو کا نام بھی لکھیں، اسے اپنے ابو کا نام پتہ ہے۔"

زی نے مولوی صاحب کو ٹوکتے کہا۔

"لیکن بچے، مجھے تو بیٹے آہل نے کہا تھا کہ آپ دونوں یتیم ہیں اور آپ کو اپنے باپ کا نام نہیں معلوم۔"

قاضی صاحب نے کہا۔

"نہیں قاضی صاحب، مجھے اپنے ابو کا نام نہیں پتا لیکن زویا کو اپنے ابو کا نام پتا ہے، آپ نکاح نامے پر زویا کے ابو کا نام لکھیے۔"

زی نے کہا تو قاضی صاحب نے زویا کے ابو کا نام پوچھا۔

"میرے ابو کا نام، محمد احمد بٹ، تھا۔"

زویا نے بتایا۔

"کیا آپ آہل بیٹے کی بہن ہو؟"۔

قاضی صاحب نے پوچھا۔

"نہیں میں ان کی بہن نہیں ہوں۔"

زویا نے ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

"مجھے اس لیے لگا کیونکہ انہوں نے اپنے ابو کا نام بھی محمد احمد بٹ ہی لکھوایا ہے۔"

قاضی صاحب کے بولنے پر زویا اور زی دونوں ہی چونکی تھیں، لیکن پھر دونوں نے ہی سر جھٹک دیے۔

"نہیں قاضی صاحب، آپ بس نکاح شروع کریں۔"

زی بولی۔

"زویا احمد ولد محمد احمد بٹ آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے صائم سلیمان ولد سلیمان راشد سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

قاضی صاحب پوچھ رہے تھے۔

"قبول ہے"...!

زویا آہستہ سے بولی لیکن دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

"زویا احمد ولد محمد احمد بٹ آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے صائم سلیمان ولد سلیمان راشد سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"۔

قاضی صاحب اب دوسری دفعہ پوچھ رہے تھے۔

"قبول ہے"...!

زویا کے دل نے اپنے دھڑکنے کی رفتار اور زیادہ بڑھا دی تھی۔

"زویا احمد ولد محمد احمد بٹ آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے صائم سلیمان ولد سلیمان راشد سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے ؟"۔

"قبول ہے"...!

زویا کا بھی نکاح ہو ہی چکا تھا۔ قاضی صاحب نے رجسٹر آگے کیا، تو زویا نے دستخط کرنے شروع کر دیے۔

ہاتھ اس کا بھی کانپا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو مضبوط کرتے ہوئے دستخط کرنے لگی۔

آہل کی طرف سے بھی یہ مرحلہ طے پایا گیا، اور اب صائم کی طرف سے بھی یہ مرحلہ طے پایا جا رہا تھا۔

"صائم سلیمان ولد سلیمان راشد آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے زویا احمد ولد محمد احمد بٹ سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے ؟"

صائم اور آہل دونوں ہی چونکے تھے۔

"قاضی صاحب ہم نے ان کے والد کا نام نہیں لکھوایا تھا، وہ یتیم ہے۔"

صائم اپنی حیرت چھپاتے دراصل قاضی صاحب سے پوچھنا چاہ رہا تھا۔

"نہیں انہوں نے کہا ہے کہ وہ یتیم ہے پر انہیں اپنے ابو کا نام پتہ ہے، انہوں نے مجھے موبائل میں اپنے برتھ سرٹیفیکیٹ کی تصویر بھی دکھائی ہے، جو کہ پاکستان کا ہے۔"

قاضی صاحب نے ان کے سروں پر بم پھوڑا۔

"قاضی صاحب آپ نکاح شروع کریں"!

آہل نے جیسے سکتے کی حالت میں کہا تھا۔ صائم بھی گہری سوچ میں الجھا ہوا تھا۔

صائم کی طرف سے بھی قبول واجاب کا مرحلہ طے پانے کے بعد دعا کراوائی گئی تھی۔

نکاح ہو چکا تھا، تقریباً سارا میامی ہی نکاح میں شامل تھا، سارے گورے آپس میں کھڑے ہنس مخیوں میں مصروف تھے، سب کو ہی نکاح کے ڈریس تھیم بہت پسند آئے تھے، پورا گھر ہی مہمانوں سے بھرا پڑا تھا، ساری گوریاں ہی تھوڑی دیر بعد اپنے شرارے کو سنبھالنے لگ جاتی تھیں، جو کبھی ان کے پیروں میں اڑ جاتا تھا تو کبھی چلتے چلتے کسی چیز میں اٹک جاتا، تقریباً بیس پچیس گوریاں اس شرارے کے اڑنے کی وجہ سے گر چکی تھیں، اور سارے لڑکے ان کو گرتے دیکھ قہقہہ لگانا شروع کر دیتے تھے۔

اور ہماری زویا میڈم تو انتظار میں ہوتی تھیں کہ کوئی گرے اور وہ حلق پھاڑ کر ہنسنا شروع کر دے، اور ایسا ہی ہوتا تھا، جب بھی کوئی گرتا تھا، وہ حلق پھاڑ کر ہنسنا شروع کر دیتی تھی، اور جو کوئی بھی گرنے والے کو ترس بھری نگاہ سے دیکھتا وہ زویا کے ہنسنے کا اسٹائل دیکھ خود بھی ہنس پڑتا۔

صائم تو اس کی حرکتیں دیکھ کافی دفعہ استغفر اللہ پڑھ چکا تھا۔ جبکہ زی اِرد گرد سے بے نیاز کسی گہری سوچ میں گُم تھی، آہل کھڑا لوگوں سے مبارک باد وصول کر رہا تھا لیکن دھیان اس کا بھی کہیں اور تھا۔

"مس آج آپ کا نکاح ہوا ہے تو آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"۔

ایک انگریز رپورٹر زویا کے پاس آ کھڑی ہوئی، اور انگریزی زبان میں اس سے پوچھنے لگی۔

"کیمرے کو دیکھ کر تو زویا میڈم چوڑی ہو گئیں اور گردن کڑا کر انگریزی میں بولی۔

"رونا تو خیر مجھے بہت آ رہا تھا پر میں روئی نہیں، کیونکہ نکاح تو ہونا ہی ہوتا ہے ایک دن، اس لیے میں نے اپنے آپ کو پہلے سے ہی مضبوط کر لیا تھا۔"

صائم جو زویا سے تھوڑا ہی دور کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا اس کی آواز کانوں میں پڑتے ہی بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"جھوٹی"...!

"آپ کو رولینا چاہیے تھا، دل ہلکا کر لینا چاہیے تھے۔"

رپورٹر اس کے جواب میں بولی۔ شاید وہ بھی کوئی پاکستانی فلم دیکھ کر آئی تھی۔

"چُپ کر جا میسنی سی، تیری زبان تو پٹر پٹر چلتی ہے، دل تو کر رہا ہے منہ میں خاک بھر دوں تیرے۔"

زویا میٹھے لہجے اور اردو زبان میں اس انگریز رپورٹر سے مخاطب ہوئی جس کو اس کی کہی ہوئی بات کی بلکل بھی سمجھ نہیں لگی تھی، وہ رپورٹر نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں کہہ رہی تھی کہ مجھے اتنا اچھا شوہر ملا ہے، جو کہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔"

)اتنا پیار کہ گن تان کر مجھے شوٹ کرنے سے بھی گریز نہ کیا(

"اس لیے اب میں کیسے رو لیتی، جب کے میرا شوہر مجھ سے بہت محبت کرتا ہے، اور مجھے پتا ہے ساری زندگی وہ مجھے خوش رکھے گا۔"

)خوش نہ کچھ اور بھی، ساری زندگی بس مجھے اپنی گن ہی دکھاتا رہے گا(

"اور مجھے کیا چاہیے۔"

)بس اس سے چھٹکارا، جو کہ کبھی نہیں مل سکتا۔(

صائم نے جب اس کی بات سنی تو بس اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے رہ گیا۔

"آاااااں، آپ کتنی لکی ہیں کہ آپ کے شوہر آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

وہ رپورٹر شاید نظر لگانا چاہ رہی تھی ان کی، محبت، کو۔

"ابے چل چل، تیرا منہ نہ توڑ دوں میں، میسنی سی ہماری، محبت، کو نظر لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

زویا اب پھر سے اردو میں بولی، جو کہ صائم کو صاف صاف سنائی دیا تھا۔ صائم نے اپنی اچانک آنے والی مسکراہٹ کو لبوں میں دبایا۔

رپورٹر نے پھر سے نا سمجھی سے زویا کو دیکھا۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ بہت باتیں ہو گئیں، میں زرا اپنی بہن سے بات کر لوں۔"

یہ کہتے ساتھ ہی زویا زی کی طرف بھاگی جو کہ چیئر پر بیٹھی جوس پینے میں اور فون میں کچھ دیکھنے میں مصروف تھی۔

"لیڈر! اس رپورٹر نے تو میرا سارا دماغ ہی چاٹ لیا تھا تقریباً، یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات تھی کہ آپ کا نکاح ہوا ہے تو آپ کو کیسا محسوس ہو رہا ہے۔"

زویا اس کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے بولی۔

"زویا میرا سر نہ کھاؤ اور جاؤ یہاں سے"!

زی فون میں تیزی سے کچھ ٹائپ کرتے بولی۔

"نہ، میں تو نہ جا رہی یہاں سے۔"

زویا نے صاف منع کیا۔

زی خود ہی اٹھ کر اپنا شرارہ اور بھاری دوپٹہ سنبھالتی وہاں سے چلی گئی، اور زویا بس منہ کھولے اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

"اللہ پوچھے تمہیں۔"

وہ وہیں بیٹھے بیٹھے چلائی تھی۔

رات ہو چکی تھی اور نکاح کی تقریب بھی ختم ہو چکی تھی، سب مہمان اپنے گھروں کو جا چکے تھے، زی اور زویا اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں، انہیں کمرے میں جاتے دیکھ آہل صائم کو لے کر ان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"زویا مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

کمرے میں جاتے ساتھ ہی زی زویا سے مخاطب ہوئی۔

"ہائے زی، تمہیں کچھ بتانا ہے اور وہ بھی مجھے، بے ہوش ہی نہ ہو جاؤں کہیں میں۔"

زویا بڑی اداکاری سے ماتھے پر ہاتھ رکھتے بولی۔

"یہ تمہارے معتلق ہی بات ہے، وہ جو آ"...

زی ابھی بول ہی رہی تھی کہ کمرے کا دروازہ ٹھاہ کی آواز سے کھلا، آہل اور صائم اندر داخل ہوئے، آہل تیزی سے زویا کی طرف بڑھا۔

آہل کو تیزی سے اپنی طرف بڑھتا دیکھ زویا گھبرا گئی۔

"تمہارے ابو کا نام کیا تھا؟"۔

آہل اس کے سر پر کھڑا اپنے آپ پر ضبط کرتے پوچھ رہا تھا۔

"م...م"......

گھبراہٹ کی وجہ سے زویا سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"ممم... کیا لگا رکھا ہے بتاؤ کیا نام تھا تمہارے ابو کا۔"

آہل زویا کو کندھوں سے تھام کر زور سے ہلاتے لال ہوتی آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔

خوف کے مارے زویا کی آنکھوں سے آنسو نکلنے شروع ہو چکے تھے، وہ آہل کا یہ روپ پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی، زی اور صائم بھی کچھ نہ بولے، یہ، ان، کا معاملہ تھا۔

"بولو"!

وہ دھاڑا تھا۔

"محمد احمد بٹ"!

زویا روتے ہوئے ہمت کر کے جھٹ سے بولی۔

"برتھ سرٹیفیکیٹ، مجھے اپنے برتھ سرٹیفیکیٹ کی تصویر دکھاؤ جو تم نے قاضی صاحب کو دکھائی تھی۔"

آہل ہاتھ کے اشارے کو جلدی والے انداز میں ہلاتے بولا۔

"دکھاؤ"!

وہ اسے خاموش کھڑے آنسو بہاتے دیکھ پھر سے دھاڑ کر بولا، زویا اندر تک کانپ گئی۔

زویا نے اپنی سبز نمکین پانیوں سے بھری آنکھوں کو اِدھر اُدھر دوڑا کر اپنا فون ڈھونڈا اور اس میں تصویر ڈھونڈنے لگی۔

آہل نے جھپٹنے والے انداز میں اس کے ہاتھ سے فون کھینچا اور تصویر میں موجود برتھ سرٹیفیکیٹ کو زوم کر کے دیکھنے لگا۔

آہل نے جھٹ سے سکرین سے نظریں ہٹا کر زویا کو دیکھا جو انگلیاں چٹخاتے آنسو بہانے میں مصروف تھی۔

"یہ"...

آہل پر جیسے سکتا طاری ہو چکا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا، کچھ نہیں کیا میں نے۔"

اسے لگا آہل اب پھر سے اس پر غصہ کرے گا اس لیے پہلے ہی روتے ہوئے اپنی صفائیاں دینے لگی۔

اسے اس طرح روتے دیکھ آہل کا بھی دل کیا کہ وہ بھی رو دے آج، آہل نے جھٹ سے زویا کو اپنے اندر بھینچ لیا، اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی بتانے کی، لیکن ہمت کرتے بولا۔

"میں...... میں تمہارا، میں تمہارا بھائی ہوں چندا۔"

زویا کے آنسو فوراً سے تھمے تھے، یہ وہ کیا کہہ رہا تھا، وہ اس کا بھائی کیسے ہو سکتا تھا، کیا یہ کوئی معجزہ تھا؟

"ہاں، یہ ایک معجزہ ہی تھا۔"

کھڑکی سے باہر آسمان پر کھڑے چاند نے کہا تھا۔

"پر یہ کیسے ممکن ہے؟"۔

زویا بے یقین تھی۔

"ممکن ہے، اللہ چاہے تو سب ممکن ہے۔"

وہ بولا اور اس سے دور ہوتے اپنی جیب سے فون نکالنے لگا، پھر اپنے فون میں سے ایک تصویر نکال کر فون زویا کے آگے کیا۔

زویا نے اس تصویر کو دیکھ کر بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھا خوشی سے۔

تصویر میں چار نفوس کھڑے تھے، ایک عورت اور ایک آدمی جن کے درمیان میں دو بچے کھڑے تھے، ان بچوں میں سے ایک چار سالہ زویا تھی اور دوسرا آٹھ سالہ آہل تھا۔

زی دور سے بھی اس تصویر کو دیکھ کر پہچان سکتی تھی کہ وہ زویا ہی تھی، ہاں وہ زویا ہی تھی، آہل کی بہن۔

زی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور آنکھوں میں نمی چمکی، وہ آج بہت خوش تھی، آج وہ یتیم لڑکی یتیم نہیں رہی تھی، کیونکہ آج اس کو اس کا بھائی مل گیا تھا، آج اس انجان لڑکی کو اس کا بھائی مل گیا تھا۔

زی نے صائم کو اشارہ کیا اور دونوں ہی کمرے سے باہر نکل گئے، وہ ان دونوں بھائی بہن کو اکیلے وقت گزارنے دینا چاہتے تھے زویا آہل کے سینے سے لگی پچھلے پندرہ سال کا غبار نکال رہی تھی۔

"تم اس orphanage میں پہنچی کیسے تھی؟"۔

وہ پوچھ رہا تھا۔

پندرہ سال پہلے۔۔۔

"ماما بابا آپ لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں نا۔"

نو سالہ آہل اپنی کتاب پر سے سر اٹھا کر اپنے ماما بابا سے کہہ رہا تھا۔

سکینہ الماری میں سے کپڑے نکال کر بیگ میں ڈال رہی تھی جبکہ احمد لیپ ٹاپ پر جھکا اپنے آفس کا کچھ کام کر رہا تھا اور پانچ سالہ زویا بیڈ پر بیٹھی اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔

سکینہ اور احمد نے مسکرا کر اپنے بیٹے کو دیکھا جو منہ پھلائے بیٹھا تھا۔

"بیٹا ہم ویسے ہی تھوڑی جا رہے ہیں، مجھے کام ہے اُدھر اس لیے مجھے جانا پڑ رہا ہے، ہم تمہیں بھی ساتھ لے جاتے اگر تمہارے فائنل اگزامز نہ ہو رہے ہوتے۔"

احمد، آہل کو دیکھ کر پیار سے بولا۔

"تو پھر آپ ماما اور زویا کو کیوں لے کر جا رہے ہیں؟ انہیں بھی میرے پاس رہنے دیں۔"

وہ منہ پھلائے پھر سے کہہ رہا تھا۔

"بیٹا اگر میں ماما کو ادھر نہ لے کر گیا تو میرے کام کون کرے گا، اور زویا تو ابھی چھوٹی ہے اس کا اپنی ماما کے بغیر دل نہیں لگے گا، بس ایک ہفتے کی ہی تو بات ہے، پھر ہم واپس آجائیں گے، تم تب تک اپنی دادو کے پاس رہنا، اور صائم بھی تو تمہارے بغیر اکیلا ہو جائے گا، تم اس کے ساتھ رہ کر اپنے اگزامز کی اچھے سے تیاری کرنا۔"

احمد اسے سمجھا رہا تھا، آہل منہ پھلائے پھر سے اپنی کتاب پر جھک گیا۔

زویا اپنے کھلونے چھوڑ کر بیڈ سے اتر کر بھاگ کر آہل کے پاس آئی اور بولی۔

"بھائی! زویا احمد بٹ آپ کو بہت یاد کرے گی۔"

وہ چھوٹی سی بچی اپنا پورا نام لے کر کہہ رہی تھی۔

"اووہ، میں بھی اپنی چندا کو مس کروں گا۔"

آہل زویا کے دونوں گال کھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا، سکینہ اور احمد دونوں ہی ہنس دیے۔

"چلو صائم کے پاس چلتے ہیں دیکھتے ہیں وہ کیا کر رہا ہے۔"

آہل نے زویا کا ہاتھ تھاما اور اپنی کتابیں اٹھاتا اپنے اور صائم کے کمرے کی طرف چل دیا، سکینہ اور احمد مسکرا کر اپنا سر جھٹکتے واپس سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

"اور بھئی صائم، کیا چل رہا ہے۔"

آہل اور زویا صائم کے سر پر آکر کھڑے ہوگ ۓ تھے، جو بچارا پڑھنے میں مصروف تھا۔

"میں تو پڑھ رہا تھا، تم نے یاد کر لیا اپنا پیپر ؟"۔

صائم آہل سے پوچھنے لگا جو اس کے پوچھنے پر اپنا سر کھجانے لگ گیا تھا۔

"کر لوں گا تیاری، ابھی ہم چل کر کھیلتے ہیں۔"

آہل دانت دکھاتے بولا۔

"میں تو نہیں جا رہا، مجھے ابھی پڑھنا ہے۔"

صائم نے صاف منع کیا۔

"صائم ! تم جا کر بھائی کے ساتھ کھیل لو، میں تمہارے حصے کا پڑھ لیتی ہوں۔"

زویا نے معصومیت سے کہا اور صائم کے ہاتھ سے کتابیں لیتی بیڈ پر چڑھ گئ۔

اس کی حرکت پر صائم کی آنکھیں تو کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔

"تمہیں تو اے بی سی ہی بڑی مشکل سے آتی ہو گی، اس لیے جاؤ اور جا کر اپنی اے بی سی یاد کرو۔"

صائم اس کے ہاتھ سے اپنی کتاب جھپٹتا بولا۔

"نہیں جی، مجھے اے بی سی پوری آتی ہے۔"

زویا نے منہ پھلائے غصے سے کہا۔

"آہی نا جائے پوری اے بی سی تمہیں، اب نکلو یہاں سے مجھے پڑھنا ہے۔" نو سالہ صائم زویا سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں جی مجھے آتی ہے اے بی سی، ہے نا بھائی؟"۔

پانچ سالہ زویا آہل سے پوچھنے لگی جو انہیں لڑتے دیکھ خود جا کر ٹوائے کار میں بیٹھ گیا تھا، اور اب کمرے کی دیواروں میں اس کار کو ٹھاہ ٹھاہ مار مار کر اس کا ستیاناس کر رہا تھا۔

"ہاں صائم، میری بہن ٹھیک کہہ رہی ہے، اس کو اے بی سی آتی ہے، تم نے کیا اسے میرے جیسا سمجھ رکھا ہے۔"

آہل اب اس ٹوائے کار کا اچھے سے آپریشن کر رہا تھا ڈاکٹر بن کر، وہ ایسے کہ اس نے گلے میں ٹوائے سٹیتھوسکوپ لٹکا رکھا تھا اور آپریشن جاری تھا، ٹوائے کار بہت ہی سیریس کنڈیشن میں تھی، وہ ہتھوڑے مار مار کر اس کو، ٹھیک، کر رہا تھا۔

"اچھا تو پھر سناؤ مجھے اے بی سی"!

صائم زویا سے کہہ رہا تھا۔

زویا نے اپنا گلا کھنکارا اور سنانا شروع کیا۔

"اے بی سی ایکس وائی زی۔"

اپنی ایجاد کی ہوئی اے ابی سی سنا کر پانچ سالہ زویا نے گردن کڑا کر فخریہ نظروں سے صائم کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

"کیساا؟"۔

"دیکھاااا، میں نے کہا تھا ناکہ میری بہن کو آتی ہے۔"

آہل نے دونوں ابرو کافی دفعہ اچکاتے کہا۔

صائم تو عش عش کر اٹھا دونوں بھائی بہنوں پر۔

"ہاں، بہت اچھے، بہت اچھے سے آتی ہے، ایسی اے بی سی مجھے ہی نہیں آتی بس۔"

نوسالہ صائم نے کھلا طنز کیا تھا، جس کو ان دونوں بھائی بہن نے گردن کڑا کر فخر سے وصول کیا تھا۔

صائم آہل اور زویا کی پھپھو کا بیٹا تھا، تین سال پہلے ان کا ایک کار ایکسیڈینٹ میں انتقال ہو چکا تھا، صائم بھی اس کار ایکسیڈینٹ میں موجود تھا، پیچھے بیٹھے ہونے کی وجہ سے وہ صرف زخمی ہوا تھا، اس لیے وہ بچ گیا تھا، صائم کا کوئی بھی نہ تھا جو اسے سنبھال

سکتا، صرف ایک دادی ہی تھیں جو جوان بیٹے اور بہو کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور اس دنیا سے چل بسیں۔

احمد اور سکینہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے تھے، صائم آہل کے ساتھ کافی گھُل مل چکا تھا، دونوں کی اچھی دوستی ہو چکی تھی۔

"ماما! میرا ابھی دل کر رہا ہے آپ لوگوں کے ساتھ جانے کو۔"

وہ سارے ائیرپورٹ پر کھڑے تھے اور آہل پھر سے احمد اور سکینہ سے ضد لگا رہا تھا۔

"بیٹا میں نے کل کیا بات سمجھائی تھی۔"

احمد پیار سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ کہ آہل گھر میں رہ کر جی بھر کر شرارتیں کرنا، اور ویڈیو گیمز کھیلنا، خود بھی نہ پڑھنا اور صائم کو بھی نہ پڑھنے دینا، دادو کو تنگ کرتے رہنا، سارے گارڈز کی اچھے سے طبیعت صاف کرنا، اور اور اور ررر۔۔۔" وہ آگے بھی ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ احمد بول پڑا۔

"بسس !... بسس !... بسس !... آہل ! میں نے یہ کب کہا تھا؟"۔

احمد حیرت سے آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔

"پتا نہیں، لیکن آپ نے کہا تھا۔"

آہل بولا۔

"چُپ کر جا شیطان، آنے دو مجھے زرا میامی سے، پھر تمہاری طبیعت تو میں صاف کروں گا۔"

احمد نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"ہونہہ، آپ آہل احمد بٹ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔"

آہل نے گردن کڑائے مغرورانداز میں کہا۔

"بدماش"!

احمد نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگائی۔

"دیکھو!...... صائم کتنا اچھا بچہ ہے، میرا شیر بیٹا، ادھر آؤ ماموں کے پاس۔"

احمد نے صائم کو اپنی طرف بُلایا جو اپنی نانو کے ساتھ چپکا کھڑا تھا، احمد کے بُلانے پر وہ بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا۔

احمد نے صائم کو اپنی گود میں اٹھالیا اور بولا۔

"آہل تو پاگل ہے، لیکن میرا شیر بیٹا صائم تو بہت سمجھدار ہے، ہے نا؟"

احمد، صائم سے بولا تو اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔

"آہل کا ہر وقت خیال رکھنا، وہ بہت ناسمجھ ہے نہ، اس وجہ سے، اس کو کبھی بھی اکیلا نہ چھوڑنا۔"

صائم نے مسکرا کر پھر سے گردن اثبات میں ہلائی۔

"میرا شیر بیٹا رکھے گا نہ خیال اپنے بھائی کا!"۔

احمد شاید پوچھ رہا تھا۔

صائم نے احمد کے دونوں گال چومے اور بولا۔

"ماموں آپ فکر ہی نہ کریں، آپ کا شیر بیٹا ہے نہ، میں ہمیشہ آہل کا خیال رکھوں گا، اپنی جان سے زیادہ میں اس کی جان کا خیال رکھوں گا۔"

وہ چھوٹا سا بچہ بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا۔ (بے شک اس لڑکے نے آج تک اپنا عہد نبھایا تھا۔)

"مجھے پتا تھا میرا شیر بیٹا میری بات ضرور سنے گا۔"

یہ کہتے ساتھ احمد نے اسے نیچے اتار دیا۔

"مجھے کوئی مس نہیں کرے گا کیا۔"

سکینہ نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر آہل اور صائم کو دیکھتے پوچھا۔

"اپنی پڑھائی بھول جائیں گے آپ کو نہیں بھولیں گے آپ فکر ہی نہ کریں۔"

وہ دونوں ایک ساتھ بولے تو سب ہی ہنس دیے۔

"مجھے کون مس کرے گا؟"۔

اب زویا پوچھ رہی تھی۔

"میں کروں گا مس۔"

آہل نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا۔

"میں بھی یاد کروں گی اپنی بچی کو۔" دادو جو اپنے فون میں لگی ہوئی پتا نہیں کیا کیا چیزیں دیکھ کر بُرے بُرے منہ بنا رہی تھیں زویا کی آواز پر فوراً سے بولیں، دادو شاید بوڑھی گھوڑی لال لگام تھیں، خیر اب اتنی بھی بوڑھی نہیں تھیں ماڈرن قسم کی تھیں۔

تھوڑی سی۔ بلکل تھوڑی سی۔

زویا مسکرادی پھر سوالیہ نظروں سے صائم کو دیکھنے لگی۔

"مجھ سے تو خیر اُمید بھی نہ لگانا، میں یہ ہفتہ سکون سے کاٹوں گا، تم جو نہیں ہو گی میرا سر کھانے والی۔"

اسے اپنی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا پا کر وہ جھٹ سے بولا۔

"میں بھی تمہیں مس نہیں کروں گی، تم بہت بُرے ہو نہ اس لیے۔"

زویا نے وجہ بھی بتائی۔

"نہ کرنا، میرا ہی فائدہ ہے مجھے ہچکی نہیں آئے گی۔"

وہ کندھے اچکاتے بولا، اور زویا نے غصے سے منہ پھُلا لیا۔

ان کی فلائٹ کا وقت ہو چکا تھا اس لیے وہ تینوں اندر جا رہے تھے، کس کو پتا تھا کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے۔ قسمت بہت کچھ بدلنے والی تھی، اور وقت بہت کچھ سکھانے والا تھا۔

"چلو جی، گ ئے ماما بابا، اب مجھے گھر میں ایک ہفتے تک روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔"

نو سالہ آہل نے جیب سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر چڑھائے۔

)جو کہ وہ گھر سے نکلتے وقت احمد کے اٹھا لایا تھا، اب وہ سن گلاسز اس کے چھوٹے سے منہ کو آدھا کور کیے ہوئے تھے(

صائم اور دادی نے حیرت سے منہ کھول کر اسے دیکھا جو ہاتھوں میں گھڑی پہنے، براؤن نِکر اور سفید ٹی شرٹ پہنے، آنکھوں پر سن گلاسز چڑھائے بڑے سٹائل سے واک کرتا ہوا گاڑی کی طرف جا رہا تھا جہاں بہت سے گارڈز ان کا انتظار کر رہے تھے۔

شمائلہ بیگم (آہل کی دادو اور صائم کی نانو) صائم کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے بھاگیں، اور رکھ کر زور سے اس کے سر پر چپیڑ ماری، جس کی وجہ سے بچارے آہل کے، مطلب کہ احمد کے سن گلاسز جو اس کی چھوٹی سی پرسنیلیٹی کو دس دس چاند لگا رہے تھے ٹھاہ کی آواز سے نیچے گرے اور ٹوٹ گئے۔

بچارے نو سالہ آہل نے افسوس سے ٹوٹے ہوئے سن گلاسز کو دیکھا اور پھر بُرا سا منہ بنا کر اپنی دادو کو۔

"کیا دادو، آپ میرے سر پر نہ مارا کریں، جب آپ مارتی ہیں تو قسم سے میرا گردہ ہل جاتا ہے۔"

آہل نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بقول آہل کے ہلا تو اس کا گردہ تھا ہاتھ وہ اپنے دل پر رکھ رہا تھا۔

"چُپ کر جا ورنہ ایک اور لگاؤں گی، کمینے دے پُتر، تو ابھی جانتا کہاں ہے مجھے۔"

وہ بھی اپنے پرس سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر لگاتے بولیں۔

"آنے دو بابا کو، لگاتا ہوں شکایت میں آپ کی ان کو، آپ نے میرے بابا کو، مطلب کہ آہل احمد بٹ کے بابا کو کمینہ کہا، آپ کی اتنی ہمت۔"

آہل بھرپور اداکاری کرتے بولا، اس سے پہلے کہ شمائلہ بیگم اسے ایک اور تھپڑ لگاتی وہ صائم کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف بھاگا، گارڈ نے ان دونوں کو آتے دیکھ جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا، اور وہ دونوں جھٹ سے اس کے اندر چڑھ گ ئے۔

شمائلہ بیگم تو بس انہیں گھورتی ہی رہ گئیں۔

تین دن ہو چکے تھے انہیں میامی آئے ہوئے، لیکن احمد کو میامی کے پاس ایک شہر میں دو دن کے لیے بزنس کے کسی کام سے جانا تھا، تو وہ زویا اور سکینہ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا دو دن کے لیے وہاں۔

شام کا وقت تھا احمد آج آفس سے جلدی آگیا تھا اس وجہ سے وہ سکینہ اور زویا کو اپنے ساتھ لیے پیدل ہی سیر کے لیے چلا گیا، گارڈز کو اس نے ساتھ آنے کے لیے منع کر دیا تھا، مین گارڈ نے انہیں بہت سمجھایا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلے گا، لیکن اس نے اسے تسلی دی کہ ہم صرف دس منٹ میں واپس آجائیں گے، اور یہی ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھے۔

وہ سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے، زویا نے اپنے کندھوں پر ایک چھوٹا سا بیگ لٹکا رکھا تھا جس میں پتہ نہیں اس نے کیا کیا بھر رکھا تھا، سڑک سنسان تھی، کیونکہ وہ بلڈنگ کے پچھلے حصے میں تھی، اس سڑک کے آگے دو سڑکیں اور تھیں جو کہ اس علاقے سے باہر کو جاتی تھیں۔

وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ اچانک انہیں گولی چلنے کی آواز سنائی دی جو کہ ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔

احمد نے ڈر کر اِدھر اُدھر دیکھا تو سائیڈ کی ایک چھوٹی سی بلڈنگ پر ایک شخص گن تانے بیٹھا تھا، اچانک ہی اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی، اس نے جھٹ سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تین لوگ اپنے چہرے ڈھامپے ہاتھوں میں گن تھامے ان کے پیچھے ہی آ رہے تھے، زویا نے خوف کے مارے سکینہ کی ٹانگوں کو تھام لیا تھا، احمد نے جلدی سے زویا کو اٹھایا اور سکینہ کا ہاتھ تھام کر فُل سپیڈ سے بھاگنے لگا۔

"اب۔۔اب کیا ہو گا؟"۔

سکینہ نے بھاگتے ہوئے خوف سے پوچھا۔

"دعا کرو کہ ہم بچ نکلیں۔"

اس نے بھاگتے ہوئے پیچھے دیکھا اور بولا۔

"ہمیں، ہم سے پہلے زویا کو سیف کرنا ہوگا کسی بھی طرح۔"

وہ سکینہ سے بولا تھا۔

وہ بھاگتے بھاگتے اس علاقے سے باہر نکل آئے تھے، احمد کی نظر تھوڑا ہی دور ایک چھوٹے سے گھر پر گئی جو کسی بہت ہی غریب کا تھا، احمد نے اپنے بھاگتے ہوئے قدم اس چھوٹے سے گھر کی طرف بڑھا دیے، اس گھر کے پاس پہنچتے ہی اس نے دروازہ زور زور سے بجایا، تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھی سی انگریز خاتون نے دروازہ کھولا۔

"مہربانی کر کے ہماری بچی کو تھوڑی دیر کے لیے اپنے پاس رکھ لیں، ہمارے پیچھے کچھ لوگ لگے ہیں، جو ہمیں مارنا چاہتے ہیں پلیز آپ ہماری مدد کر دیں۔"

احمد نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"لیکن میں کیسے یقین کروں کہ تم تھوڑی دیر بعد اسے لینے آجاؤ گے، کیا پتہ تم اپنا بوجھ میرے سر پر تھوپ رہے ہو۔"

اس بوڑھی خاتون نے اپنی انگریزی زبان میں جاسوسانہ انداز میں کہا۔

"اگر ہم تھوڑی دیر تک نہ آئیں تو پلیز آپ اسے کسی بھی پاس کے یتیم خانے میں چھوڑ آیئے گا ہم بعد میں اسے وہاں سے لے لیں گے۔"

احمد نے اس خاتون کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑتے کہا، آج وہ محمد احمد بٹ بن کر انہیں حکم نہیں دے سکتا تھا، آج وہ ایک باپ بن کر ہاتھ جوڑ کر ان سے اپنی بیٹی کے لیے مدد مانگ رہا تھا۔

اس خاتون نے ان کی بات مان لی، احمد نے زویا کو نیچے اتارا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے گال پر رکھے اور بولا۔

"بیٹا ہم تھوڑی دیر بعد آپ کو آ کر لے جائیں گے، تب تک آپ ان آنٹی کے پاس رہنا، ٹھیک ہے، میری پیاری بیٹی مانے گی نہ اپنے بابا کی بات؟"۔

وہ اسے سمجھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"جی بابا، میں مانوں گی آپ کی بات۔"

زویا بولی تو احمد مسکرا دیا۔

وہ خاتون زویا کو اپنے ساتھ اندر لے گئیں۔

احمد کو دور سے کچھ لوگوں کے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی تو اس نے پھر سے سکینہ کے ساتھ دوڑ لگا دی۔

ان تین آدمیوں نے جب انہیں بھاگتے دیکھا تو پھر سے ان کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

ان تین آدمیوں نے بھاگتے بھاگتے آخر ان کو جالیا، اور گولی احمد کی ٹانگ پر ماری، احمد لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔

"احمد"...!

سکینہ نے چیخ مار کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

وہ لوگ ان دونوں کے سروں پر جا کھڑے ہوئے، احمد اپنی ٹانگ تھام کر لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا، ان تین آدمیوں میں سے ایک نے پھر سے گولی چلا دی احمد پر۔

لیکن اس بار گولی احمد کو نہیں لگی تھی، سکینہ آگے آ چکی تھی، گولی سیدھا اس کے دل کے مقام پر جا کر لگی تھی، سکینہ ایک ہی جھٹکے میں نیچے جا گری، وہ مر چکی تھی، ایک آنسو ٹوٹ کر سکینہ کی آنکھ سے نیچے گرا تھا۔

"سکینہ !..."احمد بلند آواز میں چیخا تھا، اس سے پہلے کے وہ سکینہ کے پاس جاتا ایک اور گولی چلی تھی اور سیدھا اس کے سینے پر جا لگی، احمد بھی ایک جھٹکے سے نیچے جا گرا، احمد کا ہاتھ سکینہ کے ہاتھ پر جا گرا تھا اس آخری لمحے میں احمد کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام منظر لہرائے جب اس کی سکینہ سے شادی ہوئی تھی، جب آہل پیدا ہوا تھا، جب زویا پیدا ہوئی تھی، جب وہ روتے ہوئے صائم کو اس کے ماما بابا کے مرنے کے بعد اپنے گھر لا رہا تھا، جب وہ آتے وقت آہل کو سمجھا رہا تھا، جب وہ صائم سے ہمیشہ آہل کا خیال

رکھنے کے لیے کہہ رہا تھا، جب وہ زویا کو اس خاتون کے پاس چھوڑتے وقت کہہ رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں آجائے گا، پر اسے کیا پتہ تھا کہ وہ تھوڑی آئے گی تو، لیکن اس کی زندگی لے جائے گی، وہ دونوں میاں بیوی مر چکے تھے، اپنے دشمنوں کے ہاتھوں، آہل اور زویا کے ماما بابا مر چکے تھے، صائم کے ماموں مامی مر چکے تھے، شمائلہ بیگم کا بیٹا اور بہو مر چکے تھے، ان دونوں میاں بیوی کا مردہ وجود اس سنسان سڑک پر پڑا تھا۔

محمد احمد بٹ اور سکینہ احمد بٹ مر چکے تھے، ان کی کہانی بس یہیں تک کی تھی، ان کی زندگی کا سفر بس یہیں تک کا تھا۔

آخری دعا جو احمد نے کی تھی وہ یہ تھی کہ "میری زویا کی حفاظت کرنا یا اللہ میرے تینوں بچوں کی حفاظت کرنا۔"

اس نے مرتے وقت دعا کی تھی اپنے بچوں کے لیے، تو اللہ کیسے ان کی دعا قبول نہ کرتا۔

"زی جو بھی نام ہے تمہارا، میری بات تو سنو، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تمہیں اردو آتی ہے، کیا تم بھی پاکستانی ہو؟"۔

پانچ سالہ زویا پانچ سالہ زی کے پیچھے بھاگتے ہوئے پوچھ رہی تھی، جو بھاگنے کے انداز میں اس کی سنے بغیر چل رہی تھی۔

وہ خاتون زویا کو اس یتیم خانے میں چھوڑ گئی تھی، زویا ابھی چھوٹی تھی اس وجہ سے اسے انگریزی نہیں آتی تھی، یتیم خانے کی اونر اس سے کافی دفعہ کافی ساری باتیں انگریزی میں پوچھ رہی تھی جو کہ اس کے سر پر سے گزر رہی تھیں، زویا نے کچھ نہ بولنے میں ہی عافیت جانی کہ اسے انگلش نہ آنے کی وجہ سے کہیں وہ اسے بے عزت ہی نہ کر دیں جس طرح صائم کرتا تھا، یتیم خانے کی اونر کو کافی دفعہ یہ گمان بھی ہو چکا تھا کہ وہ لڑکی شاید گونگی ہے۔

زویا نے جب کسی بچی سے بات کرتی زی کو دیکھا جو اس سے انگریزی میں بات کرنے کے بعد اردو میں کچھ بڑبڑا رہی تھی تو زویا چھوٹی میڈم تو جھٹ سے جا کر زی کے سر پر کھڑی ہو گئیں اور بولی۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"زی۔" زی سرسری سا بتا کر وہاں سے تیز تیز قدموں کے ساتھ جانے لگی، زویا کو بہت اچھے سے سمجھ لگی تھی اس کے نام کی، کیونکہ چھوٹی میڈم کو صرف چھ حرف ہی تو آتے تھے اے بی سی کے، جس کے آخر میں زی بھی تھا۔

تب سے زویا چھوٹی میڈم، زی کے پیچھے پیچھے تھی، اور زی اب اس لڑکی سے تنگ آچکی تھی جو اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی تھی اس وجہ سے رک کر گھورتے ہوئے اس سے اردو میں پوچھنے لگی کہ

"کیا مسئلہ ہے؟"۔

"تمہیں بھی میری زبان آتی ہے، کیا تم پاکستانی ہو؟"۔

زویا پوچھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا، اور اب اگر تم میرے پیچھے آئی نہ تو بہت بُرا کروں گی میں تمہارے ساتھ۔"

زی بولی اور وہاں سے چل دی۔

"اچھا پلیز کیا تم مجھ سے دوستی کرو گی۔"

وہ منت کرنے والے انداز میں بولی۔

"نہیں، زی کسی سے دوستی نہیں کرتی، یہاں بہت سے بچے ہیں تم ان سے دوستی کرلو۔"

"لیکن ان بچوں کو میری زبان نہیں آتی، صرف تمہیں ہی آتی ہے، پلیز تم مجھ سے دوستی کرلو۔"

زویا نے اپنا ہاتھ دوستی کے لیے آگے کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

زی نے صاف منع کیا۔

"پلیززز۔"

زویا کا گلا رندھا گیا آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہونے لگ گیا۔

"تمہیں زی سے جو پوچھنا ہے پوچھ سکتی ہو، جو بتانا ہے بتا سکتی ہو، اپنا سیکریٹ شیئر کرنا ہے تو وہ بھی کرسکتی ہو، کبھی بھی، لیکن زی تمہاری دوست نہیں بن سکتی۔"

زی نے جب دیکھا کہ وہ اپنا رونا کسی بھی وقت شروع کرسکتی ہے تو جلدی سے بولی۔

"یہ دوستی ہی تو ہے۔"

زویا نے حیرت سے کہا۔

"زی کی نظر میں دوستی یہ نہیں ہے۔"

زی نے کہا۔

"چلو اوکے، تم میری فرینڈ نہ بنو، میں تمہاری فرینڈ بن جاتی ہوں۔"

زویا نے ہاتھ پھر سے آگے بڑھایا جسے زی نے کچھ سوچتے ہوئے تھام لیا۔

"اچھا ابھی کیا تم میرے ساتھ باتیں کر سکتی ہو پلیز۔"

زویا نے پوچھا تو زی نے سر ہاں میں ہلا دیا۔

"چلو پھر ہم ادھر کہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"

زویا نے کہتے ساتھ زی کا ہاتھ تھاما اور اسے کمرے میں لے جا کر بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی، اس کمرے میں کافی سارے بیڈز تھے، ہر بیڈ کے اوپر ایک اور بیڈ تھا، نچلے بیڈ سے ایک چھوٹی سی سیڑھی اوپر کے بیڈ کی طرف جاتی تھی، وہ یتیم خانہ کافی صاف ستھرا تھا، ان کے کمرے کچھ بچیاں باہر کھیلنے گئی تھیں اور کچھ اندر ہی بیٹھی گپے لڑا رہی تھیں۔

"ہمم، مطلب کے تمہارے ماما بابا تمہیں اس آنٹی کے پاس چھوڑ گئے تھے، اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تھوڑی دیر بعد اگر وہ تمہیں لینے نہ آئیں تو اسے پاس کے کسی یتیم خانے میں چھوڑ آیئے گا۔"

زی ساری بار سننے کے بعد بولی۔

"ہوں۔"

زویا نے سر ہاں میں ہلایا۔

"وہ تمہیں جان بوجھ کر اس آنٹی کے پاس چھوڑ کر گئے ہیں تاکہ وہ تمہیں اس یتیم خانے میں چھوڑ کر چلی جائیں، اگر انہیں تمہیں لے کر جانا ہوتا تو وہ ابھی تک آکر لے جاتے تمہیں۔"

"نہیں، میرے ماما بابا ایسے نہیں ہیں، وہ بہت اچھے ہیں، ہمارے اوپر گولی چلائی گئی تھی اس وجہ سے ہم وہاں سے بھاگے تھے، اور کچھ لوگ ہمیں مارنے کے لیے ہمارے پیچھے بھی بھاگ رہے تھے، ماما بابا نے مجھے بچانے کے لیے اس آنٹی کے پاس چھوڑا تھا۔"

زویا زی کی باتوں پر روتے ہوئے بولی۔

"ان لوگوں نے تمہارے ماما بابا کو مار دیا ہوگا، کیونکہ وہ انہیں مارنے کے لیے ہی پیچھے بھاگے تھے، اگر تمہارے ماما بابا بچ گئے ہوتے تو وہ تمہیں لینے آجاتے، اب تمہیں بھی ہم سارے بچوں کی طرح اس یتیم خانے میں رہنا پڑے گا۔"

زی نے اسے حقیقت کا ایک رُخ دکھانا چاہا۔

"نہیں میں نہیں رہوں گی یہاں، مجھے میرے ماما بابا بھائی دادو اور صائم کے پاس واپس جانا ہے۔"

زویا کو اب ڈر لگ رہا تھا وہ وہاں نہیں رہنا چاہتی تھی۔

"دیکھو! تم مانو یا نہ مانو لیکن یہی سچ ہے، تم اب ہمیشہ اس یتیم خانے میں ہی رہو گی، اس لیے اب عادت ڈال لو۔"

زی نے گہرا سانس لیتے کہا۔

"لیکن میں یہاں نہیں رہنا چاہتی، مجھے نہیں پسند یہ جگہ، مجھے میرے گھر جانا ہے واپس۔"

زویا کا رونا ہی ختم نہیں ہو رہا تھا۔

"ہونہہ، تم تو یہاں ابھی آئی ہو لیکن میں، میں یہاں دو سال سال سے موجود ہوں، جو بچہ یہاں ایک دفعہ آجاتا ہے، وہ واپس نہیں جاتا جب تک کہ اسے کوئی لینے نہ آجائے یا پھر گود نہ لے لے، اور تمہیں بھی یہاں سے تب تک نہیں جانے دیا جائے گا جب تک تمہیں کوئی لینے نہ آجائے۔"

زی نے حقیقت کا ایک اور رُخ دکھانا چاہا، لیکن زویا صرف روتی ہی رہی، اب یہی چیز تو باقی تھی اس کی زندگی میں۔

"ماما بابا اٹھے نہ پلیز زا اٹھ جائیں۔"

روتا ہوا نو سالہ آہل گھر میں رکھی اپنے ماں باپ کی میت کو زور سے ہلاتے کہہ رہا تھا، وہ کبھی سکینہ کے پاس جا کر اسے زور سے ہلاتا تو کبھی احمد کے پاس جا کر اسے زور سے ہلانا شروع کر دیتا۔

شمائلہ بیگم جوان بیٹے اور بہو کی موت پر خود غم سے نڈھال تھیں، صائم بھی ایک کونے میں بیٹھا ہچکیوں کے ساتھ رو رہا تھا، یہ کیا ہو گیا تھا ان کے ساتھ۔

آج صبح ہی احمد اور سکینہ کی میت کو میامی سے گھر لایا جا چکا تھا، اور آہل تب سے ہی ان دونوں کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا جو اٹھ ہی نہیں رہے تھے۔

"ماما بابا اٹھیں نہ، ماما بابا پلیز زا اٹھ جائیں، صائم کہہ رہا تھا کہ آپ دونوں اب اس دنیا میں نہیں ہیں، مجھے پتہ ہے وہ جھوٹ بول رہا ہے، پلیز ا اٹھیں نا۔"

آہل کا رو رو کر بُرا حال ہو رہا تھا۔

"ماما! پلیز زا ایک بار اٹھ جائیں، آپ کا بیٹا آپ سے پرامس کرتا ہے کہ آج کے بعد کسی کو تنگ نہیں کروں گا، پلیز زا اٹھ جائیں نا، پلیز ز ماما بابا۔"

"بابا آپ تو اٹھ جائیں، دیکھیں ماما بھی نہیں اٹھ رہیں۔"

آہل اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ احمد کے گالوں پر رکھے روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہاں بیٹھے سب لوگوں نے آہل کو ترس بھری نگاہ سے دیکھا۔

باہر سے آدمی میت کو اٹھانے آچکے تھے،ان میں سے ایک آدمی نے آہل کو پکڑ کر سائیڈ پر کیا جواب اپنے بابا کے مردہ وجود سے لپٹا ہوا تھا۔

"کہاں لے کر جارہے ہو میرے ماما بابا کو؟ چھوڑو میرے ماما بابا کو، یہ میرے ماما بابا ہیں۔"

ان آدمیوں کو میت اٹھاتے دیکھ وہ فوراً سے بولا اور پھر احمد اور سکینہ کے پاس جانے ہی لگا تھا کہ ایک آدمی نے اسے پکڑ لیا۔

"چھوڑو مجھے، چھوووڑووو۔"

وہ روتے ہوئے چیختے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"چھوڑو میرے ماما بابا کو، کہاں لے کر جارہے ہو انہیں، وہ میرے ماما بابا ہیں۔"

آہل چیخ رہا تھا،اور اپنے آپ کو چھڑوانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر وہاں بیٹھے سب لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"صائم روکو انہیں، وہ میرے بابا کو لے کر جارہیں ہیں۔"

آہل روتے ہوئے چیخ رہا تھا، صائم کو اور رونا آنے لگا،اس کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا تھا۔

"صائم پلیز زز... پلیز زز صائم روک لو انہیں، انہیں بولو نہیں لے کر جائیں میرے ماما بابا کو۔"

آہل صائم کی منت کرنے لگا جس پر صائم پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"صائم روک لو انہیں۔"

اب وہ چیخا نہیں تھا بس روتے ہوئے آہستہ آواز میں بولا تھا کیونکہ وہ لوگ احمد اور سکینہ کی میت کو لے جا چکے تھے۔

صائم اپنی جگہ سے اٹھ کر آہل کے پاس آیا اور روتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔

"آہل وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے جس طرح میرے ماما بابا چلے گئے تھے، اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

آہل بس روتا رہا، کچھ نہ بولا۔

صائم کو لگا آہل کا جسم بھاری ہو چکا ہے، اس نے آہل کو اپنے آپ سے دور کیا تو آہل کا بے ہوش وجود نیچے جا گرا۔

"آہل"!

صائم چیخا تھا، شمائلہ بیگم کی نظر جب آہل پر گئی تو وہ اپنے نڈھال وجود کو سنبھالتی اس تک پہنچیں۔

اس سارے منظر میں وہ سب ایک انسان کو تو بھول ہی گ ىٔے تھے، وہ لوگ زویا احمد بٹ کو بھول گ ىٔے تھے۔

"یہ دیکھو یہ میرا بیگ ہے، میں تمہیں اپنی چیزیں دکھاتی ہوں۔"

زویا بیڈ پر بیٹھی زی سے کہہ رہی تھی، اور اپنے بیگ سے چیزیں نکالنے لگی، ایک ہفتہ ہو چکا تھا زویا کو اس یتیم خانے میں۔

"یہ دیکھو، یہ میری گڑیا ہے، اس کا نام ڈولی ہے، اور یہ دیکھو یہ ہے میری گھڑی، یہ مجھے بابا نے دی تھی، اور یہ میری چاکلیٹس ہیں، یہ کینڈیز ہیں، یہ میری کلرنگ بُک ہے، اور یہ دیکھو، یہ میری چیز ہے۔"

آخر میں زویا نے اپنی کلرنگ بُک میں سے ایک پیپر نکالتے کہا۔

"یہ تو ایک پیپر ہے، یہ تمہاری چیز کیسے ہو گئ۔" زی نے اس پیپر کو دیکھتے کہا۔

"یہ نا میرا برتھ سرٹیفیکیٹ ہے، جب یہ آیا تھا نہ، تو بابا نے کہا تھا کہ یہ میری چیز ہے۔"

"یہ برتھ سرٹیفیکیٹ کیا ہوتا ہے؟"۔

زی نے پوچھا۔

"پتا نہیں، لیکن بابا نے کہا تھا کہ یہ میری چیز ہے، انہوں نے تو اسے سمبھال کر الماری میں رکھا تھا، لیکن آتے وقت میں چوری سے اٹھا لائی تھی اسے کیونکہ یہ میری چیز ہے۔"

زویا نے بتایا، لیکن یہ بات ان دونوں کو نہیں معلوم تھی کہ برتھ سرٹیفیکیٹ ہوتا کیا ہے، اگر ان پانچ سالہ بچیوں کو یہ بات معلوم ہوتی تو زویا اس وقت اپنے گھر ہوتی۔

حال۔۔

"تمہیں پتا ہے، دادو نے تمہیں بہت ڈھونڈا تھا، اور اُس شہر کا چپا چپا چھان مروایا تھا لیکن تم نہیں ملی تھی۔ کسی کا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں تھا کہ تم یتیم خانے میں بھی ہو سکتی ہو، چار سال پہلے میں تمہیں پھر سے ڈھونڈنے آیا تھا کہ شاید اب مل جاؤ

تم۔ لیکن تم نہ ملی مجھے، مجھے تو خبر تک نہ تھی کہ تم میامی میں ہو سکتی ہو۔ میں چار سال پہلے میامی آیا تھا کیونکہ ماما بابا کا کسی اور نے نہیں بلکہ ان کے مین گارڈ نے ہی قتل کروایا تھا۔ وہ دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا تھا، اور چار سال پہلے میں اسے ہی اس کی صحیح جگہ پہنچانے آیا تھا۔"

آہل ساری بات سننے کے بعد کہہ رہا تھا۔ زویا کی آنکھیں رو رو کر سوجھ چکی تھیں۔ اب تو اسے یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ اس کے ماما بابا اس دنیا میں نہیں ہیں۔ لیکن زیادہ دُکھ تو تب ہوتا جب اسے ان کی عادت ہوتی۔ اس کی عادت تو پندرہ سال پہلے ہی چھوٹ چکی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں بھول سکتی تھی کہ اس کے ماما بابا نے اسے بچا لیا تھا۔ وہ خود تو مر گئے تھے لیکن انہوں نے اسے بچا لیا تھا۔

"ویسے صائم آپ کو بوس کیوں کہتا ہے؟"۔ زویا نے اپنے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا۔

آہل ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"اس نے خود ہی میرے اَسسٹینٹ کی جاب جوائن کی تھی، پاگل ہے وہ، شاید میرے پیار میں، اس نے جب مجھے پہلی دفعہ بوس کہا تھا تو میں نے اس کی بہت چھینٹی چڑھائی تھی، لیکن پھر بھی وہ ڈھیٹوں کی طرح مجھے بوس کہتا تھا، میں بھی اس سے اسی وجہ سے

ناراض رہنے لگ گیا،اور اسی وجہ سے مجھے اس پر غصہ بھی بہت آتا ہے، پر وہ ہر چیز برداشت کر کے ڈھیٹوں کی طرح میری بات مانتا ہے،اور ہمیشہ سر جھکا کر رہتا ہے میرے سامنے، کافی دفعہ میرا دل تو کرتا ہے رکھ کر دوں اسے ایک، پر پھر اس کا ڈھیٹ پن دیکھ کر میرا دل کرتا ہے میں اپنا سر ہی دیوار میں مار لوں،اور اس کی اسی چیز کا میں حد سے زیادہ فائدہ بھی اٹھاتا ہوں پر پھر بھی اسے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا مجھ سے،ایک دفعہ تو میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں اس جاب سے نکال رہا ہوں، تو پتا ہے اس نے مجھ سے کیا کہا؟"۔

آہل بتا رہا تھا اور زویا ہنس ہنس کر پاگل ہو رہی تھی جب اس کی آخری بات پر ہنسی کنٹرول کرتے بولی۔

"کیا؟"۔

"کہتا اگر آپ نے مجھے جاب سے نکالا تو میں آپ کی اچھی پھینٹی لگاؤں گا،اور میں بچارا تو بس اس کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔"

آہل بچارا سا منہ بناتے بولا۔

پہلے تو زویا اسے دیکھتی رہی، پھر جو گلا پھاڑ کر ہنسی اور بس ہنستی ہی چلی گئی۔

"اور سب سے بڑی بات، اپنا بزنس چھوڑ کر میرے اَسسٹینٹ کی جاب کر رہا ہے پاگل سا، مطلب کہ کوئی ایسا بھی کرتا ہے کیا؟ مجھے تو وہ ایک دم پاگل لگتا ہے، اور تمہیں پتا ہے اس کا بزنس سنبھالتا بھی کون ہے؟"۔

زویا نے اس بار نہیں پوچھا کہ کون سنبھال رہا ہے، کیونکہ وہ بہت مصروف تھی، گلا پھاڑ اور دھاڑ کر ہنسنے میں، اسے نہ پوچھتے دیکھ آہل خود ہی بول پڑا۔

"اس کی نانو، یعنی کہ ہماری دادو۔"

آہل نے بتایا تو زویا کی ہنسی تھمی۔

"کیا؟ دادو؟ ہماری کوئی دادو بھی ہیں؟"۔

زویا کی جہاں تک عقل تھی اس نے بھول ہی جانا تھا اپنی دادو کو۔

آہل نے آنکھیں پھاڑ کر زویا کو دیکھا اور بولا۔

"چلو وو جی! تمہیں یاد ہی نہیں، تمہیں ہماری بوڑھی گھوڑی لال لگام یاد ہی نہیں۔"

آہل اس پر حیرت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاااا، وہ آپ سے بڑی ہیں اور آپ انہیں ایسے کہہ رہے ہیں۔"

زویا نے منہ کھولے کہا۔

"چندا! یہ نام تم نے ہی رکھا تھا۔

"آہل دانت پر دانت جما کر بولا۔

"میں نے؟"۔

زویا نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں جی، تم نے۔"

آہل نے اسی کے انداز میں کہا۔

"اچھا چھوٹی تھی نا تو رکھ دیا ہو گا کہیں سے سُن کر ہی ہی ہی۔"

"ہاں، ہاں"!

آہل نے طنزیہ انداز میں سر ہلایا۔

"یہ زی اور صائم کدھر گئے؟"۔

زویا نے اِدھر اُدھر نظر گھماتے پوچھا۔

"مجھے پتا ہے، انہوں نے کہا ہو گا کہ یہ اُن کا یعنی کہ ہمارا معاملہ ہے، اس وجہ سے وہ دونوں ہی پتلی گلی سے نکل لیے۔"

آہل نے ہاتھ جھُلا کر کہا۔

"بھائی! میرے ساتھ ایک مسئلہ ہو گیا۔"

زویا نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا؟"۔

آہل نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔

"بھائی! آپ تو میرا کرش تھے، لیکن اب تو آپ بھائی ہی نکل آئے میرے۔"

زویا نے بُرا سا منہ بناتے کہا۔

"کیا؟ کیا؟ کیا؟ کیا؟"۔

آہل نے انڈین ڈراموں کی طرح اپنی گردن کو ریورس موڈ میں چار دفعہ ہلاتے کہا۔

"ہی ہی ہی ہی، مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ آپ میرے بھائی ہیں اس وجہ سے، ہی ہی ہی ہی۔"

زویا اپنی سفید چمکدار دندیوں کی نمائش کرتے ہوئے بولی۔

"میں ابھی جا کر صائم کو کہتا ہوں کہ اپنی بیوی کو کنڑول میں رکھو، بہت بِگڑتی جا رہی ہے۔"

آہل نے سر ہلاتے کہا جیسے کہہ رہا ہو لڑکی تو بچ جا تیری تو شکایت میں لگاتا ہوں۔

"اسے تو میں نے بتایا تھا ہی ہی ہی۔"

زویا نے ایسے کہا جیسے کہہ رہی ہو اب لگاؤ جا کر شکایت میری۔

"میں ابھی جا کر صائم کو کہتا ہوں کہ تمہاری بیوی کرش کرتی ہے تم پر ہی ہی ہی۔"

آہل نے بھی دانت دکھائے جیسے کہہ رہا ہو اب کیا کرو گی۔

"ہاااا، بھائی میں نے ایسا کب کہا؟"۔

زویا حیرت سے منہ کھولے بولی۔

"لیکن میں جا کر اسے یہی کہوں گا۔"

کہتے ساتھ آہل بھاگنے ہی لگا تھا کہ زویا جھٹ سے دروازے کے پاس پہنچ کر اپنا شرارہ سنبھالتی دروازہ کے ساتھ لگ کر نیچے بیٹھ گئی۔

"بھائی یہ غلط بات ہے، اگر آپ نے اسے ایسے جا کر کہا نا تو میں زی کو کہوں گی کہ بھائی مجھے کہہ رہے تھے کہ وہ تم پر کرش کرتے ہیں، پھر آپ کا یہ خوبصورت منہ تو وہ توڑے گی، بغیر کسی لے حاظ کے۔"

زویا نے بھی دھمکی دی۔

"اللہ معاف کرے اس سے تو، وہ تو کھانے کو دوڑتی ہے بات کرتے وقت، آنکھیں تو ایسے دکھاتی ہے جیسے ابھی نگل جائے گی، لیکن میں بھی اس سے کم ہوں بھلا، نپٹنا آتا ہے مجھے بھی اس سے۔"

آہل نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر لڑاکا عورتوں کی طرح کہا۔

"اس سے کوئی نہیں نپٹ سکتا، وہ زی ہے، زویا نہیں۔"

زویا نے گردن کڑا کر فخر سے کہا۔

"اچھا جی، چوروں سے بھی نپٹنا آتا ہے مجھے۔"

آہل نے جیسے جتایا کہ وہ چور ہے۔

"آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے اسے چور کہنے کی، آپ سے پہلے وہ میری بہن ہے۔"

زویا نے انگلی دکھا کر اسے وارننگ دی۔

"اُف اللہ، پتا نہیں کیا اُلٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رکھی ہیں اس نے تمہیں۔"

وہ افسوس سے بولا۔

"آہاں، وہ چور ہے لیکن بہت اچھی ہے، میں اس کے ساتھ پورے پندرہ سال سے ہوں، آپ کے ساتھ تو میں نے صرف پانچ سال ہی گزارے تھے، لیکن اس کے ساتھ پورے پندرہ سال گزارے ہیں میں نے، اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس جیسا چور کوئی نہیں ہو سکتا، کوئی بھی نہیں، اچھے اور بڑے چور تو بہت ہوتے ہیں، پر ان کے دل صاف نہیں ہوتے، ایک چور ہو کر بھی اس کا دل بہت صاف ہے، میں تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔"

زویا نے زی پر جیسے فخر کرتے ہوئے کہا۔

"ہمم،ایک چور دل سے کیسے اچھا ہو سکتا ہے، جس کی نیت ہی چوری کی ہو، وہ دل کا صاف کیسے ہو سکتا ہے۔"

آہل بھی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا، زویا ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"آپ جو سمجھیں، لیکن میرے لیے وہ پوری دنیا سے اچھی ہے، آپ سے بھی اچھی ہے وہ، بس میں اتنا ہی کہوں گی۔"

زویا کی انداز میں زی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

آہل اس سے پہلے کچھ بولتا زویا نے منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی روکی اور بولی۔

" چلیں اب نکلیں اس کمرے سے،اور زی کو اندر بھیجیں، میں بھی تھک گئیں ہوں اور وہ بھی تھک گئ ہو گی۔"

آہل بچارا تو منہ کھولے زویا کو دیکھتا ہی رہ گیا جو اسی کے گھر میں اسے کمرے سے نکل جانے کو بول رہی تھی۔

" چلیں اب جائیں بھی،اور زی کو اندر بھیجیں۔"

زویا نے آہل کو باہر کی طرف دھکیلتے کہا۔

"اچھا بھئ جا رہا ہوں، میری تو کوئی قدر ہی نہیں ہے،بہن نہ ہوتی پھر بتاتا میں تمہیں۔"

آہل بُرا سا منہ بناتے سر جھٹکتے وہاں سے جانے لگا کہ پیچھے سے اسے زویا کی آواز آئی۔

"ہاں اب غلطی سے ہی نکل آئی ہوں بہن آپ کی، اس میں میرا کیا قصور۔"

باہر جاتے ساتھ ہی صائم اپنے کمرے میں چلا گیا، لیکن زی باہر آکر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئ، دن بھر کی تھکاوٹ کے بعد اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب اس کی صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی آنکھ لگ گئ۔

آہل نے سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر زی کو ڈھونڈنے کے لیے لاؤنج میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو سامنے ہی صوفے پر زی کا سویا ہوا وجود دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔

دوپٹہ سر سے ڈھلک کر کندھے پر لٹکا ہوا تھا

سرمئ آنکھیں بلکل بند تھیں، سوتے ہوئے وہ ایسے لگ رہی تھی جیسے دنیا جہاں کی معصومیت اس کے چہرے پر آگئ ہو، وہ بے خودی میں چلتا ہوا اس کے پاس آیا، اور کافی دیر تک اسے ایسے ہی تکتا رہا۔

زی کو جب اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تو اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے جھٹ سے آنکھیں کھولنے پر آہل جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آیا۔

"آپ، آپ کیا کر رہے ہیں یہاں ؟"۔

زی اپنا بھاری دوپٹہ سنبھالتے اٹھنے ہی لگی تھی کہ دوپٹہ اس کے پیر میں اٹک گیا۔اس سے پہلے کہ وہ گرتی آہل کے مضبوط حسار نے اسے گرنے سے بچالیا۔

"اُف یار، دیکھ کر نہیں سنبھال سکتی تم اپنا دوپٹہ۔"

آہل نے اسے اسی طرح تھامے اپنے موڈ میں واپس آتے کہا۔

"شٹ اپ! مسٹر آہل۔"زی نے آنکھیں دکھاتے کہااور اس کا مضبوط حسار توڑ کر اٹھنے کی کوشش کی، تو وہ پھر سے لڑکھڑائی اور گرنے ہی لگی تھی کہ آہل نے اسے پھر سے تھام لیا۔

"یو شٹ اپ! سویٹی۔"

آہل نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

زی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کا منہ توڑ دے۔

"پیچھے ہٹیں"!

وہ بے رُخی سے بولی۔

"چُپ! ایک دم چُپ! تمہیں تو دوپٹہ ہی سنبھالنا نہیں آتا، اب چُپ کر کے کھڑی رہنا ورنہ تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا میں۔"

آہل نے بھی آنکھیں دکھاتے کہا اور اسے ٹھیک سے کھڑا کر کے خود ایک گھُٹنا نیچے زمین پر رکھ کر نیچے جھک گیا اور دوپٹہ جو اس کی ہیل میں اٹک گیا تھا اس کا پاؤں تھام کر ہیل کو تھوڑا اوپر کر کے نکالنے لگا۔

اس کے پاؤں تھامنے پر زی تو گڑبڑا ہی گئی، اور پیچھے ہٹنے ہی لگی تھی کہ آہل نے پھر سے جھڑک دیا۔

"کھڑا نہیں ہوا جاتا تم سے ٹھیک سے، اگر اب تم ہِلی تو پکا ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

وہ اسے دھمکی دے رہا تھا، زی تو صحیح سے اسے گھور بھی نا سکی۔

آہل نے دوپٹے کو ہیل سے نکالا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اتنی سی بات تھی، لیکن نہیں، تم تو زی ہو، تمہیں تو سب آتا ہے۔"

آہل ہاتھ کمر پر رکھے لڑاکا عورتوں کی طرح ایک ہاتھ جھُلا جھُلا کر بول رہا تھا۔

زی اپنی اچانک آنے والی مسکراہٹ کو نہ روک سکی اور مسکرا دی، وہ سنجیدہ سا بندہ اس وقت بہت پیارا لگ رہا تھا۔

آہل اس کی مسکراہٹ پر جی جان سے فدا ہوا تھا۔

"واہ سویٹی، تمہیں تو آنکھیں دکھانے کے علاوہ مسکرانا بھی آتا ہے۔"

"شٹ اپ"!

زی اپنی مسکراہٹ سمیٹتے بے دھڑک بولی۔

"یو شٹ اپ! اور دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں، زویا بلا رہی ہے، اسے نیند کا چسکا لگا ہوا تھا، اور کہہ رہی تھی تمہیں بھی لگوانا چاہتی ہے۔"

آہل بُرا سا منہ بناتے بولا۔

"کیا لگوانا چاہتی ہے؟"۔

زی کو اس کا "دفع ہو جاؤ" کہنا بُرا نہیں لگا تھا، کیونکہ اس کا انداز سنجیدہ نہیں تھا، بلکہ اسے اچھا لگا تھا۔

"چسکا لگوانا چاہتی ہے وہ تمہیں نیند کا، مجھے تو اس نے کمرے سے ہی دفع کر دیا۔"

آہل نے اپنا درد بھرا قصہ سنایا۔

"اوہوو و، بہت بُرا ہو۔"

زی نے جیسے افسوس کیا۔

"ہووں"!

آہل نے جیسے اس کے افسوس پر اتفاق کیا۔

"چلو میں جا کر زویا کو سمجھاؤں گی، کہ بھائیوں کو کمرے سے دفع نہیں کرتے۔"

زی نے جیسے اس کے دُکھ میں اسے تسلی دی۔

"ہونہہ! سمجھا دو جا کر اسے۔"

"میں چلتی ہوں پھر۔" زی نے کہتے ساتھ سیڑھیوں کا رُخ کیا، وہ سیڑھیوں کے پاس پہنچی ہی تھی کہ آہل نے اسے پکارا

"زی"...!

زی نے پیچھے مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں بس تم دفع ہو جاؤ۔"

آہل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دفع ہونے کے لیے کہا، اس بار اس کا انداز سچ میں دفع کرنے والا تھا۔

زی نے اسے ایک غصے بھری گھوری سے نوازا جسے وہ اگنور کرتا سیٹی بجاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔

زی نے غصے سے اپنا سر جھٹکا۔

"یہ دیکھو!......زی! میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

زویا نے سر پر ہجاب لیا ہوا تھا اور اب وہ زی سے پوچھ رہی تھی۔

"بہت خوبصورت!"زی کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا کیونکہ زویا سچ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی اس ہجاب میں،اس نے پہلی بار اسے ہجاب میں غور سے دیکھا تھا۔

"اب میں تمہارے بھی کر دیتی ہوں ہجاب۔"

زویا نے کہتے ساتھ سٹالر اٹھایا اور اس کے سر پر ہجاب کرنے لگی،زی کچھ کہہ بھی نہ سکی۔

"یہ دیکھو! تم تو مجھ سے بھی زیادہ حسین لگ رہی ہو۔"

زویا نے اس کا رُخ شیشے کے سامنے کرتے کہا،وہ سچ کہہ رہی تھی،زی بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی،زی نے پاؤں تک آتی لانگ فراک پہن رکھی تھی پیلے رنگ کی جس پر بہت خوبصورت پھولوں کا کا پرنٹ تھا،سر کے اوپر نیوی بلو رنگ کے سٹالر سے ہجاب کیا گیا تھا جبکہ زویا نے سفید ٹراؤزر پر (جو کہ بہت کھلا تھا) سفید ٹاپ پہن رکھا تھا،اور سر کے اوپر مہرون رنگ کے سٹالر سے ہجاب کیا ہوا تھا۔

"چلو اب ہم نیچے چلتے ہیں۔"

زویا پُرجوشی سے بولی اور دونوں نیچے چل دیں۔

صائم اور آہل ڈائننگ ٹیبل پر ناشتے کے لیے پہنچ چکے تھے، زی اور زویا دونوں ہی کچن میں داخل ہو گئی تھیں، سیب کھاتے آہل اور پانی پیتے صائم کی نظریں جب زویا اور زی پر پڑیں تو سیب کھاتے آہل کا سیب اس کے گلے میں ہی اٹک گیا اور پانی پیتے صائم کے حلق سے ہی پانی نے ریورس لے لیا اور فوارے کی طرح اُچھل کر کھانستے ہوئے آہل کے منہ پر جا گرا بلکل ٹھاااہ والے انداز میں۔

بچارا آہل تو، زخمی، ہوتے ہوئے بچ گیا۔

"یار صائم تم بہانے کیوں ڈھونتے ہو مجھے مارنے کے، سیدھا گلا ہی دبا دو۔"

بھیگا ہوا آہل سڑا ہوا منہ بنا کر صائم سے بولا۔

"سوری، بوس"!

صائم نے سر جھکا کر جیسے معافی مانگی۔

"اور تم دونوں کو کیا ہوا، بڑی حاجن مائیاں بنی ہوئی ہو۔"

آہل نے مسکرا کر ایک ابرو کو کافی دفعہ اچکاتے پوچھا۔

"ہم اچھی لڑکیاں بن گئی ہیں ناں اب، اس لیے اب ہم دونوں ہی ایسے ہجاب لیا کریں گی، اور آپ دونوں اس معاملے میں ہم سے کوئی بات نہ کریں۔"

زویا نے کہا اور دونوں ہی جا کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

"لو جی، تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے مجھے کوئی مسئلہ ہے، مجھے تو بہت خوشی ہوئی تم دونوں کو ایسے دیکھ کر، باقی صائم کا مجھے نہیں پتا۔"

آہل نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آخر میں کندھے اچکائے۔

صائم جو پھر سے پانی پینے لگ گیا تھا، آہل کی بات پر پھر سے پانی نے اس کے حلق سے ریورس موڑ لے لیا اور جا کر ٹھاااہ والے انداز میں پھر سے آہل کے منہ پر جا گرا، آہل بچارا اب مکمل سناٹے میں آچکا تھا۔

زویا تو جو گلا پھاڑ شاڑ کر ہنسی کہ زی نے بھی اپنے منہ کو دوسری طرف کر کے اپنی مسکراہٹ کو چھُپا لیا۔

"اللہ پوچھے تمہیں، صائم! یہ کیا بے ہودہ، بے حیائی والی حرکتیں کر رہے ہو تم۔"

آہل نے اس کی غلطی کو بے ہودہ اور بے حیائی کا نام دے دیا تھا۔

"اب بیٹھے میرا منہ کیا تاک رہے ہو، ٹیشو دو مجھے۔"

آہل کی شکل دیکھنے والی تھی۔

"جی بوس"!

صائم نے جلدی سے ٹیشو کا ڈبہ آہل کو پکڑایا۔

آہل نے اپنا منہ صاف کیا اور پانی کا گلاس اٹھا کر پانی صائم کے منہ پر پھینکا، اب صائم کی حالت بھی آہل سے کچھ کم نہ تھی۔

"یہ لیں!... بوس! ٹیشو لے لیں۔" آہل نے صائم کی نقل کرتے ہوئے ٹیشو کا ڈبہ صائم کی طرف بڑھایا جسے صائم نے جھپٹنے والے انداز میں کھینچا۔

زویا کی ہنسی کی بریکس بلکل فیل ہو چکی تھیں، وہ پاگلوں کی طرح گلے میں سپیکر لگا کر ہنس رہی تھی۔

صائم کا بس نہیں چل رہا تھا وہ زویا کے منہ میں ایلفی پھینک دے۔

"مجھے کیوں بُلایا ہے ؟"۔

زی آہل سے پوچھ رہی تھی جس نے صائم کو بھیج کر اسے گھر میں موجود آفس روم میں بُلایا تھا، زویا تو فری میں ہی زی کے ساتھ آگئ تھی، صائم نے پوچھا کہ تم کیوں آئی ہو تو زویا میڈم کی طرف سے ایک حسین سا جواب موصول ہوا کہ

"زی میرے بغیر کہیں نہیں جاتی۔"

"ہاں ڈاکے ڈالنے کے لیے بھی زی تمہیں اپنے ساتھ ہی لے کر جاتی تھی نا جیسے۔"

آہل نے طنز کیا تھا جو تیر کی طرح زی کے دل میں لگا تھا، آج پتا نہیں کیوں اس شخص کے منہ سے ایسی بات زہر لگی تھی اسے، ورنہ اسے تو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا کسی کی باتوں سے۔

"تو کیا ہوا، وہ میری فکر کرتی تھی اس لیے نہیں لے کر جاتی تھی۔"

زویا نے اس کے طنز کا جواب بڑے پیار سے دیا تھا۔

"تم تو چُپ ہی رہو۔"

آہل نے اسے جھڑ کا تو اس کی زبان کو تالا لگا، بے شک وہ اس کی بہن تھی لیکن صرف گھر تک، اپنے کام کے وقت تو وہ ڈیول کے نام سے مشہور تھا۔

"اور تم!... تم! مجھے یہ ایف بی (فیس بُک) آئی ڈی ہیک کر کے دو ابھی اور اسی وقت۔"

وہ سنجیدہ انداز میں زی سے مخاطب ہوا، وہ اس وقت بلکل بھی بچارا آہل نہیں لگ رہا تھا، اس کے دماغ کی رگیں بلکل تنی ہوئی تھیں۔

"مجھے نہیں کرنی آتی۔"

زی صاف مکر گئی۔

آہل نے اس کا بازو تھاما اور اتنی زور سے دبایا کہ زی کو لگا اس کے بازو کا خون بلکل رُک چکا ہے اور ہاتھ بلکل سُن ہو چکا ہے۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ"!

زی سُرخ آنکھوں کے ساتھ بولی۔

"پہلے تم جھوٹ بولنا بند کرو اور جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

آہل بھی سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ دبا دبا سا غرایا تھا۔

"آتا بھی ہو گا، تو بھی نہیں کروں گی۔"

زی کا انداز ضدی تھا، اب ہاتھ کی گرفت میں تیزی آچکی تھی، زی کو لگا کہ ابھی اس کا ہاتھ ٹوٹ جائے گا، صائم ہمیشہ کی طرح خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا، لیکن آج اسے بھی دُکھ ہو رہا تھا۔

"بھائی چھوڑیں زی کا ہاتھ"...!

زویا فوراً سے آگے بڑھی لیکن آہل کے بھڑکنے پر اس کے قدم وہیں تھم گئے۔

"میں اپنی بیوی سے بات کر رہا ہوں، زویا! تم بیچ میں نہ ہی پڑو تو ہی اچھا ہے۔"

زویا اندر تک سہم چکی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں تم میری بات مان لو۔"

آہل اس کی ضد پر خود بھی ضدی ہو رہا تھا۔

"میں نہیں مانوں گی آپ کی بات۔"

دونوں ہی ضدی بن چکے تھے۔

"نہیں مانو گی"!

آہل نے جیسے تصدیق چاہی۔

"نہیں"!

زی نے نفی میں سر ہلایا، اب تو اس کی سب سے بڑی کمزوری بھی ختم ہو چکی تھی، تو پھر کیوں مانتی وہ اس شخص کی بات۔

آہل نے زی کا ہاتھ مڑورا اور کمر کے پیچھے لے جا کر گرفت اور تیز کر دی، اب زی کی پشت آہل کے سامنے تھی۔

"اب"...!

آہل نے پھر سے تصدیق چاہی۔

"ن... نہیں"!

زی درد سے کراہ کر بولی تھی، درد بہت شدید تھا، لیکن وہ کیوں مانتی اس کی بات۔

"اب"...!

آہل دوسرا بازو بھی تیزی سے مڑور کر اس کی پشت پر لے گیا، زی نے درد کے مارے ضبط سے آنکھیں اور لب دونوں ہی سختی سے بھینچ لیے، وہ شخص آج اسے بہت ظالم لگ رہا تھا، بہت ظالم۔

"پلیز، بھائی! چھوڑ دیں اسے، اس کا ہاتھ ٹوٹ جائے گا۔"

زویا نے جب دیکھا کہ زی کا ہاتھ بلکل سفید ہو چکا ہے تو روتے ہوئے فوراً آہل سے بولی۔

صائم کا دل عجیب ہونے لگا، اس لڑکی کے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

"پہلے تم اسے کہو کہ میری بات مانے۔"

آہل کو اپنی بہن کی بات کا اثر بھی نہیں ہو رہا تھا۔

"صائم! تم تو روکو بھائی کو، زی کو درد ہو رہا ہے، اس کا ہاتھ ٹوٹ جائے گا۔"

زویا، روتے ہوئے صائم کے پاس گئی تھی اور اس کا بازو زور سے ہلاتے ہوئے بولی تھی، لیکن صائم لب بھینچے کھڑا رہا۔

زویا نے اسے ویسے ہی کھڑے دیکھ صدمے سے دیکھا اور صائم کے سینے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اپنی پوری قوت لگا کر زور سے اسے دھکا دیا۔ لیکن صائم جیسا بھرپور وجاہت کا مالک مرد اس سے ایک اِنچ بھی نہیں ہلا۔

"تم بہت بُرے ہو، صائم"!

وہ اپنی سبز آنکھوں کو صائم کی شہد رنگ آنکھوں میں گاڑھے چیخ کر بولی۔

صائم کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

زویا بھاگ کر زی کی طرف گئی۔

"زی!...مان جاؤ!...پلیززز، میرے لیے، پلیززززز"!

زویا آنکھوں میں آنسو لیے التجائیہ نظروں سے زی کی سرمئی آنکھوں میں دیکھتے بولی جو درد کی شدت سے حد سے زیادہ سرخ ہو چکی تھیں۔

"پلیزز! صرف میرے لیے، پلیززززز"!

زویا نے پھر سے التجا کی۔

"او...اوکے"!

زی نے بڑی مشکل سے الفاظ ادا کیے تھے، ایک اسی لڑکی سے تو اسے محبت تھی۔ پھر کیسے دیکھ لیتی وہ اس کے آنسو؟ کیسے برداشت کر لیتی؟

آہل نے ایک جھٹکے سے زی کے دونوں بازو چھوڑ دیے۔ زی کے بازو ایسے ہو رہے تھے جیسے کہ ان میں خون ہی موجود نہ ہو، ایسے لگ رہا تھا جیسے ان بازؤں کا سارا لہو اس کی آنکھوں میں اُتر آیا ہو، آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ تھا، صرف لہو تھا، درد کی شدت برداشت کرنے کا۔

زویا نے شکر کا سانس خارج کیا اور اپنے آنسو صاف کیے۔

"شاباش!... چلو! اب، لگ جاؤ کام پر۔"

آہل نے اس کی سرمئی آنکھوں میں نظریں گاڑھے کہا۔ آہل کی آنکھوں میں اب کوئی تاثر نہ تھا، نہ ہمدردی کا، نہ غصے کا، اور نہ ہی دُکھ کا، زی نے نفرت سے اسے دیکھا اور

جا کر کمرے میں موجود چیئر پر بیٹھ گئ جس کے سامنے ہی ٹیبل پر ایک لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔ جس پر کسی انجان سے شخص کی آئی ڈی کھُلی ہوئی تھی۔

زی نے اپنے دونوں ہاتھ لیپ ٹاپ کے، کی_بورڈ کی طرف بڑھائے، ابھی اس نے اپنی انگلیوں کو، کی_بورڈ پر چلانا شروع ہی کیا تھا کہ ان میں درد کی شدت سے سنسناہٹ دوڑ گئ۔

"سسس"!

زی کے لبوں سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ زویا کو اس وقت اس پر حد سے زیادہ ترس اور پیار آیا لیکن اسے آہل اور صائم پر حد سے زیادہ غصہ آرہا تھا۔

آہل سر جھٹکتے لیپ ٹاپ کی سکرین کی طرف متوجہ ہوا۔

زی نے ہمت کر کے اپنی انگلیاں کو حرکت دی اور تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلانا شروع کی۔

"کب ہو گا ہیک ؟"۔

اکھڑے انداز میں پوچھا گیا۔

"ٹائم لگے گا۔"

زی اپنے کام میں جاری رہی۔

"ہمم، پھر کرو تم اپنا کام، میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں، صائم تمہارے پاس ہی ہے۔"

آہل یہ کہتے ساتھ ہی کمرے سے نکل گیا۔

زویا جا کر کمرے میں موجود ایک صوفے پر بیٹھ گئ، صائم بھی جا کر اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا، ساتھ بھی کیا بیٹھا تھا بلکل قریب تر ہو کر بیٹھا تھا۔

اس کے بیٹھتے ہی زویا ایک جھٹکے سے اس سے دور ہوئی اور تھوڑا فاصلے پر منہ پھیر کر بیٹھ گئ، صائم پھر سے فاصلہ مِٹاتا اس کے قریب ہو گیا، زویا نے ایک نظر غصے سے صائم کو گھورا اور پھر سے تھوڑے سے فاصلے پر جا کر بیٹھ گئ، صائم نے پھر سے فاصلہ مٹایا، زویا نے غصے سے نم ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے دور ہونے ہی لگی تھی کہ صائم نے اس کا ہاتھ تھام لیا، کیونکہ زویا بلکل ہی صوفے کے کنارے پر آ چکی تھی اور اگر اب وہ زرا سا بھی دور ہوتی تو اس نے گر جانا تھا۔

"سوری"!

صائم اس کا ہاتھ سختی سے تھامے ہلکی سی سرگوشی میں بولا کیونکہ کمرے میں زی بھی موجود تھی۔

"اپنا یہ رومینس باہر جا کر جھاڑو مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔"

زی، کی_ بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلاتے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جمائے بے دھڑک بولی۔

صائم اور زویا ہڑ بڑا کر ایک دوسرے سے دور ہوئے، صائم کو حیرت ہوئی تھی کہ زی کو کیسے معلوم ہوا، زویا نے صائم کو ایسی نظروں سے گھورا جیسے کہہ رہی ہو

"میں نے کہا تھا نہ"!

حالانکہ اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

آہل کمرے میں آیا اور بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگ گیا، اسے غصہ آرہا تھا اپنے آپ پر، پتا نہیں کیوں لیکن غصہ آرہا تھا اسے اپنے آپ پر، آہل نے غصے سے اپنے ہی بال نوچنا شروع کر دیے تھے، جب پھر بھی دل کو سکون نہ مِلا تو کمرے کی چیزوں کو اِدھر اُدھر پھینکنا شروع کر دیا۔ پہلے اس نے بیڈ سے تکیوں کو اٹھا کر زمین پر پھینکا اس کے بعد بیڈ شیٹ کو کھینچ کر زمین پر پھینک دیا۔ پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور ایک ہی جھٹکے سے ڈریسنگ ٹیبل پر موجود ساری چیزوں کو نیچے گرا دیا۔ سارے پرفیومز

ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو کر کی کانچ کے ٹکڑوں میں بٹ گ ئے۔اوران کی ُپرفیومز میں موجود پرفیوم جو کہ کارپیٹ پر گر چکی تھی وہ کمرے کو الگ ہی خوشبو سے مہکا رہی تھی۔ لیکن وہ خوشبو بہت ہی زیادہ تیز تھی۔

آہل کو وہ خوشبو کسی زہر سے کم نہیں لگ رہی تھی، وہ کمرے میں موجود کانچ کی میز کی طرف گیا اور ایک ہی جھٹکے میں اس پر اپنے ہاتھ کا مکا مار کر اسے توڑ دیا۔ ہر طرف کانچ کے ٹکڑے پھیل چُکے تھے، ہاتھ سے خون کی چند بوندیں بہہ کر تیزی سے کارپیٹ میں جذب ہو گئیں۔

آہل کو تب بھی سکون نہ ملا بلکہ گھُٹن اور زیادہ بڑھ گئی۔اس نے ٹیرس کا دروازہ کھولا اور باہر جا کر ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر لمبے لمبے سانس لے کر اپنا غصہ ضبط کرنے لگا۔

"کیا ہو رہا ہے آہل تجھے، کنڑول! کنڑول"!

وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوا۔

شاید اسے پچھتاوا ہو رہا تھا لیکن اسے خود بھی یہ بات معلوم نہ تھی۔ یا پھر وہ ماننے کو ہی تیار نہ تھا، کہ اسے پچھتاوا بھی ہو سکتا ہے۔اسے تو اپنے کیے پر کبھی بھی پچھتاوا نہیں ہوتا تھا۔اسے تو کسی پر ترس بھی نہیں آتا تھا۔اور ہاں اس سے یہی تو غلطی ہوئی تھی۔اس نے ترس نہیں کھایا اس پر، زرا بھی ترس نہیں کھایا۔اور شاید یہی پچھتاوا تھا۔

"یہ لو! کام ہو گیا"!

کام ختم ہوتے ہی زی صائم سے بولی۔

"تھینک یو"!

صائم کے منہ سے نکلا تھا، جبکہ زی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا، لیکن پھر اپنی حیرت پر قابو پاتی صائم کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔

صائم بھی ہلکا سا مسکرایا تھا۔

زویا بچاری تو غش کھاتے بچی تھی۔

"کیا اس شخص نے شکریہ کہا، یا شاید میرے ہی کان کچھ زیادہ بج رہے ہیں۔"

زویا نے سوچتے ہوئے کانوں میں زور سے انگلی ماری کہ شاید اس کے کانوں کو ہی سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"زویا! کیوں اپنی انگلیاں خراب کر رہی ہو، جاؤ ہاتھ دھو کر آؤ۔"

زی نے اسے پاگلوں والا شغل جاری کرتے دیکھ، تپ کر کہا۔

زویا بیچاری شرمندہ ہوتی سر جھکائے واشروم کی طرف چلی گئی۔

صائم نے اس کے لٹکے ہوئے منہ کو دیکھ کر اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"ہو گیا کام؟"

آہل کمرے میں داخل ہوتے پوچھ رہا تھا۔

"جی بوس! ہو گیا کام"!

صائم نے جواب دیا۔

"شاباش!... سویٹ"!

آہل آنکھوں میں شرارت لیے زی کے گال پر ہلکی سی چٹکی کاٹتے بولا۔

زی جھٹ سے پیچھے ہوئی تھی۔

آہل لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا، اور تھوڑی دیر اس پر انگلیاں چلاتے کچھ کھوجتا ہوا زی سے پوچھنے لگا۔

"آج رات کے لیے تیار ہو نا؟"۔

زی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑے آہل کو دیکھا اور پوچھنے لگی۔

"کس لیے؟"

"ارے صائم نے تمہیں نہیں بتایا! چلو کوئی بات نہیں میں بتا دیتا ہوں، آج رات میں تمہیں کسی کے گھر بھیجنے والا ہوں، تم نے وہاں سے ایک فلیش لانی ہے، چُرا کر۔"

آہل لیپ ٹاپ کو بند کرتا پھر سے زی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔"

اس کی روشن پیشانی پر شکنیں پڑی۔

"آ اااں، سویٹ! کیوں تم میری بات نہیں مانتی، اب میں تم پر ظلم کی انتہا کرتا ہوا اچھا تھوڑی لگوں گا، اس لیے کہ میں تمہارا مجازی خُدا جو ٹھہرا۔"

زویا بھی واشروم سے ہاتھ دھو کر آ چکی تھی، اور آہل کی بات سُن کر اس نے افسوس سے آہل کو دیکھا تھا۔

"شٹ اپ! مسٹر آہل! میں بیوی ہوں کوئی نوکرانی نہیں جو آپ کی ہر فالتو بات کو ماننے کے لیے تیار ہو جاؤں۔"

زی بھڑک اٹھی تھی اب۔

"زویا! سمجھا دو اپنی بھابھی کو کہ میرے ساتھ زبان درازی کرنے سے گریز کرے، ورنہ میں اپنا ہاتھ اٹھانے میں بلکل بھی گریز نہیں کروں گا۔"

آہل زی کو دیکھتے ہوئے زویا سے مخاطب ہوا۔

"بھائی آپ بہت غلط کر رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بعد میں پچھتائیں۔"

زویا کو افسوس ہو رہا تھا۔

"زویا! پلیز ز، تم اپنی بھابھی کو سمجھا دینا کہ رات کے لیے بلکل تیار رہے، ورنہ تم خود بہتر جانتی ہو کہ میں کیا کروں گا۔"

یہ کہتے ساتھ ہی آہل کمرے سے نکل گیا، صائم بھی اس کے پیچھے ہی باہر چلا گیا، ان کے جانے کے بعد زویا زی سے مخاطب ہوئی۔

"زی! پلیز زز، پلیز ززز زی! بھائی کی بات مان لو، ان کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے، کل تک تو وہ بلکل ٹھیک تھے لیکن آج پتا نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے، تم میرے لیے ان کی بات مان لو، اگر تم نے ان کی بات نہ مانی تو وہ پتا نہیں کیا کر دیں گے، اور میں تمہیں بلکل بھی کھونا نہیں چاہتی، ہم یہ تو بھول ہی گ ئے تھے کہ بھائی نے تم سے شادی اسی لیے کی ہے۔"

زویا نے جیسے منت کی۔

"زویا! میں"...

"پلیز ززز"!

اس سے پہلے کہ زی منع کرتی زویا نے التجا کی۔

"اوکے"!

زی بس اپنے آپ پر ضبط کر کے رہ گئی۔

"مسٹر آہل! آپ اور صائم ادھر ہی رکیں میں ضروری سامان لے کر آتی ہوں۔"

وہ تینوں اس وقت زویا کے غریب خانے میں موجود تھے، زی نے آہل کی بات مان لی تھی اور کہا تھا کہ وہ پہلے اپنے گھر جا کر ضروری سامان لے گی اس کے بعد ہی وہ اس جگہ جائے گی جہاں سے فلیش چُرائی ہے۔

زویا کو وہ لوگ زبردستی گھر چھوڑ کر آئے تھے، زویا میڈم نے زمین پر بیٹھ کر سائیکل چلانا شروع کر دیا تھا کہ وہ بھی ساتھ جائے گی لیکن زی نے بس ایک تھپڑ لگایا تھا اور زویا میڈم کی بولتی بند۔

"ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے، آخر ہمیں بھی تو پتا چلے کہ کیا کیا چیزیں ہیں تمہارے پاس۔"

وہ تینوں اس وقت لاؤنج میں کھڑے تھے، اور آہل زی کو اکیلے جاتے دیکھ تجسس کے مارے بولا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جائے گا۔

"مسٹر آہل! میوزیم نہیں ہے وہ، جو آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی دیکھیں گے۔"

زی جاتے جاتے آہل کی بات پر مڑی اور آہل کو ایک گھوری سے بھی نوازا۔

"تووو!" جو بھی ہے بس ہم دیکھیں گے۔"

آہل ضدی لہجے میں بولا۔

زی بس غصے سے گہرا سانس لے کر رہ گئی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی، آہل اور صائم بھی اس کے پیچھے پیچھے گ ئے۔ زی کمرے میں موجود الماری کی طرف گئی اور الماری کو کھول کر کپڑے سائیڈ پر کرنے لگی، پھر سامنے بنے لوہے کے چہرے کی آنکھوں میں اپنے دونوں ہاتھ کی انگلیاں دینے لگی، جیسے جیسے انگلیاں اندر جا رہی تھیں دروازہ کھُلتا ہی جا رہا تھا۔

صائم اور آہل نے حیرت سے پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔

کیا چیز تھی وہ لڑکی؟

"یہ... یہ دروازہ پہلے تو نہیں تھا یہاں پر جب میں تلاشی لینے آیا تھا اس گھر کی، انفیکٹ میں نے تو زمین بھی کھدائی تھی بلکل اسی جگہ سے۔"

صائم حیرت سے بولا تھا۔

زی ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔

"میجک"!

"لیکن مجھے جاننا ہے کہ یہ کیسے ہوا۔"

صائم کو کچھ زیادہ ہی تجسس ہو رہا تھا، ہونا بھی چاہیے تھا، اس نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ یہاں سے کوئی تو سُراغ ہاتھ لگ جائے لیکن کچھ بھی ہاتھ نہیں لگا تھا اس کے، تو پھر کیسے یہ کمال ہو سکتا ہے۔

"صائم! باقی باتیں بعد میں، پہلے ہم اندر چل کر دیکھیں گے کہ کیا ہے وہاں"!

آہل کہتے ساتھ ہی الماری کے اندر گھس گیا زی بھی اس کے پیچھے گئی، اور صائم بھی سوچ میں ڈوبا ان کے پیچھے چل دیا۔

اندر جا کر آہل اور صائم نے جو دیکھا، وہ ان کو حد سے زیادہ حیرت میں ڈال گیا، زی کا لگژری روم ان کے سامنے تھا، ہر چیز لگژری تھی، اور یہی چیز انہیں حیرت میں ڈال رہی تھی۔

"واؤ، سویٹی! تم تو حد سے زیادہ ذہین اور rich (امیر) نکلی، مجھے تو بلکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ باہر سے دکھنے والا یہ غریب خانہ نیچے سے اتنا خوبصورت بھی ہو سکتا ہے۔"

آہل اس کے لگژری روم کو داد دیتا بولا، لیکن زی اس کی بات کو غیر دلچسپی سے سنتی اس کمرے سے ملحقہ دوسرے کمرے کی طرف چل دی۔

آہل اور صائم بھی اس کے پیچھے چل دیے لیکن جیسے ہی انہوں نے اس کمرے میں قدم رکھا ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ... یہ تمہارا اور کنگ روم ہے؟"۔

آہل پھٹی آنکھوں کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"ہوں"!

زی ایک بیگ میں ضروری سامان اکھٹا کرتی بس اتنا ہی بولی۔

آہل الماری کی طرف گیا اور الماری کو کھول کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، الماری کے اندر کافی ساری چھوٹی چھوٹی ڈبیاں پڑی ہوئیں تھیں، وہ یہ بات یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ہیرا رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں، اس نے ایک مخملی ڈبی کھولی تو وہ کھالی تھی، پھر اس نے دوسری ڈبی کھولی تو وہ بھی کھالی تھی، اب حیرت کی بات یہ تھی کہ ان ڈبیوں میں ایک بھی ہیرا موجود نہیں تھا، لیکن کیوں؟

"اس کے اندر موجود ڈائمنڈز کہاں گ ئے؟"

آہل نے چیزیں اکھٹی کرتی زی سے پوچھا، جبکہ صائم لیپ ٹاپز، فونز، ڈیوائسز والی سائیڈ پر کھڑا ان کو چیک کر رہا تھا، اسے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہاں پڑے

سارے لیپ ٹاپز، فونز اور ڈیوائسز کس قدر قیمتی اور اچھی کمپنیز کے ہیں، وہ دل میں زی کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"مسٹر آہل! آپ کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔"

زی نے اپنا بیگ تیار کر لیا تھا اور اب وہ اپنے ہاتھ میں ایک بریسلیٹ ٹائپ چیز پہن رہی تھی۔

"اوکے جیسے تمہاری مرضی۔"

آہل نے کندھے اچکائے۔

"کیا میں یہ لے سکتا ہوں؟"

صائم نے ایک عجیب سے قسم کی ڈیوائس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو زی نے سر اثبات میں ہِلا دیا۔

"شکریہ"!

صائم نے خوشی سے کہا تھا، کیونکہ وہ ڈیوائس وہ کب سے ڈھونڈ رہا تھا، اس نے اس ڈیوائس کے لیے کافی ملکوں میں رابطہ کر کے پوچھا تھا کیونکہ اس ڈیوائس کی اسے ضرورت تھی، لیکن کہیں سے بھی اسے وہ نہیں مل رہی تھی۔

زی بھی اسے خوش دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی، جبکہ آہل اب دوسری الماری میں گھس کر پتا نہیں کیا کھوج رہا تھا۔

"یار سویٹ تم تو بہت ہوشیار ہو، مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔"

آہل نے اس الماری میں سے ایک چیز نکال کر بغیر پوچھے ہی اپنی جیب میں ڈالتے کہا، جبکہ زی اس کی حرکت دیکھ کر افسوس سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو، شوہر ہوں تمہارا، بغیر پوچھے کوئی بھی چیز لے سکتا ہوں تمہاری۔"

آہل نے جیسے جتایا۔

"زی اب اپنے جوتے اُتار کر دوسرے قسم کے جوتے پہن رہی تھی، جن کی اونچائی اس کے پاؤں سے تھوڑی سی لمبی تھی۔

"صائم تمہیں جو کچھ بھی یہاں سے چاہیے وہ اٹھا لو، کوئی نہیں بھابھی ہیں تمہاری۔"

آہل نے جیسے اسے بغیر پوچھے چیزیں اٹھانے کی اجازت دی، زی بس گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"کیا آپ مجھے یہ بتا سکتی ہیں کہ جب میں پہلے یہاں آیا تھا تو یہ کمرہ کہاں تھا؟"

وہ سارے اس خفیہ کمرے سے نکل آئے تھے اور اب صائم پھر سے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر زی سے پوچھ رہا تھا، اس بار آہل نے بھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر کسی دن بتاؤں گی۔"

زی کہتے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی۔

"تمہیں زیادہ سے زیادہ کچھ نہیں کرنا، بس اس گھر میں موجود اس کمرے میں جا کر الماری سے ایک لال رنگ کی فلیش لے کر آنی ہے۔"

آہل اسے ایک گھر کی کافی ساری تصویریں اور نقشہ دکھاتا کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے"!

زی نے دو لفظی جواب دیا، وہ تینوں اس وقت گاڑی میں موجود تھے، اور اس گھر کی پچھلی سائیڈ سے تھوڑا ہی دور تھے۔

"اب تم جا سکتی ہو۔"

آہل نے اسے جانے کی اجازت دی تو زی نے جس کالے رنگ کے سٹالر سے ہجاب کیا ہوا تھا اسے ہی نقاب کی صورت میں اچھے سے اپنے چہرے کے گرد لپیٹ کر اپنا چہرا چھُپا لیا، اور بیگ دونوں کندھوں پر ڈالتی گاڑی سے باہر نکل گئ۔

زی اس گھر کے بلکل پچھلی سائیڈ کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئ اور تیس سیکنڈ کی پھرتی کے بعد وہ دیوار کے اس پار تھی، صائم اور آہل نے حیرت سے یہ سارا منظر دیکھا تھا، وہ لڑکی کیسے کچھ ہی سیکنڈز میں چھلانگ لگاتی اس دیوار کے پار تھی۔

"بوس! بھابھی تو سچ میں بہت تیز ہیں۔"

صائم کے منہ سے بے اختیار ہی نکلا تھا، اور آہل کی گردن فخر سے ایسے اونچی ہوئی تھی جیسے ساری تعریف اسی کی، کی جا رہی ہو۔

صائم نے آہل کو ایسے دیکھ بڑی مشکل سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا۔

زی دیوار کے اس پار پہنچ چکی تھی اور اب وہ اس گھر کی دوسری سائیڈ پر جا رہی تھی، دوسرے سائیڈ پر پہنچتے ہی اس نے اس گھر کی تیسری منزل والے ایک کمرے کی

کھڑکی کی طرف اپنا ہاتھ اٹھایا اور جو بریسلیٹ وہ اپنے خفیہ کمرے سے پہن کر آئی تھی اس کا ایک بٹن دبا دیا، بٹن دبانے کی ہی دیر تھی کہ اس بریسلیٹ میں سے ایک رسی تیزی سے جا کر اس کمرے کی کھڑکی میں اٹک گئی،اس کے بعد زی نے بریسلیٹ کا دوسرا بٹن دبایا تو وہ تقریباً تین سیکنڈ کے اندر اندر اس کمرے کی کھڑکی میں موجود تھی، کیونکہ رسی نے اسے اپنے ساتھ ہی اوپر کی طرف کھینچ لیا تھا،اگر یہ منظر آہل اور صائم دیکھ لیتے تو غش کھا کر گر پڑتے۔

زی نے کھڑکی میں سے جھانک کر اس کمرے کا جائزہ لیا، وہ اس وقت کھڑکی کی دیوار سے لٹک کر اپنی سرمئی آنکھوں سے اس کمرے کا بھرپور جائزہ لے رہی تھی۔

پہلے اس نے دیوار کے کونوں میں دیکھا کہ کوئی کیمرہ وغیرہ تو نہیں لگا، پھر اس نے بیڈ پر پڑے اس بے سُدھ آدمی کی طرف دیکھا جو دنیا جہاں سے بے خبر سو رہا تھا، اس کو سوتا دیکھ اسے مکمل تسلی ہو گئی اور وہ اس کمرے میں کود گئی، کمرے میں کودنے کے بعد اس نے بیگ کی سائیڈ سے ایک پاؤڈر کا پیکٹ نکالا اور اس آدمی کے سر پر جا کھڑی ہوئی، زی نے اس پیکٹ میں سے تھوڑا سا پاؤڈر اپنے گلوز والے ہاتھوں میں ڈالا اور اس پاؤڈر کو اس آدمی کی ناک کی طرف لے گئی، وہ آدمی نیند میں جیسے جیسے سانس لے رہا تھا وہ پاؤڈر

اس کے ناک کے ذریعے اس کے دماغ کو چڑھ رہا تھا، تقریباً دس سیکنڈ کے اندر زی اس آدمی کو اگلے دس گھنٹے کے لیے مکمل بے ہوش کر چکی تھی۔

زی نے اپنے بیگ سے پہلے ایک ڈیوائس نکال کر اس کا بٹن دبایا اور کمرے کے گرد گھمانے لگی، وہ اس ڈیوائس سے اس بات کی تسلی کر رہی تھی کہ کمرے میں سچ میں تو کوئی کیمرہ یا پھر ایسی کوئی دوسری ڈیوائس تو موجود نہیں، تقریباً ایک منٹ کے اندر اندر وہ اس کمرے کا مکمل جائزہ لے چکی تھی، پھر گہرا سانس لیتی وہ اس کمرے میں موجود الماری کی طرف بڑھی اور پھر اس الماری کے پٹ کھول کر الماری کے اندر کا جائزہ لینے لگی، سامنے ہی اسے ایک پاسورڈ والا لاکر دکھائی دیا، اس نے اپنے بیگ سے ایک اور ڈیوائس نکالی اور اس ڈیوائس کو اس لاکر سے اٹیچ کر دیا، وہ ڈیوائس کسی مقناطیس کی طرح اس لاکر سے چپک چکی تھی، زی نے اس ڈیوائس میں موجود بٹنز میں کچھ ٹائپ کیا اور اس کے تقریباً دو سیکنڈز بعد ہی لاکر ''ٹک'' کی آواز سے کھل چکا تھا۔

زی نے لاکر پورا کھول کر اس کے اندر موجود ایک لال رنگ کی فلیش نکال لی، اور اسے اپنے بیگ میں ڈال لیا، فلیش لینے کے بعد بھی اس نے اس لاکر کا مکمل جائزہ لیا اور پھر اس نے لاکر کے کونے میں ایک جگہ اپنی انگلی رکھی تو وہ لاکر اندر سے بھی کھل گیا، اسے پتا تھا کہ اس لاکر کے اندر ایک دوسرا لاکر ضرور ہوگا، وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

آہل اور صائم دونوں نے ہی اپنی آنکھوں کو اچھے طریقے سے مسل کر سامنے سے آتی زی کو دیکھا جو کہ تقریباً چھ منٹ کے اندر اندر اس گھر سے باہر آچکی تھی۔

"یار صائم! یہ تو پانچ چھ منٹ میں ہی واپس آگئی، یہ فلیش لائی بھی ہے یا پھر ڈر کر ہی واپس آگئی۔"

آہل صدمے سے بولا تھا۔

"بوس! جتنی جلدی یہ آگئی ہیں مجھے تو نہیں لگتا کہ یہ فلیش بھی لائی ہوں گی۔"

صائم بھی صدمے سے ہی بولا تھا۔

"نہ لائی ہو یہ فلیش زرا، پھر اس کی طبیعت تو میں صاف کروں گا۔"

آہل سر ہلاتے بولا۔

زی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی، اس سے پہلے کہ آہل اپنا لیکچر اور دھمکیاں شروع کرتا زی نے اسے فلیش پکڑا دی، آج تو صائم اور آہل کو لگ رہا تھا کہ ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ ہی جائیں گی، وہ لڑکی آج بار بار انہیں جھٹکے دے رہی تھی۔

"صائم! جلدی سے یہ فلیش لیپ ٹاپ میں لگا کر چیک کرو۔"

آہل نے صائم کو کہا تو صائم نے لیپ ٹاپ کھول کر اس میں فلیش لگا دی اور چیک کرنے لگ گیا کہ یہ وہی فلیش بھی ہے؟

"بوس یہ وہ فلیش نہیں ہے۔"

صائم نے چیک کرنے کے بعد بتایا۔

"مجھے پتا تھا، پتا تھا مجھے، یہ لڑکی پورا کام کر کے آئے گی ہی نہیں۔"

آہل زی کو گھورتا ہوا بولا تو زی نے اس کے ہاتھ میں ایک لائیٹر تھما دیا۔

"واہ بھئی واہ، مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں نشئی پلس چرسی بھی ہوں۔"

آہل نے اپنی آنکھوں کو کئی دفعہ جھپکا کر دانت پر دانت جما کر مسکراتے ہوئے طنز کیا۔

"آپ اس لائٹر کو لیپ ٹاپ میں لگا کر چیک کریں۔"

زی گہرا سانس لے کر بولی۔

"کیا آگ لگا دوں لیپ ٹاپ کو اب اس لائٹر سے، مجھے تو آج پتا چلا ہے کہ میں بے وقوف اور پاگل بھی ہوں۔"

آہل جل بھن کر بولا۔

زی نے غصے سے آہل کے ہاتھ سے لائیٹر واپس لے لیا اور صائم سے لیپ ٹاپ مانگنے لگی۔

"خبردار!...... خبردار! صائم! جو تم نے اس پاگل لڑکی کو لیپ ٹاپ دیا تو، یہ تو پاگل ہے آگ لگا دے گی لیپ ٹاپ کو۔"

آہل نے صائم کو انگلی دکھا کر جیسے وارن کیا۔

زی نے زبردستی صائم کے ہاتھوں لیپ ٹاپ جھپٹا، اور پھر اپنی گود میں رکھ کر لائیٹر کا بٹن دبا، آہل کو لگا کہ وہ اب پکا لیپ ٹاپ کو آگ لگا دے، اس بار تو صائم کو بھی یہی لگا تھا، لیکن زی نے لائیٹر کا بٹن تو دبایا تھا پر اس میں سے آگ کی بجائے فلیش نکلی تھی، صائم اور آہل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

زی نے لائیٹر سے نکلی فلیش کو لیپ ٹاپ میں لگایا اور اس کے بعد تیزی سے لیپ ٹاپ پر اپنی انگلیاں چلانے لگی، کچھ دیر بعد زی نے لیپ ٹاپ کی سکرین کو آہل اور صائم کی طرف موڑا تو وہ دونوں حیرت سے صدمے میں چلے گ ئے۔

"یہ... یہ وہ فلیش کیسے مطلب۔"

آہل صدمے سے چُور لہجے میں بولا۔

"بقول آپ دونوں کہ وہ فلیش لال رنگ کی تھی، لیکن میری نظر میں وہ انجان ہی تھی، مطلب کہ آپ دونوں کو بس اتنا پتا تھا کہ وہ فلیش لال رنگ کی ہے، لیکن آپ دونوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ فلیش لال رنگ کے لائیٹر کی شکل میں ہے۔"

زی نے کہتے ساتھ ہی گہرا سانس لیا اور اپنے بیگ سے ایک فائل نکال کر آہل کی طرف بڑھائی۔

"یہ کیا ہے؟"

آہل نے فائل تھامتے پوچھا۔

"یہ فائل آپ کی کمپنی کی ہی ہے، میں نے اس لاکر سے جُڑے جب دوسرے لاکر کو کھول کر وہ لائیٹر نکالا تھا تو مجھے وہاں یہ فائل بھی ملی۔"

زی نے جواب دیا۔

آہل نے جب وہ فائل کھول کر دیکھی، تو اس کا دل کیا کہ وہ خوشی سے چھلانگے لگائے۔

"یار صائم یہ تو وہی فائل ہے، جو چوری ہو گئ تھی، اور... اور اتنی کوشش کے بعد بھی ہمیں یہ نہیں ملی تھی۔"

آہل کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا اس کا دل تو اب لڈیاں ڈالنے کو کر رہا تھا۔

"صائم یار! کیا بیوی پائی ہے میں نے، امماہ۔" آہل نے زی کی طرف ایک ہوائی بوسہ اُچھالا تو زی نے کھا جانے والی نظروں سے آہل کو دیکھا۔

صائم نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ کو ضبط کیا۔

"صائم! یار اب گاڑی تم ڈرائیو کرو، میں تو اپنی بیوی کے ساتھ پیچھے بیٹھوں گا، آج مجھے اپنی بیوی کچھ زیادہ ہی اچھی لگ رہی ہے۔"

آہل ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر پیچھے والی سیٹ پر بھاگ گیا زی کے پاس، جبکہ زی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے آہل دماغ سے چل گیا ہو۔

صائم نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، وہ تو پتا نہیں کیسے ہی اپنی ہنسی پر کنٹرول کیے ہوا تھا، آج اس کا بھی زویا کی طرح گلا پھاڑ دھاڑ کر ہنسنے کا دل کر رہا تھا، ایک لمحے کے لیے زویا کو سوچ کر وہ مسکرا دیا۔

"یار! تم اتنی ذہین کیسے ہو سکتی ہو، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔"

آہل زی کے کندھے کے ساتھ کندھا ٹکراتے شوخی اور کچھ شرارت سے بولا۔

زی نے گھور کر اس شخص کو دیکھا، اور سوچنے لگی کہ وہ شخص کیا ہے، صبح کیسے وہ اس کا بازو توڑنے والا تھا اور اب... اب وہ پھر سے بچارا آہل بن چکا تھا، وہ شخص ایسا تھا جیسے... جیسے پل میں تولا اور پل میں ماشہ۔

"زویا! تم یہ کیا کر رہی ہو؟"

وہ تینوں گھر آ چکے تھے، زی اپنے کمرے میں گئی تو زویا اس کا فون تھامے بلکل ساکت کھڑی تھی، زی فوراً سے اس کے پاس گئی تھی اور اس کے ہاتھ سے اپنا فون جھپٹتے ہوئے پوچھنے لگی کہ وہ کیا کر رہی تھی اس کے فون کے ساتھ، آج وہ پتہ نہیں کیسے غلطی سے اپنا فون گھر پر ہی بھول گئی تھی۔

"زی تمہیں پتا ہے اس فون نے آج مجھے ایک بہت اچھی خوشخبری سنائی ہے۔"

زویا نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی، زی چونکی تھی۔

"آج مجھے اس فون کے ذریعے پتا چلا کہ میری بہن اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہے، اس لیے تو اللہ میری بہن سے محبت کرتا ہے۔"

زویا کی باتوں سے زی کے دل نے جو اسے بتایا، زی کو لگا کہ وہ ٹھیک نہیں ہوا۔

صبح کا وقت تھا، وہ چاروں ناشتہ کر کے کچن سے نکلے ہی تھے کہ سامنے لاؤنج میں کھڑی شخصیت کو دیکھ کر صائم اور آہل دنگ رہ گ ئے، زی نے انجان نظروں سے اس شخصیت کو دیکھا، جبکہ زویا میڈم یہ سوچنے میں مصروف تھی کہ شاید اس نے پہلے کبھی ان کو دیکھا ہے۔

"کہاں دیکھا ہے میں نے پہلے انہیں، کہاں؟"

زویا گال تلے انگلی رکھے سوچ رہی تھی لیکن اس کے دماغ کے گھوڑوں نے ناشتہ کرنے کے بعد کچھ زیادہ ہی تیز دوڑنا شروع کر دیا تھا اور پھر اچانک سے اس کے دماغ کے گھوڑے ایک جگہ آ کر رُک گ ئے، زویا کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔

"ارے بھائی! یہ تو ہماری بوڑھی گھوڑی لال لگام ہیں نہ۔"

زویا چٹکی بجا کر منہ پھاڑ کر بولی، جیسے کوئی بہت ہی بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا ہو ان کو یاد کر کے، جس پر اسے انعام بھی ملنا چاہیے۔

صائم اور آہل نے زویا کے منہ پھاڑ کر بولنے پر آنکھیں پھاڑ کر زویا کو دیکھا، جبکہ زی نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

سامنے کھڑی شخصیت نے منہ بنا کر زویا کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ اس لڑکی کو غلط فہمی ہو گئی ہے، یا پھر وہ آنکھوں سے اندھی ہے، ورنہ وہ تو خوبصورت، جوان اور حسینہ ہیں۔

"زویا! چندا؟ یہ ہماری دادو ہیں۔"

آہل دانت پر دانت جمائے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ارے بھائی! نہیں، مجھے یاد ہے یہ ہماری بوڑھی گھوڑی لال لگام ہی ہیں۔"

زویا نے جیسے آہل کو غلط ثابت کیا لیکن جب صائم کی اپنے آپ پر جمی شعلہ اگلتی آنکھوں کو دیکھا تو تھوک نگلتے بولی۔

"ہاااں، ہاااں ہاں یاد آ گیا مجھے۔"

"دادو آپ یہاں کیسے؟"

آہل شمائلہ بیگم کے پاس جاتے اپنے سر پر پیار لیتا بولا، صائم بھی اپنی نانو کے پاس گیا اور اپنے سر پر پیار لیا۔

"ابے گدھوں! تم دونوں تو چھپے ہوئے رستم نکلے، اپنی دادو کو بلائے بغیر ہی سارے میامی کو بلا کر نکاح کر لیا۔"

شمائلہ بیگم کو جیسے ہی یاد آیا انہوں نے آہل اور صائم کے زور سے کان پکڑ لیے اور ان کے کان مڑوڑ دیے۔

"آااہ"!

صائم اور آہل دونوں ہی چیخے تھے۔

"ہائے، زی! دیکھو، کتنے اچھے لگ رہے دونوں ایسے چیختے ہوئے۔"

زویا خوشی سے اچھلتی ہوئی زی سے بولی۔

شمائلہ بیگم نے آہل اور صائم کے کان چھوڑے اور رکھ کر ان دونوں کے سروں پر تھپڑ لگایا، زویا تو ان دونوں کو پٹتے دیکھ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

"شرم تو نہ آئی تم دونوں کو، اپنی حسین دادو، نانو کو بُلایا کیا بتایا بھی نہیں نکاح کا، وہ تو شکر ہے اللہ کا کہ میں نے نیوز میں دیکھ لیا تھا، ورنہ تو تم دونوں اپنی دادو نانو کو بھول ہی چکے تھے۔"

شمائلہ بیگم نے اپنے سن گلاسز اتار کر نہ نظر آنے والا آنسو صاف کیا۔

"وہ تو بس... ایسے ہی کیا ہے ہم نے نکاح، شادی تو ہم بعد میں کریں گے، آپ فکر ہی نہ کریں، اپنی شادی میں ہم آپ سے دو چار ٹھمکے تو لگوائیں گے ہی۔"

آہل نے جیسے دادو کو تسلی دی کہ فکر ہی نہ کریں ڈانسر بناؤں گا نہ میں آپ کو۔

"ہاں، پھر ٹھیک ہے... پھر میں اس گانے پر ڈانس سیکھوں گی... لیا ندا تیرے لئ، اوہ ریشمی رومال، لیا ندا تیرے لئ۔"

دادو نے پر اپر ہاتھوں کو نچا نچا کر گانا گنگنایا تھا، اور زویا میڈم تو پیٹ پر ہاتھ رکھے نیچے لیٹ کر خوب ہنسی تھی، جبکہ زی نے حیرت سے شمائلہ بیگم کو دیکھا تھا اور اسے لگا تھا کہ زویا ٹھیک ہی کہہ رہی تھی، بوڑھی گھوڑی لال لگام۔

"ارے اس لڑکی کو کیا ہو گیا، کہیں میرے گانے کی فین تو نہیں ہو گئ۔"

شمائلہ بیگم خوش ہوتے ہوئے اپنے سر کو پیچھے سے ہاتھ لگاتی ایک ادا سے بولیں۔

"ہاہاہاہا، بھائی یہ تو، ہاہاہاہا، یہ تو اب بھی بوڑھی گھوڑی لال لگام ہی ہیں، ہاہاہاہا۔"

زویا تو ہنس ہنس کر اوندھی ہوئی جا رہی تھی۔

"اس لڑکی کی اتنی ہمت، یہ لڑکی کب سے مجھے بوڑھی گھوڑی لال لگام کہہ رہی ہے۔"

شمائلہ بیگم نے منہ چڑھا کر اور منہ بگاڑ کر کہا۔

"نانو! یہ تو ہے ہی پاگل، اس کی بات کو دل پر نہ لیں۔"

صائم نے افسوس سے زویا کو دیکھتے کہا۔

"دل پر لیتی ہے میری جوتی۔"

شمائلہ بیگم کی تو جوتی کے پاس بھی دل تھا، یہ ان سب کو آج معلوم ہوا تھا۔

"ہاہاہاہا، اُفف، ہاہاہاہا۔" زویا کا تو ہانسا ہی بند نہیں ہو رہا تھا۔

"یہ لڑکی تو سرے سے ہی بے شرم لگ رہی ہے مجھے، صائم تم نے بھی پتا نہیں کس گدھے کی اولاد کی اولاد سے شادی کر لی، نیوز میں دیکھا تھا میں نے اسے تمہارے ساتھ۔"

دادو دل پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"ہاہاہاہا، بھائی یہ تو اپنے آپ کو ہی گدھا کہہ رہی ہیں ہاہاہاہا۔"

زویا پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔

"اللہ معاف کرے، کیا بک رہی ہے یہ لڑکی، میں نے کب اپنے آپ کو گدھی کہا۔" دادو دل پر ہاتھ رکھے شاک کی کیفیت سے بولیں۔

"چُپ! چُپ!... ایک دم چُپ زویا، اگر اب تم ہنسی تو گلا دبا دوں گا میں تمہارا۔"

صائم منہ پر انگلی رکھے غصے سے زویا کو دیکھتے بولا، جس کا زویا پر خوب اثر ہوا تھا، اس کی ہاہاہایا کو فوراً سے ہی بریک لگی تھی۔

"ہائے یہ بچی مجھے اچھی لگ رہی ہے، کب سے خاموش کھڑی ہے بچاری بھولی بھالی سی۔"

شمائلہ بیگم زی کو دیکھ کر پیار سے بولیں۔

زی نے آس پاس دیکھا، اسے لگا شاید وہ کسی اور کو کہہ رہی ہیں، لیکن آس پاس اس کے علاوہ کوئی نہ تھا تو اس نے اپنی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"میں"!

"ہاں تم ہی، واہ آہل جس طرح کا تمہارا ابھیجا ہے مجھے نہیں یقین تھا کہ تم اتنی اچھی لڑکی ڈھونڈ لو گے۔"

شمائلہ بیگم زی کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے بولیں۔

"ہونہہ...ابھی اس بھولی بھالی کے کرتوت نہیں پتا آپ کو۔"

آہل بس سوچ ہی سکا۔

"دادو وہ...وہ مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے پہلے۔"

آہل نے سنجیدگی سے دادو کو مخاطب کیا۔

"ارے بتاؤ پھر، اب کیا دعوت نامہ بنواؤں۔"

دادو بغیر سنجیدگی کے بولیں۔

"وہ...یہ لڑکی...یہ لڑکی زویا ہے۔"

آہل نے زویا کی طرف اشارہ کیا۔

شمائلہ بیگم کا دل زور سے دھڑکا تھا، کیا آہل نے زویا کہا تھا۔

"اچھا تو اس لڑکی کا نام بھی زویا ہے۔" شمائلہ بیگم کو لگا شاید انہیں ہی غلط فہمی ہو رہی ہے۔

زویا صائم کی ڈانٹ پر بس منہ پھلائے اور سر جھکائے کھڑی تھی۔

"نہیں دادو... یہ ہماری زویا ہی ہے، زویا احمد بٹ۔"

آہل نے شمائلہ بیگم کے سر پر ایک دم سے پہاڑ توڑا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم آہل، یہ کیسے... مطلب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

شمائلہ بیگم شاک ہو کر بولیں تھیں۔

"دادو! یہ ہو گیا ہے، زویا مجھے ادھر ہی میامی میں ملی تھی۔"

پھر آہل نے الف سے ے تک ساری کہانی دادو کو سنا دی، زی کی چوری والی اور اسے گھر میں زبردستی رکھنے والی بات وہ گول کر گیا، آہل نے بس اتنا کہا تھا کہ اسے زی پہلی نظر میں ہی پسند آ گئی تھی، اور اس نے اسے پرپوز کر دیا۔

آہل کی گھڑی ہوئی آدھی جھوٹی اور آدھی سچی کہانی سنانے پر زی نے حیرت سے آہل کو دیکھا تھا۔

"ہائے میری بچی مل گئی تم، ہائے نی ماں صدقے جائے، امماہ امماہ امماہ۔"

شمائلہ بیگم فوراً سے زویا کے پاس گئی تھیں اور ایک ساتھ ہی اس کے سر پر کئی چومیاں دے ڈالیں۔

"ہاں دادو، وہی تو میں کہہ رہی تھی کہ آپ نے اپنے آپ کو ہی گدھا کہہ دیا۔"

زویا نے بچارگی سے منہ بناتے انہیں یاد دلایا۔

"ارے تب مجھے کونسا پتا تھا کہ تم کسی حسینہ کی اولاد ہو۔"

دادو گردن کڑا کر بولیں۔

"آپ روئیں گی نہیں میرے ملنے پر۔" زویا کو بہت اہم بات یاد آئی تو پوچھ لیا۔

"ارے میں نہیں رو سکتی، میرا میک اپ خراب ہو جائے گا نہ۔"

شمائلہ بیگم نے بیچارگی سے اپنے چہرے پر آہستہ سے ہاتھ رکھتے کہا۔

"آااں، کوئی بات نہیں دادو۔" زویا نے ان کے گال کھینچے۔

"اچھا چلو اب مجھے اس بچی کا نام تو بتاؤ اور تعارف بھی کرواؤ میرا۔"

شمائلہ بیگم زی کی طرف اشارہ کرتے بولیں۔

"یہ زی ہے اور اس کا اصل نام زعیمہ ہے، لیکن پیار سے ہم لوگ اسے زی کہتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ میری بہن ہے، میرے ماما بابا سب کچھ ہے یہ میرا۔"

زویا پیار سے زی کو دیکھتے ہوئے بولی، اس کے ہر الفاظ میں زی کے لیے محبت ہی محبت تھی، وہ اتنی محبت شاید آہل سے بھی نہیں کرتی تھی جتنی کہ زی سے۔

"ہائے نی میں صدقے جاؤں اپنی بچی کے۔"

شمائلہ بیگم نے زی کے دونوں گال چومتے کہا۔

وہاں کھڑے سب لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئ تھی، زی نے بھی مسکرا کر شمائلہ بیگم کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں اچانک ہی کچھ چمکا تھا جسے اس نے فوراً سے آنکھیں جھپکا کر غائب کیا تھا۔

"دادو! مجھے بھی تو کسی دیں ایک۔"

زویا نے گال آگے کرتے ہوئے کہا۔

دادو نے مسکرا کر اس کے بھی دونوں گال چوم لیے۔

"چلو! اب میں آگئی ہوں نہ، اب تم لوگوں کے ساتھ ہی واپس اسلام آباد جاؤں گی، ویسے اب تم لوگوں نے کب جانا ہے پاکستان؟"۔

شمائلہ بیگم نے آخر میں سوال کیا۔

"ایک مہینہ تو لگے گا ہی، کیونکہ زی اور زویا کا پاسپورٹ نہیں بنا ہوا تھا، ابھی وہی بننے دیا ہوا ہے، جب بھی آئے گا ہم لوگ پاکستان روانہ ہو جائیں گے۔"

آہل نے تفصیل بتائی۔

"چلو ٹھیک ہے، تب تک میں تم لوگوں کی شادی کے لیے ڈانس کی تیاری کرلوں گی اپنے اُس پسندیدہ گانے پر، لیاندا تیرے لئے اوہ ریشمی رومال۔"

دادو نے شرمانے والے انداز میں کہا تو وہاں کھڑے سب لوگوں نے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا سوائے ہماری زویا کے، اس نے فوراً سے نیچے لیٹ کر پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پھر سے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

"دادو! رکیں مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے زی کے بارے میں۔"

دادو اپنے کمرے میں داخل ہونے ہی لگی تھیں کہ زویا نے انہیں روک لیا۔

"اچھا زعیمہ کے بارے میں، چلو ٹھیک ہے پھر اندر کمرے میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

دادو نے کہا، پھر دونوں ہی کمرے میں داخل ہو گئیں اور کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"ہاں بولو کیا بات کرنی ہے تمہیں زی کے بارے میں؟"۔

دادو اب پوری طرح زویا کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

"وہ دادو جوزی ہے نہ وہ ایک چور ہے، اب سے نہیں بلکہ پچھلے دس سال سے، پہلے تو وہ صرف چھوٹی چھوٹی چوریاں کرتی تھی پر پچھلے پانچ سال سے اس نے بڑی بڑی چوریاں بھی کرنی شروع کر دیں، آپ کو شاید میری باتوں پر یقین نہ ہو لیکن یہی سچ ہے، میامی میں جتنی بھی آئے دن چوریاں ہوتی رہتی ہیں وہ زی ہی کرتی ہے، آپ نے نام تو سنا ہی ہو گا اس چور کا جوزی کے نام سے مشہور ہے۔"

زویا نے آدھی بات بتا کر دادو کو دیکھا جو حیرت سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"تم... تم ایک چور کے ساتھ پچھلے دس سال سے رہ رہی ہو۔"

شمائلہ بیگم صدمے سے بولیں۔

"لیکن، دادو! یہ صرف کہانی کا ایک رُخ ہے جو کہ بھائی اور صائم جانتے ہیں، اور ابھی میں نے آپ کو بھی بتایا، مجھے بھی کل تک اس کہانی کا صرف ایک رُخ ہی پتا تھا، لیکن کل رات اس کہانی کا دوسرا رُخ بھی مجھے معلوم ہو گیا۔"

زویا کی باتیں شمائلہ بیگم کو بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہی تھیں اس لیے وہ بول پڑیں۔

"زویا مجھے ٹھیک طرح سے بتاؤ کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو۔"

"دادو زی نے"...

زویا جیسے جیسے دادو کو بتاتی جارہی تھی شمائلہ بیگم بے یقینی سے زویا کو دیکھتی جارہی تھیں۔

"سویٹی! کدھر جارہی ہو یار؟"

زی کچن کی طرف جارہی تھی جب آہل نے اسے پیچھے سے آواز دے کر پوچھا۔

"جہنم میں جارہی ہوں، آجائیں اگر آپ نے بھی جانا ہے تو۔"

زی بلکل سنجیدگی سے بولی تھی۔

"اچھا پھر تم اکیلی ہی جاؤ، کیونکہ ایک چور کی جگہ وہیں ہوتی ہے۔"

آہل کو شاید نہیں معلوم تھا کہ سامنے والے کے دل پر اس نے خنجر کی طرح وار کیا تھا۔

زی نے اپنی سرمئ آنکھوں سے ایک نظر آہل کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا اور مڑ کر کچن کی طرف بڑھ گئ یہ جانے بغیر کہ اپنی اس ایک نظر سے وہ سامنے والے کے دل پر حشر برپا کر چکی تھی۔

آج اس لڑکی کی آنکھوں میں پہلے کی طرح ویرانی نہیں تھی، آج اس لڑکی کی آنکھوں میں اسے اذیت دکھائی دی تھی، بے انتہا اذیت۔ بے انتہا درد۔ جس نے اس کے دل کو مانو چیر دیا تھا۔

لیکن کیسا درد تھا وہ، اس کے ہر ایک الفاظ میں چھپے طنز کا یا پھر... یا پھر اپنے ہی شوہر کے کیے جانے والے طنز کا، جس سے وہ شاید........ شاید محبت۔

"اِدھر آؤ، زویا! تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔"

صائم پول کے پاس کھڑا زویا سے کہہ رہا تھا جو کہ باہر آنے ہی لگی تھی کہ صائم کو دیکھ کر منہ پھلائے واپس سے اندر جانے لگی۔

زویا کے اندر جاتے قدم صائم کی آواز پر رُکے تھے۔

"کیا ہے؟ مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی، تم بہت بُرے ہو۔"

زویا نے اپنا رُخ صائم کی طرف موڑ کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کیوں ناراض ہو تم مجھ سے؟"

صائم نے انجان بنتے ہوئے کہا جیسے کہ اسے سچ میں نہیں پتا۔

"تم میری کوئی بات نہیں مانتے، اگر کل زی کا ہاتھ توڑ دیتے بھائی تو... تو پھر میں کیا کرتی۔"

زویا نے رونے والی شکل بنائی۔

"اچھا ادھر تو آؤ۔"

صائم نے اسے اپنے پاس بُلایا، زویا بھی منہ پھلائے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"اچھا اب ناراض تو نہ ہو۔"

صائم نے اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھ لگتے ہی زویا کو پتا نہیں کیوں رونا آنے لگا اور پھر وہ رونے ہی لگ گئ۔

"کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو؟"

صائم نے اس کے رونے پر حیرت سے پوچھا۔

"تم بہت... بہت بُرے ہو اس لیے۔"

زویا روتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"اور کچھ؟"

صائم شاید اپنی اور بھی بُرائیاں سننا چاہتا تھا۔

"تم... تم مجھے گھورتے بھی گندے طریقے سے ہو۔"

"اور کچھ؟"

"تم میری بات بھی نہیں مانتے، تم نے میرے کہنے پر زی کا بازو بھی نہیں چھڑوایا بھائی سے۔"

"اور؟"

"اور تم ہر طریقے سے بُرے ہو۔"

"اور؟"

"اور کیا اب میں تقریر لکھ دوں آپ کی شان میں؟" زویا صائم کے اور بھی زیادہ "اور" بولنے سے تنگ آکر اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"لکھ دو۔"

صائم نے کندھے اچکائے۔

"صائم!" زویا نے آنسو بہاتے اس کا نام پکارا، جیسے کہہ رہی ہو کہ میرے مذاق کو سیریس ہی لے گئے تم تو۔

"اچھا ٹھیک ہے اب رو تو نہ۔"

صائم نے اپنی ہتھیلی سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"تم نے مجھے کچھ دکھانا تھا۔"

زویا نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں، میں نے تمہیں ایک جادو دکھانا ہے، تم اس پول کا پانی دیکھ رہی ہو؟"

صائم نے پول کی طرف اشارہ کرتے کہا تو زویا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ابھی تو اس پول میں پانی ہے، لیکن جب تم آنکھیں بند کرو گی میرے دس گننے تک، تب تک یہ پانی میں غائب کر دوں گا۔"

آہاہ، کیا وہ ایک جادوگر تھا جو ایسی باتیں کر رہا تھا۔

"ہی ہی ہی مجھے کیا پاگل سمجھ رکھا ہے؟"

"بے شک"!

اس کے اس طرح کہنے پر زویا کو فوراً سے زی یاد آئی۔

"توبہ، پہلے زی کم تھی جو اب یہ بھی شروع ہو گیا۔"

زویا صرف سوچ ہی سکی اور بولی تو صرف اتنا۔

"صائم! تم اب مجھے دکھا بھی دو جادو۔"

"اوکے اپنی آنکھیں بند کرو اور تب تک اپنی آنکھیں نہ کھولنا جب تک کہ میں دس تک نہ گن لوں۔"

صائم بولا تو زویا نے جھٹ سے اپنی آنکھیں بند کی، آخر اسے بھی تو دیکھنا تھا نہ جادو... بچاری پاگل سی زویا سچ۔

"ایک... دو... تین... چار... پانچ... چھ... سات... آٹھ... نو... دس... اب تم کھول سکتی ہو اپنی آنکھیں۔"

صائم نے آہستہ آہستہ دس تک گنا اور زویا کو آنکھیں کھولنے کے لیے کہہ دیا زویا نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں تو یہ کیا... پول میں پانی سچ میں نہیں تھا، پانی غائب ہو چکا تھا، زویا نے اپنی آنکھوں کو مسل کر دوبارہ سے کھولا تو پانی تب بھی نہیں تھا۔

"صائم! یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

زویا نے بے یقینی سے پوچھا۔

"میجک"!

صائم نے ایک آنکھ دبا کر کہا، زویا کو پھر سے زی یاد آئی۔

"صائم! تم تو بلکل زی کی طرح ہو، اس کی باتیں کیا کم تھیں جو تم بھی شروع ہو گئے۔"

اس بار زویا بول ہی پڑی تو صائم ہنس دیا، ان کی باتیں ایک جیسی نہیں تھیں دراصل زویا ہی پاگل تھی، پول میں پانی اس لیے نہیں تھا کیونکہ آج پول کی صفائی ہونی تھی اور صائم

نے پول کے پانی کا سمندر تک جانے والا راستہ کُھلوا دیا تھا، اور اب وہ پانی سمندر میں جا چکا تھا چونکہ آدھا پانی پہلے ہی سمندر میں آہستہ آہستہ جا چکا تھا اور صائم نے گنتی بھی آہستہ آہستہ کی تھی تو باقی بچا ہوا پانی بھی سمندر میں چلا گیا تھا، اب زویا ہی پاگل تھی تو وہ بچارا کیا کر سکتا تھا۔

"صائم! پلیز بتا دو نہ کہ تم نے پانی کیسے غائب کیا؟"

زویا تب سے ہی صائم کے پیچھے پیچھے تھی اور اس کا سر کھا رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے کیوں صائم کو تنگ کر رہی ہو؟" ز

ی جو لاؤنج میں بیٹھی ریموٹ ہاتھ میں لیے نیوز دیکھنے میں مصروف تھی زویا کو صائم کے پیچھے بھاگتے اور اس کا سر کھاتے دیکھ تنگ آ کر بول ہی پڑی۔

"زی! آج صائم نے مجھے پول کا پانی غائب کر کے دکھایا اور اب وہ مجھے بتا نہیں رہا کہ اس نے پانی کیسے غائب کیا۔"

صائم بھی زویا سے تنگ آکر صوفے پر بیٹھ چکا تھا اور صائم کو بیٹھتے دیکھ زویا بھی دھپ سے زی کے ساتھ بیٹھ گئی۔

زی نے ایک نظر صائم کو دیکھا تو اس نے اشارے سے بتایا کہ آپ کی بہن ہے ہی پاگل، زی کو بھی سمجھنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگا تھا کہ پول کا پانی کہاں گیا اور اس کی بہن کا دماغ کہاں۔

پول کا پانی تو خیر سمندر میں جا چکا تھا لیکن بیچاری زویا کا دماغ ہی اس خالی پول میں اٹکا ہوا تھا، اس کا دھیان صرف خالی پول پر تھا، پانی کی طرف تو اس کا دھیان ہی نہیں گیا، اور ہر بار انسان یہی چیز سمجھنے میں تو غلطی کر دیتا ہے... وہ صرف کہانی کا ایک رُخ جان کر کہانی کو ختم کر دیتا ہے، دی اینڈ کر دیتا ہے اور اسی کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے، وہ کہانی کا دوسرا رُخ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتا اور نہ یہ سمجھتا ہے کہ ہر کہانی کہ دو رُخ ہوتے ہیں، جیسے کہ ایک جادوگر کی ہی مثال لے لیں، وہ جادوگر کے لوگوں کو دکھاتا تو ہے لیکن اس پورے جادو کا صرف ایک رُخ وہ لوگوں کو دکھاتا ہے، جادو کا دوسرا رُخ صرف وہی جانتا ہے اور لوگ اس جادو کا صرف ایک رُخ دیکھ کر ہی اس جادو کا یقین کر لیتے ہیں، لیکن اگر انہیں جادو کا دوسرا رُخ بھی معلوم ہو جائے گا تو وہ جادو رہے گا ہی نہیں، اسی طرح اگر انسان کو کہانی کا دوسرا رُخ معلوم ہو جائے تو وہ کہانی ویسی

بلکل بھی نہیں رہے گی... جیسے کہ زی۔اس کی کہانی کہ بھی دو رُخ ہیں لیکن جو لوگ اس کی کہانی کا صرف ایک رُخ جانتے ہیں وہ اسے غلط ہی سمجھتے ہیں،اور جو بھی اس کی کہانی کا ایک رُخ جان جائے گا وہ بھی اسے غلط ہی سمجھے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کو بھی اس کی کہانی کا دوسرا رُخ معلوم ہو گیا تو کیا پھر بھی وہ ان کی نظر میں غلط رہے گی؟ کیا پھر بھی اس کی کہانی ویسی ہی رہے گی؟

"زعیمہ بیٹا! تم زرا مجھے ریموٹ دو، میں تمہیں اپنے پاکستان کے گانے سناتی ہوں۔"

شمائلہ بیگم اپنے کمرے سے باہر آئیں تو ان تینوں کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھ ان کی طرف ہی آ گئیں اور زی سے ریموٹ لے کر سی-ڈی پلیئر کی طرف بڑھ گئیں پھر اس میں پتا نہیں کونسی سی-ڈی ڈال کر وہ زی کے پاس ہی بیٹھ گئیں،اب زی شمائلہ بیگم اور زویا کے درمیان میں تھی،زویا نے بہت دلچسپی سے LED کی طرف دیکھا،آخر اسے بھی اپنی دادو کے پسندیدہ پاکستانی گانے سننے تھے۔

صائم تو خیر جانتا تھا اپنی نانو کی پسند کو اب وہ زویا اور زی کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا نانو کے پسندیدہ گانوں پر،اس لیے اب اس کی توجہ LED کے ساتھ زویا اور زی کے چہروں پر بھی تھی۔

شمائلہ بیگم نے اپنا پہلا پسندیدہ گانا لگایا۔

لیاندا تیرے لئی، اوہ ریشمی رومال

لیاندا تیرے لئی، اوہ ریشمی رومال

وے اُتے تیرا ناا کڈیا

وے میں کڈیا اے چاواں نال

لیاندا تیرے لئی، اوہ ریشمی رومال

یہ گانا سنتے ہی زویا اور زی کے تاثرات ایسے تھے جیسے انہیں کسی کڑوی چیز کا ذائقہ چکھا دیا ہو، صائم تو ان کے تاثرات دیکھ کر بڑی ہی مشکل سے اپنا قہقہہ روکے ہوئے تھا۔

"اوہو و، بڑے گانے سنے جا رہے ہیں، دادو"!

آہل اپنے کمرے سے ابھی ابھی ہی آیا تھا اور اب صائم کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے شمائلہ بیگم سے کہہ رہا تھا۔

"ارے، آہل! میں تو ان دونوں لڑکیوں کو اپنے پسندیدہ گانے سنا رہی ہوں، مجھے پتا ہے ان کو بھی یہ گانا بہت پسند آیا ہو گا جس طرح تمہیں اور صائم کو پسند ہے۔"

دادو نے خوش ہوتے ہوئے کہا جبکہ زی اور زویا نے آہل اور صائم کو اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں۔

"لائک سیر یسلی"!

"ہاں، زویااورزی! دادو کی پسند بہت اچھی ہے، اور جو دادو کی پسند وہی ہماری پسند، کیوں دادو؟"

آخر میں آہل نے شمائلہ بیگم سے تائید چاہی۔

"بلکل، تم دونوں کو پتا ہے پاکستان میں ہر اتوار کو یہ دونوں میرے ساتھ بیٹھ کر میرے پسندیدہ گانے سنتے اور میری پسندیدہ فلمیں دیکھتے وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر۔"

شمائلہ بیگم نے فخریہ انداز میں بتایا، صائم اور آہل دانت پر دانت جما کر جیسے زبردستی مسکرائے تھے کیونکہ ان کی آنکھو کے سامنے وہ منظر گھوم چُکا تھا جب ہر اتوار کو وہ شمائلہ بیگم کے ساتھ بیٹھ کر گانے سنتے تھے اور فلمیں دیکھتے تھے، اور وہ منظر کچھ یوں تھا کہ... لاؤنج میں مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا، دادو سامنے چلتی LED پر کسی فلم کے گانے پر ہاتھوں سے اشارے کر کے ناچ رہی تھیں، آہل بچارا صائم کے کندھے پر سر رکھے تھکی آنکھوں سے سامنے LED کی طرف دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ پاپ کارن بھی ٹھوس رہا تھا، اور بچارا صائم... صائم آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے صوفے سے ٹیک لگائے سو رہا تھا، تاکہ نانو کو پتا ہی نہ چلے... جھٹ سے وہ منظر آہل اور صائم کی آنکھوں سے دھوئیں کی طرح غائب ہو گیا، ان دونوں نے اکٹھے ہی جھرجھری لی وہ

منظر یاد کر کے، وہ کیسے اتوار کا دن بھول سکتے تھے جب وہ شمائلہ بیگم کی خوشی کی خاطر اپنا سارا دن اس عذاب میں گزارتے تھے۔

"اچھا! اب میں تمہیں اپنا اگلا پسندیدہ گانا سناتی ہوں، ٹھیک ہے۔"

دادو نے کہا اور پھر کیا تھا لگا دیا اگلا گانا بھی، اس گانے میں پتا نہیں پہلے تو وہ سِنگر کن کن الفاظ کا چناؤ کر کے بولتا رہا پورے دو منٹ تک اور پھر اس سِنگر نے گایا بھی تو کیا گایا آہاہ۔

میں وی سرائیکی، میرا ڈھولا سرائیکی،

میں وی سرائیکی، میرا ڈھولا سرائیکی،

سچا کریں دا مینو پیار نی،

ویکھاں جو اونُو میری ٹھر دیاں انکھیاں،

ویکھاں جو اونُو میری ٹھر دیاں انکھیاں،

دنیا تو سونا میرا یاا ر نی،

اوہ میں وی سرائیکی میرا ڈھولا سرائیکی،

میں وی سرائیکی میرا ڈھولا سرائیکی،

یہ گانا سُن کر زویا اور زی تو مکمل سناٹے کا شکار ہو چکی تھیں جبکہ آہل اور صائم گلا پھاڑ کر ہنسنے لگا، اور دادو کی تو خیر ٹھمکا لگانے کی ہی کثر رہ گئی تھی۔

وسے پئی رُوہی نال رُوہی دے واسی،

اوہ وسے پئی رُوہی نال رُوہی دے واسی،

مِٹھے بولیندے نے بول نی،

منگاں دُعاواں میں تو دور نئیں ہووے،

منگاں دُعاواں میں تو دور نئیں ہووے،

روّے میری انکھیاں دے کول نی،

میں وی سرائیکی میرا ڈھولا سرائیکی،

میں وی سرائیکی میرا ڈھولا سرائیکی،

ایک تو گانا ہی انوکھا تھا اوپر سے بوفرز کی دھوم نے بھی پنکھ لگا دیے تھے گانے کو جو اُڑ اُڑ کر زویا اور زی کے کانوں میں دھوم دھمال مچا رہے تھے۔

"یہ کونسی زبان ہے دادو، اُردو اور پنجابی تو یہ بلکل بھی نہیں لگتی۔"

زویا نے جیسے سکتے کی حالت میں پوچھا تھا۔

"ارے یہ تو سرائیکی زبان کا گانا ہے، تمہیں نہیں پتاان ہی گانوں کی تو اصل دھوم ہوتی ہے، جیسے میں وی سرائیکی میرا ڈھولا سرائیکی کی دھوم ہے۔" آہااہ کیا انداز تھا دادو کا بلکل ہی قاتلانہ... قتل ہی تو کیا تھا دادو نے ان دونوں کی دلچسپی کا۔

"تُم رکو زرا میں تمہیں اس سے بھی اچھا اور زبردست گانا سناتی ہوں، اس گانے کی تو صرف تم دونوں فین ہوئی ہو گی اگلے گانے کی تم فین، ٹیوب لائٹ، فریزر سب کچھ ہو جاؤ گی۔"

دادو نے کہتے ساتھ ہی اگلا گانا لگا دیا، زویا اور زی بھی دل تھام کر اگلے گانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

آہل اور صائم کے بھی اب آپ لوگوں کو میں کیا حال بتاؤں، صائم اور آہل تو بس صوفے سے گرنے والے ہوئے پڑے تھے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر، کیونکہ اب ان دونوں کی جان تو چھوٹ جانی تھی لیکن زویا اور زی کی جان عذاب بننے والی تھی، گانوں کی تیز آواز کی وجہ سے ان کی ہنسی کی آواز کہیں دب کر ہی رہ گئی تھی۔

اگلا گانا بھی شروع ہو چکا تھا جس میں سِنگر نے پہلے تو بہت ہی لمبی تقریر کی، زی اور زویا کو تو وہ تقریر ہی لگی تھی جتنی کہ بڑی وہ کر رہا تھا، لیکن داد و تو اس کی تقریر میں واہ واہ ہی کر رہی تھیں، دو منٹ کی تقریر کے بعد ہی آگے سے اس گانے نے اپنی دھوم مچانا شروع کی۔

لوہے دا چِمٹا چِمٹا، وے لوہے چِمٹا چِمٹا

وے لوہے دا چمٹا چمٹا وجدا و نگ مالی

"زی یہ آدمی کیا کہہ رہا ہے؟ یہ چمٹا کیا ہوتا ہے؟" زویا زی کے کان میں گھس کر پوچھ رہی تھی کیونکہ اسے زیادہ پتا ہوتا ہے۔

"زویا! مجھے لگتا ہے کہ وہ اپنی زبان میں چمٹا چیونٹی کو کہہ رہا ہے۔" زی نے آج زندگی میں پہلی دفعہ... پہلی دفعہ بلکل غلط اندازہ لگایا تھا، آہل جو ان کی بات سننے کے لیے صوفے کے قریب آگیا تھا اس کو تو یہی لگا تھا، اور جب اس نے صائم کو یہ بات بتائی تو دونوں پھر سے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

"زی ! تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔"زویا نے سر ہلا کر جیسے زی کی سمجھداری کو داد دی، جسے خود نہیں پتا تھا اس نے تکا ہی غلط لگایا ہے، لو ہے کی بھی انہیں سمجھ آگئی تھی اور ''دا'' کی تو انہیں بہت اچھے سے سمجھ آئی تھی کیونکہ وہ انکی قومی زبان انگریزی کا ہی تو الفاظ تھا... ''The'' آج تو زویا اور زی دونوں کی عقل نیلے آسمان پر پہنچی ہوئی تھی۔

صائم اور آہل کے جب ہنس ہنس کر پیٹ میں درد ہونے لگ گیا تو دونوں ہی پتلی گلی سے وہاں سے نکل لیے، کیونکہ کمرے میں جا کر انہیں ابھی اور بھی زیادہ زور سے ہنسنا تھا، اگر اب انہیں دادو اس طرح ہنستے دیکھ لیتیں تو دونوں کی ہی خیر نہیں تھی۔

زویا اور زی تو ابھی بھی اس گانے کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں اور غلط تکے لگا ایک دوسرے کو سراہ بھی رہی تھیں۔

گانے تو ان دونوں کو ویسے ہی پسند نہیں تھے، انگریزی گانے تو انہیں ہمیشہ زہر لگتے تھے، اس معاملے میں ان دونوں کی پسند ایک سی تھی، لیکن انہیں یہ نہیں پتا تھا کہ زبان جیسی بھی ہو گانا تو گانا ہی ہوتا ہے، اور اب وہ پُر سکون طریقے سے اس گانے کی ٹانگیں توڑ رہی تھیں۔

زویا زی کو نورانی قاعدہ پڑھا رہی تھی، اس کے بعد ہی اس نے اسے نماز یاد کروانی تھی اور پھر قران کو پڑھنا اور سمجھنا بھی سِکھانا تھا، تین دن میں ہی وہ نورانی قاعدہ ختم کرنے کے قریب تھی، زویا نے بھی نو سال پہلے ہی مِس فاطمہ سے قران پاک پڑھنا سیکھا تھا، اب آپ یہ سوچ رہے ہونگے کہ مس فاطمہ کون تھیں؟ ان کی کیا تھیں؟ تو وہ آپ کو آگے جا کر پتہ چل ہی جائے گا۔

زی بہت خوش تھی کہ وہ نورانی قاعدہ ختم کرنے کے بعد نماز سیکھے گی اور زویا کی طرح پھر وہ بھی ساری نمازیں پڑھا کرے گی، ایک خوش کن سا احساس اس کے اندر پیدا ہو رہا تھا۔

"زی تم نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ تم نکاح سے ایک دن پہلے گھر کیسے گئی تھی اور میری الماری میں سے قران پاک، نماز اور نورانی قاعدہ کیسے لے کر آئی تھی، تمہیں گارڈز نے دیکھا نہیں تھا کیا؟"

زویا نے یاد آتے ہی پوچھا۔

"تم جانتی ہو میں کیا ہوں پھر بھی تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔" زی نے ابرا چکاتے کہا۔

"نہیں، اگر اتنی سیکیورٹی کے باوجود تم گھر جا سکتی ہو تو تم مجھے پہلے ہی دن کیوں نہیں لے کر بھاگی یہاں سے، تمہیں پتا تھا کہ بھائی کو پتا چل گیا ہے کہ تم کیا ہو پھر بھی تم کیوں نہیں بھاگی؟"

زویا نا سمجھی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں چاہتی تو پہلے ہی دن تمہیں یہاں سے لے کر بھاگ جاتی، لیکن مجھے اس دن ایک بات نے چونکا دیا تھا، جس کی وجہ سے شدید غصے کے باوجود میں یہاں سے نہیں بھاگی۔"

زی نے اس کی سبز آنکھوں میں اپنی سرمئی آنکھیں گاڑھتے کہا۔

"ایسی کونسی بات تھی جس نے تمہیں چونکا دیا تھا؟"

زویا نے پوچھا تو زی ہلکا سا مسکرائی۔

"نام... آہل اور تمہارے نام نے مجھے اس دن چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

اب زویا چونکی تھی۔

"زی! مطلب کہ... مطلب کہ تم شروع دن سے جانتی تھی کہ وہ میرے بھائی ہیں۔"

زویا بے یقینی سے کہہ رہی تھی۔

"بے شک، لیکن تب مجھے صرف پچاس فیصد یقین تھا کہ تم ان کی بہن ہو لیکن پچاس فیصد ابھی مجھے پتہ لگانا تھا، اس لیے اس دن میں تمہیں لے کر بھاگی نہیں تھی، اس دن جب صائم۔ گھر آیا تھا اور جب میں نے اس کے بوس کا نام پوچھا تو اس نے آہل احمد بٹ نام بتایا تھا ہمیں، اور احمد بٹ پر آ کر میں چونک گئی تھی، اوپر سے تم جب یتیم خانے میں پہلی دفعہ آئی تھی تب تم نے بھی مجھے یہی بتایا تھا کہ تمہارا ایک بھائی آہل تھا اور ایک کزن صائم، تمہیں پتہ ہے تم نے اُمید ہی چھوڑ دی تھی کہ تمہیں لینے کبھی کوئی آئے گا، یا تمہیں کبھی کوئی ڈھونڈ لے گا، لیکن مجھے اُمید تھی، مجھے اُمید تھی کہ تمہیں ایک نہ ایک دن کوئی ڈھونڈ لے گا لیکن میں... میں تو شروع دن سے یتیم تھی اور مجھے آگے کی بھی یہی اُمید ہے کہ میں یتیم ہی رہوں گی۔"

وہ آخر میں پھیکا سا مسکرائی تھی۔

"نہیں، زی! ایسی بات نہیں ہے، اب تم یتیم نہیں رہی، تم مجھے پہلے تو انجان کہہ سکتی تھی لیکن اب... اب تم مجھے نہ انجان کہہ سکتی اور نہ ہی اپنے آپ کو یتیم، کیونکہ تم اب میری بھابھی بن چکی ہو، اب میرا اور تمہارا بھی ایک رشتہ ہے نند اور بھابھی کا رشتہ اور نہ ہی اب تم یتیم رہی ہو کیونکہ اب تمہیں چار چار رشتے مل چکے ہیں، شوہر کا رشتہ جو کہ سب سے مضبوط رشتہ ہوتا ہے، دادو کا رشتہ، اب وہ ہمارے ساتھ تمہاری بھی تو دادو

ہیں، صائم جیسے بھائی کا رشتہ، جو تمہارے ساتھ احترام سے پیش آتا ہے، وہ تم سے پانچ سال بڑا ہے، لیکن میں نے یہ بات بہت نوٹ کی ہے کہ وہ تم سے بڑا ہو کر بھی تمہیں اپنی بڑی بہنوں جیسا سمجھتا ہے، کیا تمہارے لیے یہ سب کافی نہیں، کیا تمہارے لیے میں کافی نہیں؟"

زویا کو دُکھ ہوا تھا زی کی سوچ پر۔

"کب تک؟ کب تک یہ رشتے رہیں گے جو کہ صرف نام کے ہیں، جس شوہر کی تم بات کر رہی ہو تمہیں نہیں یاد کہ اس نے نکاح مجھ سے کس وجہ سے کیا ہے، صرف اور صرف اپنے فائدے کے لیے، اس نے مجھے بیوی نہیں ایک ورکر بنایا ہے، میری اوقات تو ایک نوکر سے بھی بدتر ہے، اور ایک دن جب اسے لگے گا کہ میں اس کے کسی کام کی نہیں رہی، وہ مجھے اس گھر سے نکال دے گا، وہ مجھے طلاق دے دے گا یا پھر مار ہی دے گا اور میں چاہتی بھی یہی ہوں کہ وہ مجھے طلاق دینے اور گھر نکال دینے سے اچھا ہے کہ مار ہی دے، یہ یتیمی تو ختم ہو گی میری۔"

زی کے الفاظ تھے کہ کیا، زویا تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

"اللہ نہ کرے، ایسے نہیں کہو زی، مجھے پکا یقین ہے کہ انہیں ایک نہ ایک دن تم سے محبت ضرور ہو جائے گی، اگر وہ تمہیں گھر سے نکالیں گے تو وہ ہی واپس لائیں گے، وہ

تمہیں گھر سے تو نکال سکتے ہیں لیکن کبھی تمہیں طلاق نہیں دیں گے وہ، تمہیں مارنے سے پہلے وہ خود مر جائیں گے لیکن تمہیں... تمہیں وہ کبھی بھی نہیں مار سکتے۔"

زویا کی آنکھوں میں زی کو آہل پر حد سے زیادہ یقین نظر آرہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے زویا تم بہت معصوم ہو، تمہیں اپنے بھائی پر یقین ہو سکتا ہے لیکن مجھے اپنے شوہر پر نہیں، میں ہمیشہ سے یتیم تھی، ہوں اور رہوں گی بھی... میں محبت کی عادی نہیں ہوں، کیونکہ شروع دن سے کسی کی بھی محبت مجھے میسر نہیں ہوئی۔"

زی اپنے اندر چھپے درد کو اپنے الفاظ کے ذریعے باہر لارہی تھی شاید۔

"زی! مجھے تم سے محبت ہے، تم ایسے نہ کہو بلکل بھی۔"

زویا کو تکلیف دے رہے تھے اس کے الفاظ۔

"زویا! پلیز زاب اس ٹاپک پر مجھ سے بات نہ کرو۔"

زی نے بات ہی ختم کرنا چاہی... زویا بس افسوس سے زی کو دیکھتی رہ گئ۔

دروازے کے اس پار کمرے کے باہر کھڑی اُس شخصیت نے ان کی باتیں سُن کر اپنا وہ واحد آنسو صاف کیا جو ان کی باتوں پر اچانک ہی آنکھ سے نکل کر بہہ گیا تھا۔

"آہل وہ"......

صائم آہل کے کمرے میں داخل ہوا تو آہل لیپ ٹاپ پر کچھ کام کرنے میں مصروف تھا، صائم اسے آفس کی کسی فائل کے بارے میں پوچھنے آیا تھا کہ منہ کھولتے اچانک ہی اس کے منہ سے آہل نکل گیا، لیکن ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا بول گیا ہے اس لیے فوراً سے ہی اپنی زبان کو بریک لگا لی۔

صائم کے منہ سے اپنا نام سُن کر آہل کا دل کیا کہ وہ لڈیاں ڈالنا شروع کر دے، اسے تو ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے محبوب نے مدتوں بعد جا کر اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔

"صائم! یار اماہ، میں صدقے واری جاؤ اپنے یار کے، تم آج مجھے کوئی بڑے ہی پیارے لگ رہے ہو قسم سے، زرا ایک بار پھر سے میرا نام بول دو...ہائے کوئی بڑا ہی اچھا لگ رہا ہے تمہارے منہ سے میرا نام۔ ایک دم گرل فرینڈ والی فیلنگ آرہی تھیم "آہل ہوائی بوسے کے ساتھ ساتھ صائم کا صدقہ بھی اتار چکا تھا اور ایک عدد فرمائش بھی کر چکا تھا۔

"سوری، بوس! وہ غلطی سے منہ سے نکل گیا۔"

صائم نے سر جھکا لیا۔ وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔

"رُک جاؤ تم زرا، تمہاری طبیعت تو میں صاف کر لیتا ہوں۔"

آہل کو اس کے پھر سے، بوس، بولنے پر غصہ ہی آگیا اور اب وہ اِدھر اُدھر دیکھتا اسے مارنے کے لیے کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا، اور اسے جو مارنے کے لیے چیز ملی تھی اس سے تو صائم کا سر پھٹ ہی جانا تھا، ٹانگیں اور بازو تو پکا ٹوٹ جانے تھے، آنکھیں تو سو فیصد باہر آ ہی جانی تھی، اور جو چیز آہل نے اسے مارنے کے لیے ڈھونڈی تھی وہ تھا ایک عدد... ایک عدد بال پین۔

اور یہ ماری آہل نے نشانے پر بال پین اور وہ بال پین گئی بھی تو کدھر... صائم کی فرنٹ پاکٹ میں، آہاااہ۔

"تھینک یو، بوس! بہت شکریہ آپ کا، میں اس تحفے کو اپنے دل کے ساتھ ہی لگا کر رکھوں گا ہمیشہ۔"

صائم ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا آہل کا پارہ ہائی کر گیا۔

"صائم! تم رُک جاؤ اب... اب تو میں تمہیں بلکل بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ کہتے ساتھ ہی آہل بیڈ سے اُٹھ گیا اور صائم کے سر پر جا کر کھڑا ہو گیا پھر کیا... پھر بچارے آہل نے صائم کو بیڈ پر ڈھا دیا اور چڑھ گیا اس کے اوپر۔

"اب بتاؤ زرا، میں کون ہوں؟"

آہل نے صائم کو گُدگُداتے کہا۔

"ہاہاہاہا... آپ میرے... ہاہاہا... آپ میرے بوس ہیں... ہاہاہاہا۔"

صائم کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو رہا تھا۔

"میں تمہارے مامے کا بیٹا لگتا ہوں جو تم مجھے بوس کہہ رہے ہو، اس کے علاوہ... اس کے علاوہ میں تمہارا کیا لگتا ہوں؟"

آہل گُدگُداتے ہوئے پھر سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاہاہاہا... آپ میرے... ہاہاہا... اس کے علاوہ آپ میرے مامے کے بیٹے لگتے ہیں... ہاہاہاہاہا۔" صائم کا جواب سُن کر تو آہل کباب کی طرح جل بھُن گیا۔

"اس کے علاوہ اور کیا لگتا ہوں؟"۔

آہل اب اسے آنکھے دکھاتے ہوئے اور گُدگُداتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"آپ میرے بوس... ہاہاہا... آپ میرے بوس لگتے ہیں... ہاہاہا۔"

صائم نے آہل کو مکمل جلا بھُنا کر کوئلہ بنانے کا پلین بنا رکھا تھا شاید۔

"مامے کے بیٹے کو کیا کہتے ہیں؟"

آہل دانت پیس کر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"ہاہاہا... کزن... ہاہاہا۔"

صائم کا منہ ہنس ہنس کر لال ٹماٹر ہوا پڑا تھا۔

"کزن کا نام کیا ہے؟"

آہل آہستہ آہستہ اپنا نام اُگلوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہاہاہاہا...زویا...ہاہا...ہاہاہاہا۔"

صائم خود تو ٹمیٹو کیچپ بن گیا تھا اور آہل جیسے کباب کو اچھے سے بھُنا بھی رہا تھا۔

"زویا کے علاوہ تمہارے کزن کا نام کیا ہے؟"

اب تو آہل کا دل کر رہا تھا وہ منہ ہی توڑ دے صائم کا۔

"ہاہاہا...اللہ جانے...ہاہاہا۔"

توبہ، صائم شاید پاگل ہو چکا تھا۔

"میرا نام کیا ہے؟"

آہل کو لگا کہ اب تو شاید وہ بول ہی دے گا۔

"ہاہاہاہا...پتہ نہیں...ہاہاہا۔"

صائم یہ کہہ کر آہل کے سارے مزے کا بیڑا غرق کر گیا تھا۔

آہل نے صائم کو وہیں چھوڑا اور منہ پھُلائے صوفے پر جا بیٹھا کسی روٹھی حسینہ کی طرح، صائم نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا اور جا کر آہل کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا، آہل؟"

صائم سنجیدگی سے پوچھنے لگا لیکن آنکھوں میں شرارت صاف واضح تھی۔

"مجھے نہیں بات کرنی تم سے، نکل جاؤ یہاں"...

آہل کے ذہن میں جھماکہ ہوا جس کی وجہ سے اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گ ئے، اسے دو سیکنڈ میں یاد آیا تھا کہ صائم نے پھر سے اس کا نام لیا تھا۔

"ہائے میں صدقے جاؤں اپنی جان پر۔"

آہل خوش ہوتے ہوئے صائم کے گال کھینچنے لگا۔

"زرا پھر سے کہو آہل۔"

آہل نے کسی عاشق کی طرح اپنے محبوب سے فرمائش کی۔

"بوس"...!

صائم نے پھر سے اسے چڑایا۔

"پلیزز، صائم! اب میں بلکل سیریس ہوں۔"

آہل نے پھولے ہوئے منہ کے ساتھ کہا۔

"آپ میرے بوس ہیں تو میں آپ کو بوس ہی کہوں گا۔"

صائم نے کہتے ساتھ اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”تم... تم نکل جاؤ یہاں سے بس، اب مجھ سے کبھی بات نہ کرنا، بلکے ابھی اور اسی وقت میں تمہیں جاب سے فائر کرتا ہوں۔“

آہل نے اپنا فیصلہ سنایا۔

”منہ توڑ دوں گا میں تمہارا اگر ایسی بکواس کی تو۔“

صائم، آہل کو اپنے ہاتھ کا پنچ بنا کر دکھاتے کہہ رہا تھا۔

”توڑ دو، تم آج توڑ ہی دو میرا منہ۔“

آہل بھی اپنا منہ آگے کرتے ہوئے بولا۔

صائم کو اس کے چہرے کے تاثرات نے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

”اچھا ٹھیک ہے، اب سے میں تمہیں آہل ہی کہوں گا لیکن“...

آہل اس کے پہلے جملے پر بہت خوش ہوا لیکن اس کے، لیکن، کہنے پر مسکراہٹ اس کے چہرے سے جُدا ہو گئ۔

”لیکن میں تمہیں کام کے وقت بوس ہی کہوں گا۔“

صائم نے گہرا سانس لیتے اپنا جملہ پورا کیا کیونکہ اب وہ بھی تنگ آ چکا تھا آہل کی ناراضگی برداشت کرتے کرتے۔

”اممماہ... کتنے اچھے ہو تم۔“

آہل نے صائم کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا تو صائم دل و جان سے مسکرا دیا۔

"زی! یہ دیکھو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

زویا ہاتھ میں ایک الیکٹرونک چیز لیے کھڑی تھی جس کی تاریں اُلٹ پلٹ ہوئی پڑی تھیں۔

"زویا! یہ... یہ تم نے میرے بیگ سے نکالا ہے نا، دو اِدھر مجھے واپس۔"

زی اس کے ہاتھ میں اپنا مِنی کرنٹ سسٹم دیکھ کر گھبرائی تھی، یہ کرنٹ سسٹم اس نے خود بنایا تھا، لیکن زویا کو اس سسٹم کے ساتھ چھیڑ خانی کرتے دیکھ اس کا دل باہر آنے والا ہو گیا۔

"زویا! میں کہہ رہی ہوں نہ... چھوڑو اس کو، وہ پنگے لینے کی چیز نہیں ہے۔"

زی آگے بڑھی اسے روکنے کے لیے لیکن زویا اس مِنی کرنٹ سسٹم کی تار کو اِدھر اُدھر کرنا شروع ہو چکی تھی، اس نے شاید زی کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"زویا! وہ منی کرنٹ سسٹم ہے، اس طرح کرنے سے تمہیں شاک لگ سکتا ہے۔"

زی چلائی تھی، آہل اور صائم جوان کے کمرے کے باہر سے گزر رہے تھے زی کے چلانے کی آواز سُن کر فوراً سے اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیا ہوا؟ کیوں چلا رہی ہو؟"

آہل نے فکر مندی سے پوچھا۔

"مسٹر آہل! زویا کے ہاتھ میں مِنی کرنٹ سسٹم ہے، وہ کبھی بھی کام کر سکتا اور زویا کو خطرناک حد تک کرنٹ لگ سکتا ہے، زویا نے اس کی تاروں کو ہلایا ہے اس لیے وہ کبھی بھی اپنا کام دکھا سکتا ہے، زویا! پلیز وہ سسٹم مجھے دو۔"

زی کا پورا جسم خوف کی شدت سے کانپ رہا تھا۔

آہل اور صائم نے پھٹی آنکھوں سے زویا کے ہاتھوں میں موجود مِنی کرنٹ سسٹم کو دیکھا۔

"زویا! تمہیں کرنٹ لگ جائے گا۔"

زی کی آنکھیں ضبط سے لال ہو رہی تھیں، اسے لگ رہا تھا وہ ابھی رو دے گی۔

زویا نے ڈر کے مارے پھٹی آنکھوں سے اپنے ہاتھ میں موجود مِنی کرنٹ سسٹم کو دیکھا تھا، اس سے پہلے کہ زویا اس کرنٹ سسٹم کو پھینکتی، ایک زبردست قسم کے کرنٹ کے جھٹکے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا، زویا ایک دم سے ہی نیچے جا گری، زمین پر اس

کا وجود تڑپ رہا تھا، آنکھیں اوپر ہو چکی تھیں بلکل، کرنٹ اس کے پورے جسم میں سرایت کر چکا تھا۔

اُن تینوں کے دل جیسے ایک دم سے تھمے تھے۔

"زویا"...!

زی چلائی تھی، صائم اور آہل کا دماغ بلکل ماؤف ہو چکا تھا لیکن ابھی انہیں اپنے آپ کو سنبھالنا تھا اور کچھ کرنا تھا، زی ایک بھی لمحے کی تاخیر کیے بغیر کمرے میں موجود لکڑی کا سٹینڈ اٹھا لائی اور اس سے زویا کے ہاتھ میں موجود منی کرنٹ سسٹم کو الگ کیا، اور اس لکڑی کے سٹینڈ کو زویا کے ہاتھ پر رکھ دیا، جس سے زویا کا تڑپتا ہوا وجود ایک دم سے جامد ہوا تھا۔

"ز...زویا! میری جان اٹھو۔"

زی زویا کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولی، بے اختیار ہی زی کی آنکھوں سے آنسو نکلنا شروع ہو چکے تھے۔

"ہمیں اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہو گا۔"

صائم لہو رنگ ہوتی آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھا اور زویا کو اپنی باہوں میں اٹھا لیا۔

آہل کا ہوش ہی ٹھکانے پر نہیں تھا، اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے، اگر پتہ تھا تو صرف اتنا کہ اس کی بہن خطرے میں ہے، صائم کی آواز پر جیسے۔ اس کا سکتا ٹوٹا تھا، زی اور آہل دونوں ہی صائم کے پیچھے بھاگے تھے۔

”ان کی کنڈیشن بہت سیریس ہے، بہت ہائے والٹیج کا کرنٹ لگا ہے انہیں، آپ دُعا کریں اگلے بارہ گھنٹے ان کے لیے بہت اہم ہیں، اگر تب بھی انہیں ہوش نہیں آیا تو“...

وہ انگریز ڈاکٹر اپنی انگریزی زبان میں آہل کو بتا رہا تھا لیکن آخر میں اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

آہل نے ضبط اور غصے سے لال ہوتی آنکھوں کے ساتھ ڈاکٹر کا گریبان پکڑ لیا۔

”اسے کسی بھی طرح کر کے ٹھیک کرو، اگر میری بہن کو کچھ بھی ہوا نہ تو اس ہاسپٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا میں... سمجھے؟“

آہل بپھرے شیر کی طرح ڈاکٹر پر دھاڑ رہا تھا۔

”سر میں پوری کوشش کروں گا، جتنا مجھ سے ہو گا میں کروں گا، آپ فکر نہ کریں۔“

ڈاکٹر گھبرا ہی تو گیا تھا، وہ آہل احمد بٹ تھا، اسے گھبرانا ہی تھا اس سے، اگر اس نے کہا تھا کہ وہ ہاسپٹل کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا تو ہاں... وہ ایسا ہی کرتا، بھلا کون نہیں جانتا تھا وہاں کھڑی اس شخصیت کو؟

”کیسے فکر نہ کروں ہاں؟ کیسے؟...اگلے بارہ گھنٹے کے اندر اندر مجھے میری بہن صحیح سلامت چاہیے، ورنہ تم بہتر جانتے ہو مجھے۔“

آہل کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا، بھلا کس کی ہمت تھی وہاں، کہ وہ ڈاکٹر کا گریبان آہل کے ہاتھوں چھڑوا سکے۔

صائم بینچ پر بیٹھا دونوں ہاتھ آپس میں ملائے تھوڑی تلے رکھے زمین کو گھور رہا تھا، آنکھیں ایسے تھی مانو جیسے سارے جسم کا خون اس کی آنکھیں میں اُتر آیا ہو۔اِرد گرد سے بے نیاز وہ اپنی سوچوں میں غرق تھا، زویا کی باتیں اس کا شرارتی انداز سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے کسی منظر کی طرح گھوم رہے تھے۔

)کتے، کمینے، بے حیا، بے شرم۔(

میامی میں ان کی پہلی ملاقات کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔

)کوئی شرم ہوتی ہے کوئی پیاری سی حیا ہوتی ہے، پر تم انگریز کیا جانو کہ وہ کیا ہوتی ہے، میرا بس چلے تو تمہیں میں اسی زمین میں گاڑھ دوں، یا پھر چھوٹے چھوٹے کر کے تمہارے ٹکرے کر دوں۔(

اس کی باتیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔

"مسٹر آہل! چھوڑیں اسے۔"

زی جو دروازے میں موجود شیشے کی مدد سے زویا کو دیکھتے ہوئے آنسو بہا رہی تھی آہل کی آواز پر فوراً سے ہوش کی دنیا میں واپس آئی، اور آہل کا ہاتھ چھڑواتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ جائیں یہاں سے۔"

ڈاکٹر کا گریبان چھڑواتے ساتھ ہی اس نے ڈاکٹر کو جانے کی ہدایت دی، ڈاکٹر تو بھاگنے کے انداز میں وہاں سے گیا تھا۔

"تم کون ہوتی ہو میرے معاملوں میں پڑنے والی، لوگوں سے نپٹنا مجھے اچھے سے آتا ہے، سمجھی؟"

آہل اب اپنا غصہ زی پر نکال رہا تھا۔

”صرف تمہاری وجہ سے... صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میری بہن زندگی اور موت سے لڑ رہی ہے، تمہیں اپنا کرنٹ سسٹم سنبھال کر رکھنا چاہیے تھا، تم میری بہن کی اس حالت کی سب سے بڑی ذمہ دار ہو سمجھی؟“

وہ زی پر شعلہ ہوتی آنکھوں کے ساتھ بھڑک رہا تھا، زی کو اس شخص کے الفاظ حد سے زیادہ تکلیف دے رہے تھے۔

”پتہ تھا مجھے کہ تم لوگوں کا نقصان کرنے کے لیے ہی اس دنیا میں پیدا ہوئی ہو، اسی لیے... اسی لیے تم یتیم ہو، تمہارا کوئی اپنا نہیں ہے، یو نو واٹ... تم یتیم ہی اچھی ہو، تم اس قابل ہو ہی نہیں کہ تمہیں اپنا سمجھا جائے... تم سے محبت کی جائے۔“

آہل کے الفاظ تھے کہ کیا، زی کو سیسے کی طرح اپنا کانوں میں انڈیلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

”تم ہماری زندگی سے نکل کیوں نہیں جاتی... اب مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے سمجھی؟ اور نہ ہی اب زویا کو تمہاری ضرورت ہے، زویا کو اپنی فیملی مل چکی ہے، اس لیے اب ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں، تم جیسی چور... ڈاکا ڈالنے والی سے ہمیں کوئی تعلق نہیں رکھنا، میری ہی غلطی ہے کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا لیکن... لیکن اپنی غلطی کو درست کرنا مجھے اچھے سے آتا ہے، اب نکل جاؤ یہاں سے، مجھے تمہاری شکل

سے نفرت ہے، مجھے تم سے، تمہارے اس پورے وجود سے نفرت ہے...اب جاؤ طلاق کے کاغذات پہنچ جائیں گے تمہارے گھر۔"

آہل اپنے آپے سے باہر ہو چکا تھا، غصہ اس کا ساتویں آسمان پر پہنچ چکا تھا، وہ ایسے گرج رہا تھا جیسے سامنے والے کو خاک کر کے ہی دم لے گا، اسے شاید خود نہیں پتہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، وہ جذباتی ہو چکا تھا...اور وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ جذبات میں آ کر وہ کسی کو کھونے جا رہا ہے۔

طلاق کا سُن کا زی نے تڑپ کر آہل کو دیکھا تھا، آنکھوں میں التجا واضح تھی کہ مت کرو ایسا، مت کرو مت کرو، لیکن سامنے والا شاید اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بھی انجان بن رہا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ شاید آج اس کا غصہ اس کو کہیں کا نہیں چھوڑنے والا تھا۔

"نکل جاؤ یہاں سے"!

زی کو اسی طرح کھڑے دیکھ وہ حلق کے بل چلایا تھا، زی نے اس کے چلانے پر اپنی آنکھیں زور سے بھینچی اور ایک دم سے کھول کر ہسپتال کے کمرے کی طرف دیکھا جہاں زویا زندگی اور موت کے درمیان لڑ رہی تھی پھر ایک نظر صائم کو دیکھا جو ساکت بیٹھا زمین کو گھور رہا تھا۔

"سوری"...

وہ بولی تو اس کا گلا رندھ گیا، اس نے آہل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے تھے، آہل کو کچھ نہ کہتے دیکھ وہ پھیکا سا مسکرائی تھی لیکن ساتھ ہی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر بے مول ہو گئے، وہ اپنی سرمئی آنکھیں، آہل کی سیاہ آنکھوں میں گاڑھے، آہستہ آہستہ الٹے قدم چلنے لگی، آہل کی آنکھوں میں غصہ واضح تھا لیکن اس لڑکی کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے دل کی حالت عجیب ہونے لگی تھی۔

زی لب بھینچے ایک دم سے مڑی اور بھاگتی ہوئی ہسپتال کی راہداری عبور کر کے باہر نکل گئی، آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اس نے اپنی ہتھیلی کی پشت سے، بے دردی سے صاف کیا تھا۔

آہل بھی الٹے قدم چلتے ہوئے صائم کے ساتھ بینچ پر بیٹھ گیا اور بینچ کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھیں موند گیا۔

وہ روتی ہوئی میامی کی سڑکوں پر بھاگ رہی تھی، بھاگتے بھاگتے وہ ایک سنسان راستے پر نکل گئی اور زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"یااللہ کیا میں اتنی بُری ہوں؟"

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی آسمان پر دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں روتے ہوئے اپنے اللہ سے مخاطب تھی۔

"کیا میں بلکل بھی... بلکل بھی اس قابل نہیں کہ مجھ سے محبت کی جائے؟ کیا میرا وجود... میرا وجود نفرت کے قابل ہے؟ کیوں؟... کیوں وہ مجھے غ... غ... غلط سمجھتے ہیں؟ مانتی ہوں غلطی میری ہی ہے، مجھے اپنا بیگ سنبھال کر رکھنا چاہیے تھا، مجھے بھی... مجھے بھی اپنے آپ پر غصہ ہے... اب تو مجھے بھی اپنے وجود سے گھِن آنے لگ گئ ہے، کیوں ہوں میں اس دنیا میں؟ کاش آپ نے مجھے پیدا ہی نہ کیا ہوتا۔"

وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی، الفاظ ادا کرتے ہوئے ہچکیاں بندھ رہی تھیں، لیکن اس کی حالت پر ترس کھانے والا وہاں کوئی نہیں تھا... وہاں اس کی سننے والا صرف اس کا رب تھا... اس کا خدا... اس کا اللہ۔

"کاش آپ مجھے دس سال پہلے اس گندے پانی میں ڈوبنے سے نہ بچاتے، کاش... کاش آپ مجھے میامی کی سڑکوں پر بھوکا پیاسا ہی مار دیتے، اگر میں اس دن مر جاتی تو زویا آج اس حالت میں نہ ہوتی، آج... آج زویا اگر اس حالت میں ہے تو صرف اور صرف میری وجہ سے... صرف میری وجہ سے۔"

آنکھیں تھیں کہ آج کھل کر برس رہی تھی، اتنے سالوں کا اپنے آنسوؤں پر باندھا ہوا بندھ آج کھل چکا تھا۔

”ان کو مجھ سے... مجھ سے نفرت ہے، انہوں نے کہا کہ ... کہ وہ مجھے طلاق دے دیں گے، کیا ان کو نہیں پتہ کہ ان کے کی باتوں نے مجھے کتنی تکلیف دی ہے؟ کیا ان کو نہیں پتہ کہ مجھے ان سے... مجھے ان سے محبت ہونے لگی ہے۔“

دل تھا کہ ٹوٹ کر بکھر رہا تھا... جان تھی کہ ہلکان ہو رہی تھی... آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے... زبان تھی کہ تھکنے کو تیار ہی نہ تھی۔

”پتہ نہیں کب؟ کیسے؟ لیکن مجھے ان سے محبت ہونے لگی... اور آج... آج اپنی محبت میں گرفتار کر کے انہوں نے مجھے چھوڑ دیا، اگر... اگر چھوڑنا ہی تھا تو ہاتھ تھاما ہی کیوں تھا؟“

وہ اپنے سر کو تھامے چیختے ہوئے کہہ رہی تھی... وہ لڑکی جو بات کو کچھ ہی الفاظ میں ادا کرنے کی عادی تھی آج وہ ٹوٹی بکھری سی اپنے رب کو ہر ایک بات کہہ رہی تھی۔

)پتہ تھا مجھے کہ تم لوگوں کا نقصان کرنے کے لیے ہی اس دنیا میں پیدا ہوئی ہو، اسی لیے... اسی لیے تم یتیم ہو، تمہارا کوئی اپنا نہیں ہے، یو نو واٹ... تم یتیم ہی اچھی ہو، تم اس قابل ہو ہی نہیں کہ تمہیں اپنا سمجھا جائے... تم سے محبت کی جائے۔(

آہل کے الفاظ ایک بار پھر سے اس کے کانوں میں گونجے۔

”انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں یتیم ہی اچھی ہوں، میں... میں لوگوں کا نقصان کرنے کے لیے ہی اس دنیا میں پیدا ہوئی ہوں، میں تو اس قابل ہی نہیں ہوں کہ مجھے اچھا سمجھا جائے... اے اللہ تو مجھے موت کیوں نہیں دے دیتا؟“

آخر میں وہ اپنا سر تھام کر حلق کے بل چلائی تھی۔

”میں اب... میں اب کبھی بھی ان کی زندگی میں واپس نہیں جاؤں گی، میں... میں ان لوگوں کو، اس شہر کو چھوڑ کر کہیں بہت دور چلی جاؤں گی... پھر میری وجہ سے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچے گا، کسی کو بھی اپنے گھر کی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی، سب لوگ یہاں سکون سے رہیں گے، کیونکہ... کیونکہ زی یہاں سے... ان سب لوگوں کی زندگی سے بہت دور چلی جائے گی... بہت دور۔“

اگر کوئی بھی اس کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو یقیناً رو پڑتا... آج وہ بلکل ٹوٹ چکی تھی... بکھر چکی تھی... آج اس کی محبت نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا، جس محبت کا ابھی اس نے اظہار بھی نہیں کیا تھا آج اس محبت نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا... وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی... وہ چیخ رہی تھی... چلا رہی تھی... ٹوٹ رہی تھی... بکھر رہی تھی... اس نے ایک غلطی کر لی تھی... اس نے محبت کر لی تھی۔

”مجھے... مجھے جانا ہو گا یہاں سے... ان سب لوگوں کی زندگی سے دور... بہت دور... میں... میں اب کبھی بھی یہاں واپس نہیں آؤں گی، لیکن اس سے پہلے مجھے زویا کے لیے دعا کرنی ہے۔“

زی نے اپنے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا اور فوراً سے اٹھ کر بھاگنے لگی، وہ بھاگتے ہوئے جا ہی رہے تھے کہ اس کے قدم لڑکھڑائے اور وہ نیچے گر گئی۔

”سس“...

وہ کراہ اٹھی، گرنے کی وجہ سے اس کی ٹانگ کے گھٹنے پر رگڑ آئی تھی، وہ ایک بار پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، لیکن پھر اپنے درد پر قابو پاتی ہمت کر کے واپس سے اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے بھاگنے لگی... اب اسے رُکنا نہیں تھا، اب اسے ان سب سے دور جانا تھا میامی سے دور... بہت دور... لیکن شاید اس بار قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے اپنے اس لکڑی نما گھر میں پہنچی، سامنے دروازے پر لگے تالے کو دیکھ کر اس نے اپنا حجاب کھول کر اپنے بالوں میں لگی ہیئرپِن نکال لی۔ پھر اسے اس تالے میں لگا کر تالا کھولنے لگی۔

کچھ سیکنڈز کی کوشش کے بعد تالا کھل چکا تھا، وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور بھاگ کر زویا کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

پہلے واشروم جا کر اس نے وضو کیا پھر زویا کی الماری سے جائے نماز نکال کر زمین پر بچھا کر فوراً سے جائے نماز پر بیٹھ گئی، اس نے دعا کے لیے جلدی سے ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگی۔

صائم قدم قدم چلتا ہوا زویا کے بیڈ کے قریب آیا اور پاس رکھے سٹول پر بیٹھ گیا۔

صائم کچھ دیر اس کے چہرے کو دیکھتا رہا جو کہ بلکل پیلا زرد ہوا پڑا تھا اور پھر بے اختیار ہی وہ بول پڑا۔

"تم مر کیوں نہیں جاتی"!

یہ کیا بات کہی تھی صائم نے۔

"تم... تم پلیز مر جاؤ۔"

وہ ساکت آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، وہ شاید ہوش میں نہیں تھا۔

"ایک بار مر کر تم ہم سب کی پریشانی ہی ختم کر دو، جب تم مر جاؤ گی نہ تو ہم سب کو ہی سکون آجائے گا، ہمیں کوئی بھی تنگ کرنے والا نہیں ہو گا، پھر ہم... ہم بہت خوش"......

آگے کے الفاظ اس کے منہ میں ہی دم توڑ گئے، آگے بولنے کے لیے اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی اور وہ زویا کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"(یا اللہ زویا کو ٹھیک کر دیں... میں یہ سب کام چھوڑ دوں گی، یہ چوری وغیرہ سب غلط چیزیں چھوڑ دوں گی... میں یہ شہر بھی چھوڑ دوں گی لیکن آپ بس زویا کو ٹھیک کر دیں۔" وہ روتے ہوئے اللہ سے دعا کر رہی تھی۔)

"زویا! پلیز زز یار اٹھ جاؤ، میں آج کے بعد تم پر کبھی بھی غصہ نہیں کروں گا، کبھی بھی تمہیں تنگ نہیں کروں گا، لیکن پلیز تم اٹھ جاؤ، اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی... میں بھی مر جاؤں گا، میں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا، مجھے ایسے لگتا ہے کہ اگر تم نہ اٹھی نہ تو میرا دل بند ہو جائے گا... میں تمہیں نہیں کھو سکتا، اتنی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔"

وہ مرد ہو کر اس لڑکی کے لیے رو رہا تھا، ہاں وہ رو رہا تھا... پھوٹ پھوٹ کر... اونچی آواز میں... کسی چھوٹے سے بچے کی طرح۔

"یا اللہ وہ بہت معصوم ہے، میری غلطیوں کی سزا اسے نہ دیں... یا اللہ میری دعا قبول کر لیں پلیز... میں نے بچپن سے لے کر اب تک صرف اسے ہی اپنا مانا تھا، وہ میرے لیے میرا سب کچھ تھی... سب کچھ... اب اگر اسے میری وجہ سے کچھ ہو گیا تو میں اپنے آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کر پاؤں گی... یا اللہ مجھے پہلے ہی اپنے وجود سے، اپنے آپ سے بہت نفرت ہے... اب میں نہیں چاہتی کہ یہ نفرت اپنی آخری انتہا کو پہنچ جائے... پلیز یا اللہ زویا کو ٹھیک کر دیں... پلیززززز۔"

وہ روتے ہوئے اللہ سے زویا کی زندگی مانگ رہی تھی... وہ دل سے زویا کے لیے دعا کر رہی تھے، اور جب دعا دل سے کی جائے تو وہ اللہ کیسے نہیں رکھے گا تمہارا دل؟(

آہل باہر بینچ پر بیٹھا دادو کی کال سُن رہا تھا جو روتے ہوئے ہسپتال آنے کی ضد کر رہی تھیں، کہ وہ بھی اپنی بچی کہ پاس آنا چاہ رہی ہیں، وہ خود ہی ہسپتال آجاتیں لیکن آہل نے سارے گارڈز اور نوکروں کو منع کر دیا تھا کہ دادو کو ہسپتال لانے کی بلکل بھی

ضرورت نہیں ہے، اس لیے اب وہ آہل کو لڑ بھی رہی تھیں اور ہسپتال آنے کی ضد بھی کر رہی تھیں لیکن آہل انہیں بار بار منع کر رہا تھا... آہل ابھی فون سُن ہی رہا تھا کہ اسے کسی کے اونچا اونچا رونے کی آواز آئی، وہ دادو کا فون کاٹتا بھاگ کر زویا کے وارڈ میں داخل ہوا لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا خود کا دل بھر آیا۔

صائم زویا کے ساتھ لگا اونچا اونچا رو رہا تھا... ہچکیوں کے ساتھ... آہل کا دل کیا وہ بھی کہیں دور جا کر بہت سارا روئے۔

"صائم! اٹھو"...

آہل نے اسے کندھو سے تھام کر الگ کرنا چاہا۔

"نہیں آہل! پہلے تم... تم زویا سے کہو کہ وہ اٹھ جائے، میرا... میرا دل بند ہو رہا ہے اسے اس حالت میں دیکھ کر۔"

صائم ہچکیوں کے درمیان بولا، وہ ابھی بھی زویا کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

"صائم! دیکھو، ابھی ہمیں باہر چلنا چاہیے زویا کو پریشانی ہو رہی ہو گی۔"

آہل صائم کی حالت دیکھ کر اپنے آنسو پیتے بولا۔

"نہیں پہلے تم زویا سے کہو کہ وہ اٹھ جائے... مجھے یوں تنگ نہ کرے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

صائم زویا کو چھوڑنے کے لیے بلکل بھی تیار نہ تھا۔

”صائم! زویا کو انشااللہ تھوڑی دیر تک ہوش آجائے گا لیکن ابھی تم باہر چلو۔“

آہل اسے پھر کندھوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے بولا۔

”نہیں میں تب تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ زویا کو ہوش نہ آجائے۔“

صائم اپنی ضد پر قائم تھا، وہ کسی صورت بھی زویا کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔

”صائم! دیکھو ابھی زویا کو آرام کرنے دو ہم بعد میں آجائیں گے۔“

آہل اسے کسی بچے کی طرح پچکارتے بولا۔

”پہلے تم زویا سے کہو کہ اٹھ جائے... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا... مجھے... مجھے زویا سے بہت بہت م... محبت ہے... میں مر جاؤں گا اس کے بغیر۔“

صائم نے اعترافِ محبت کیا تھا۔

آہل سے اس کی ایسی حالت دیکھی نہ گئی اور وہ وارڈ سے باہر نکل گیا، اور باہر آکر لمبے لمبے سانس لے کر اپنے آپ پر ضبط کرنے لگا، اگر وہ دو منٹ اور اُدھر کھڑا رہتا تو یقیناً رو دیتا۔

)یااللہ پلیز ززویا کو ٹھیک کردیں، اس کے بعد میں... میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگو گی لیکن بس... بس آپ زویا کو ٹھیک کردیں... پلیززز۔" وہ سجدے میں گر کر رونے لگی۔(

اچانک ہی زویا کے بیڈ کے سائیڈ پر پڑے مونیٹر نے ہارٹ بیٹ کی اوپر نیچے ہوتی لائن بلکل سیدھی کردی۔

"ٹوووووں..." کی آواز پر صائم نے جھٹ سے اٹھ کر مونیٹر کو دیکھا اور مونیٹر پر دیکھتے ہی اسے لگا جیسے اس پر زویا کی ہارٹ بیٹ نہیں بلکہ اس کی ہی سانسیں چل رہی تھیں جواب بلکل تھم چکی تھی۔

صائم نے زویا کا بے جان وجود دیکھا... لیکن یہ کیا اس کی سانسیں ابھی تک تھمی کیوں نہیں تھیں... اس کی سانسیں تو ابھی بھی چل رہی تھیں... پھر زویا کی سانسیں کیسے تھم سکتی تھیں۔

"زویا! اٹھو، مجھے پتہ ہے کہ تمہیں کچھ نہیں ہوا، دیکھو میری سانسیں تو چل رہی ہیں تمہاری سانسیں کیسے تھم سکتی ہیں، چلو اب اٹھو شاباش اور یہ ناٹک بند کرو۔"

صائم نے اسے کندھے سے تھام کر زور سے ہلاتے کہا، وہ اس وقت محبت میں پاگل لگ رہا تھا... وہ اس وقت عشق میں دیوانہ لگ رہا تھا۔

"زویا! اٹھو نہ، پلیز زز یار جلدی اٹھو، دیکھو تم نے ہم سب لوگوں کو کتنی ٹینشن میں ڈال رکھا ہے، اب... اٹھ بھی جاؤ۔"

وہ پھر سے رونے لگ گیا۔

)اللہ.. اللہ.. اللہ.. زو... زویا کو... ٹھیک کر دیں۔" وہ سجدے میں دعا کر رہی تھی، آخر میں اس کی آواز مدھم ہو گئی، اور وہ وہیں سجدے میں نڈھال ہو گئی۔(

اچانک ہی زویا کے بے جان وجود میں حرکت ہوئی، مونیٹر کی سکرین پر لائنز نے دوبارہ سے اوپر نیچے چلنا شروع کر دیا، صائم نے جب زویا کے وجود میں حرکت ہوتی دیکھی تو فوراً سے چلا چلا کر ڈاکٹر کو بلانے لگا۔

"ڈا... ڈاکٹر!... ڈاکٹر"!

آہل ڈاکٹر کو لے کر فوراً سے وارڈ میں داخل ہوا تھا۔

"پلیز آپ لوگ باہر جائیں، ہمیں پیشنٹ کو دیکھنا ہے۔"

ڈاکٹر نے ان لوگوں کو باہر جانے کے لیے کہا تو آہل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"دیکھنا نہیں ہے ڈاکٹر، علاج کرنا ہے۔"

وہ شاید آج ڈاکٹر کی جان لینے کے درپر تھا۔

"ج...جی... لیکن آپ لوگ پہلے باہر جائیں، ایسے پیشنٹ کو پریشانی ہو سکتی ہے۔"

ڈاکٹر آہل کو پھر سے غصے میں آتے دیکھ ہکلاتے ہوئے بولا۔

آہل صائم کو زبردستی وہاں سے لے کر وارڈ سے باہر نکل گیا۔

"آہل! اسے ہوش تو آجائے گا نہ؟"

صائم آج بلکل پاگل لگ رہا تھا، وہ جو اس لڑکی کو اذیت دینے میں سب سے آگے ہوتا تھا... آج وہی اس کے لیے رو رہا تھا... آج وہی اس کے لیے پاگل ہو رہا تھا... آج وہی اس سے محبت کر بیٹھا تھا۔

"ہاں میری جان، وہ بلکل ٹھیک ہو جائے گی انشاءاللہ۔"

آہل نے اسے گلے سے لگاتے کہا، اور خود آنکھیں اور لب دونوں بھینچ لیے، وہ رونے کو تیار کھڑا تھا لیکن رونا نہیں چاہتا تھا۔

زی کو ہوش آیا تو وہ فرش پر اسی طرح جائے نماز پر پڑی تھی، شاید وہ دعا کرتے کرتے بے ہوش ہو گئی تھی، وہ فوراً اٹھی اور جائے نماز کو تہہ کر کے واپس سے الماری میں رکھنے لگی۔

"مجھے یہاں سے نکلنے سے پہلے زویا کو جا کر دیکھنا ہو گا۔"

زی نے کہا اور اپنے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔

"مبارک ہو، پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے، اب آپ تین گھنٹے بعد انہیں ڈسچارج کروا کر یہاں سے لے جا سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے وارڈ سے باہر آتے ساتھ انہیں مبارک باد دی، ڈاکٹر بہت خوش نظر آ رہا تھا، وہ اس لیے کہ آہل سے جان جو چھوٹ جانی تھی اب اس کی، ورنہ تو وہ اس کی جان ہی لے لیتا، ڈاکٹر کو شاید اتنی خوشی کسی پیشنٹ کے ٹھیک ہونے پر نہیں ہو گی جتنی کہ زویا کے ہوش آنے پر ہوئی تھی۔

صائم اور آہل فوراً سے وارڈ میں داخل ہوئے تو سامنے ہی زویا میڈم بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، وہ ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے اور دوسرے ہاتھ میں جگ تھامے پانی کو کبھی گلاس تو کبھی جگ میں انڈیل رہی تھی، شاید یہ اس کا پسندیدہ شغل تھا۔

زویا کو دیکھ کر صائم نے اپنی اٹکی ہوئی سانس بحال کی اور ہلکی سی مسکان کے ساتھ اپنی نم ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا، اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگا، آج اللہ نے اس کی بیوی کو، اس کی محبت کو بچا لیا تھا، آج وہ اس چیز کا اعتراف کھل کر اپنے دل سے کر رہا تھا، جس کا اظہار ابھی تک اس نے خود سے بھی نہیں کیا تھا۔

زویا گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی جب اس کی نظر صائم اور آہل پر پڑی۔

صائم کو دیکھ کر وہ ٹھٹھکی تھی۔

"یا اللہ کہیں اس بندے کا پکا پروگرام تو نہیں تھا مجھے آپ کے پاس پہنچانے کا۔"

زویا اپنے تکے لگانا شروع ہو چکی تھی۔

"ہائے مسکرا رہا ہے، مطلب کہ مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر مزے لے رہا ہے۔"

زویا نے غصے سے منہ پھلا کر... دانت پر دانت جما کر... ایک نظر صائم کو دیکھا اور پھر آہل سے مخاطب ہوئی۔

”بھائی! مجھے گھر لے جائیں، مجھے یہاں نہیں رہنا اس گندے سے ہسپتال میں، بہت ہی گندی سمیل آ رہی ہے یہاں سے، میری توبہ جو آج کے بعد کبھی بھی ہسپتال آؤں، اللہ معاف کرے، قسم سے درد ہو رہا ہے قمر میں بہت زیادہ ادھر بیٹھے

بیٹھے، ہائے...ہائے۔“

زویا درد سے ہائے ہائے کرتی ہوئی بولی تو صائم اور آہل دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ کھل گئی۔

”ہاں بس تین گھنٹے بعد ڈاکٹر تمہیں ڈسچارج کر دے گا پھر ہم تمہیں گھر لے جائیں گے۔“

آہل نے مسکرا کر اس کے گال پر چٹکی بھرتے کہا۔

”میں بہت ڈر گیا تھا۔“

صائم نے زویا کا ہاتھ تھام کر اس پر بوسہ دیتے کہا اور پھر نم ہوتی آنکھوں سے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھنے لگا جہاں پر اس کی بات پر حیرت پھیل چکی تھی۔

”اہم!...اہم“!

آہل نے اپنا گلا کھنکارا تو وہ دونوں ہوش میں آئے۔

”تم لوگ اپنا رومینس کنٹینیو (continue) کرو، میں ابھی آتا ہوں۔“

آہل مڑا ہی تھا کہ ایک تیز ہوا کا جھونکا تیزی سے اسے چھو کر گزرا، اس نے جھٹ سے کھڑکی کی طرف دیکھا، کسی کا سایہ لہرایا تھا وہاں پر، وہ چونکا تھا اور فوراً سے کھڑکی کی طرف لپکا تھا، لیکن وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

اسے پتہ تھا وہاں پر کون تھا، وہ بس لب بھینچ کر رہ گیا۔

زی نے گھر پہنچ کر شکر کا سانس خارج کیا تھا، زویا بلکل ٹھیک تھی، اس بات کی اسے تسلی ہو چکی تھی، اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی تھی، اس نے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا اور بھاگ کر اپنے کمرے کے اندر داخل ہوئی۔

اس نے الماری کے اوپر موجود ایک بڑا سا بیگ اٹھا کر بیڈ پر رکھا اور الماری کھول کر اس میں سے کپڑے نکال کر اس بیگ کے اندر رکھنے لگی، وہ یہ کام نہایت ہی پھرتی سے کر رہی تھی، اسے اب جلد از جلد یہاں سے دور جانا تھا۔

”ہائے میری بچی، کیسی ہے تُو ٹھیک تو ہے نہ؟ میں تو ڈر ہی گئی تھی، میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔“

زویا کے آتے ساتھ ہی دادو نے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی، وہ بار بار زویا کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے اس سے اس کا حال پوچھ رہی تھیں اور روئے جا رہی تھیں، زویا تو بس انہیں یہ کہہ رہی تھی۔

”دادو! قسم سے بہت درد ہو رہا ہے پورے جسم میں، سب سے زیادہ تو قمر میں، شاک لگنے کے بعد میں دھڑام سے نیچے گر گئی تھی نہ اس وجہ سے، ہائے رے میری قمر... آہ... آہ۔“

زویا قمر تھامے شروع ہو چکی تھی۔

”ہائے میری بچی، زیادہ درد ہو رہا ہے، چلو کوئی نہیں، صائم دبا دے گا۔“

دادو نے آنسو صاف کرتے ہوئے ہمدردی سے کہا۔

”اللہ معاف کرے دادو، اس سے اچھا مشورہ نہیں ملا تھا آپ کو۔“

زویا آنکھیں پھاڑے حیرت سے پوچھ رہی تھی، جبکہ صائم اور آہل اپنی ہنسی دبائے کھڑے تھے۔

”ہاں تو شوہر ہے تمہارا“!

دادو نے زویا کو آنکھیں دکھائیں۔

”نہیں جی، کوئی ضرورت نہیں ہے، زی دبا دے گی بس۔“

زویا کی بات پر آہل کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

”ویسے زی ہے کہاں؟“۔

زویا نے زی کو موجود نہ پا کر پوچھ لیا۔

”وہ تو تم لوگوں کے ساتھ ہی ہسپتال گئی تھی، مجھے تو خود وہ کب سے دکھائی نہیں دی۔“

دادو نے بتایا تو زویا چونکی۔

”نہیں، دادو! وہ تو ہمارے ساتھ نہیں آئی، مجھے لگا وہ گھر ہو گی۔“

زویا اب سنجیدگی سے کہہ رہی تھی، دادو اور زویا دونوں نے ہی سوالیہ نظروں سے آہل اور صائم کو دیکھا۔

”ہاں، گئی تو وہ ہمارے ساتھ ہی تھیں، لیکن مجھے نہیں پتہ کہ وہ کہاں گئی، آہل کو پتہ ہو گا۔“

صائم نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، اسے بھی سچ میں نہیں پتہ تھا کہ وہ کہاں گئی، بے شک وہ وہیں تھا لیکن وہ ہوش میں ہوتا تو ہی کسی کی آواز سنتا۔

اب وہ تینوں ہی سوالیہ نظروں سے آہل کو دیکھ رہے تھے۔

''وہ...وہ گھر چلی گئی اپنے۔''

آہل نے نظریں چراتے کہا۔

''گھر؟... لیکن کیوں؟''۔

زویا نے ناسمجھی سے سوال کیا۔

''اسے...اسے کوئی کام تھا شاید۔''

آہل نے پھر سے نظریں چُرائیں۔

زویا کی چھٹی حس بیدار ہوئی۔

''بھائی! جھوٹ نہ بولیں، گھر سے تو آپ اسے قدم بھی باہر رکھنے نہیں دیتے، ایسے کیسے وہ اپنے گھر چلی گئی؟''۔

زویا کو بے چینی ہونے لگی، اب تو دادو اور صائم کو بھی پریشانی نے آن گھیرا، انہیں اتنا تو پتہ تھا کہ آہل نے ہی کچھ کیا ہوگا کیونکہ وہ دونوں اچھے سے جانتے تھے آہل کو اور اس کے غصے کو۔

"مجھے نہیں پتہ۔"

آہل اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آہل! ٹھیک سے بتاؤ زی کہاں ہے؟ کیوں چلی گئی ہے وہ گھر؟ کہیں تم نے تو اسے کچھ"......

دادو کو خدشات نے گھیر لیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ پورا کرتی آہل کا ضبط جواب دے گیا۔

"ہاں، نکال دیا میں نے اسے... آپ کو پتہ ہے سب اس کی وجہ سے ہوا تھا، زویا کی حالت کی ذمہ دار صرف وہ تھی، اسی کی ہی اس بنائی ہوئی ڈیوائس کی وجہ سے زویا کو شاک لگا تھا۔"

وہ تینوں بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"دادو! آپ کو پتہ ہے وہ ایک چور ہے، کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے وہ بلکہ ایک فراڈ اور دو نمبر قسم کی"۔........

آہل کی آخری بات پر دادو کا ضبط جواب دے گیا اور ان کا ہاتھ تیزی سے اٹھا تھا آہل کے چہرے پر۔

"چٹاخ"...

آہل گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے دادو کو دیکھ رہا تھا، صائم نے بھی افسوس سے آہل کو دیکھا تھا، کیونکہ آج وہ سچ میں بہت غلط کر گیا تھا زی کے ساتھ۔

”تم... تم بھی اپنے دادا کی طرح ہی نکلے نہ، بلکل بے حس... انہوں نے تو خیر کسی اور عورت کے لیے مجھے چھوڑ دیا تھا، لیکن تم نے... تم نے تو ان سے بھی بڑی زیادتی کر دی اپنی بیوی کے ساتھ، آہل! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ واقعی میں تم میرے ہی پوتے ہو۔“

وہ نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ آہل سے کہہ رہی تھیں، جو بے یقین سا کھڑا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

زویا نڈھال سے ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی، آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے... یہ کیا کر دیا تھا آج اس کے بھائی نے اس کی بہن کے ساتھ... وہ کیا منہ دکھائے گی زی کو... کیسے وہ اس دن اسے دعوے کے ساتھ کہہ رہی تھی کہ بھائی اس سے بہت محبت کرتے ہیں، لیکن زی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ اسے ایک دن اپنی زندگی سے نکال دیں گے... آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ زی ہمیشہ سچ کہتی تھی۔

”دادو! آپ نے اس غیر لڑکی کے لیے مجھے تھپڑ مارا۔“

آہل ضبط سے سُرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ کہہ رہا تھا، کیسی بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"چُپ آہل! چُپ کر جاؤ، خدا کا واسطہ ہے تمہیں، نہیں ہے وہ ایسی لڑکی جیسی لڑکی تم اسے سمجھ رہے ہو، تمہیں پتہ ہے تم نے آج ایک بہت قیمتی خزانہ کھو دیا ہے... بہت قیمتی... اگر تم اپنی یہ ساری دولت بھی خرچ کر دو نہ تو کبھی بھی وہ خزانہ حاصل نہیں کر پاؤ گے... وہ خزانہ پیسے سے نہیں پیار اور محبت سے حاصل ہوتا ہے، جسے تم نے اپنے غصے، اپنی نفرت سے آج کھو دیا ہے۔"

دادو روتے ہوئے آہل پر چیخ رہی تھیں لیکن آخر میں ان کی آواز آہستہ ہو گئی اور وہ صوفے پر نڈھال سی بیٹھ گئیں، صائم نے فوراً سے جا کر انہیں سنبھالا تھا۔

زویا اپنے آنسو صاف کرتے اٹھ کھڑی ہوئی اور آہل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"آپ کو پتہ ہے کہ دس سال پہلے کیا ہوا تھا؟ ہم دونوں اس یتیم خانے سے یہاں میامی میں کیسے پہنچی تھیں؟...... ارے نہیں آپ کو کیسے پتہ ہو گا، میں بتاتی ہوں آپ کو آج... جب آپ لوگ یہ عیش و آرام والی زندگی گزار رہے تھے تب ہم فقیروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے، آپ کے پاس تب یہ سب کچھ تھا، یہ پیسہ، آرام، سکون، لیکن ہمارے پاس... ہمارے پاس صرف ایک چیز تھی، اور وہ تھی... یتیمی۔ پانچ سال میں اس یتیم خانے میں زی کے ساتھ رہی تھی، اس کے سوا کوئی دوست نہیں تھا میرا، وہ مجھے اپنا دوست نہیں مانتی تھی لیکن میں نے اسے ہمیشہ

اپنی دوست، اپنی بہن مانا، لیکن وہ لڑکی جو مجھے کہتی تھی کہ میں اس کے لیے انجان ہوں... میں اس کی کچھ نہیں لگتی۔ اس یتیم خانے میں تقریباً سات سو لڑکیوں میں سے وہ واحد لڑکی تھی جو میری مدد کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، جب اس یتیم خانے کی ملازمہ نے مجھے کسی کو بیچنے کی کوشش کی تھی تب وہ ہی تھی جو اس یتیم خانے سے میری عزت بچانے کے لیے بھاگی تھی میرے ساتھ۔"

زویا بولتے ہوئے نم آنکھوں کے ساتھ ہلکا سا مسکرائی تھی، اس کی آخری بات پر آہل اور صائم دونوں ہی چونکے تھے۔

دس سال پہلے

وہ دونوں بھاگ رہی تھیں اپنی پوری رفتار سے... یتیم خانے کے کچھ آدمی بھی ان دونوں کے پیچھے بھاگ رہے تھے، زی نے زویا کا ہاتھ سختی سے تھاما ہوا تھا۔

بھاگتے بھاگتے وہ سڑک کی دوسری طرف مڑی تو انہیں سامنے ایک ٹرک دکھائی دیا، کچھ آدمی زمین پر رکھے ان ڈبوں کو اس ٹرک کے اندر رکھ رہے تھے، رات کا وقت تھا، ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، زی نے زویا کے کان میں گھس کر اسے کچھ کہا اور دونوں ہی آہستہ آہستہ چلتی ہوئیں زمین پر رکھے دو بڑے بڑے ڈبوں میں بیٹھ گئیں، ایک ڈبے میں زویا جبکہ دوسرے ڈبے میں زی بیٹھ چکی تھی۔

یتیم خانے کے آدمیوں نے اس ٹرک کے ڈرائیور سے کچھ کہا اور اجازت ملتے ہی ٹرک کے اندر چڑھ گئے، ٹرک کے اندر اچھے طریقے سے چھان بین کرنے کے بعد بھی انہیں وہ دونوں دکھائی نہیں دیں، وہ آدمی اب زمین پر رکھے ان ڈبوں کو چیک کر رہے تھے۔ اب صرف دو ڈبے بچے تھے جسے انہوں نے چیک کرنا تھا، ایک آدمی پہلے ڈبے کی طرف چلا گیا جبکہ دوسرا آدمی دوسرے ڈبے کی طرف، اُن دونوں نے جب ان ڈبوں کو کھول کر دیکھا تو یہ کیا... وہ دونوں وہاں موجود نہ تھیں، وہ آدمی مایوس ہو کر دوسری طرف چلے گئے ان کو ڈھونڈنے کے لیے۔

ٹرک سٹارٹ ہو چکا تھا اور اب وہ اپنے سفر پر روانہ ہو رہا تھا، وہ دونوں مسکرا کر ٹرک کے پیچھے بیٹھی اب ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

ٹرک اپنا سفر تہہ کر چکا تھا اب وہ میامی کے سب سے بڑے مال "ڈول فن" کے باہر رُکا ہوا تھا، ایک آدمی نے ٹرک کا پچھلا دروازہ کھولا اور اپنے ساتھی کو بلانے چلا گیا، وہ دونوں اس ٹرک سے چھلانگ لگا کر باہر نکلیں اور پھر سے بھاگ کھڑی ہوئیں، زویا نے اپنے پیچھے ایک چھوٹا سا بیگ لادر کھا تھا... ہاں یہ وہی بیگ تھا جو وہ پاکستان سے لائی تھی۔
وہ دونوں وہاں سے بھاگتی ہوئیں ایک ریستوران کے باہر بیٹھ گیئں اور لمبے لمبے سانس لینے لگیں۔

”زی! میں تو بہت ڈر گئی تھی کہ اگر ہم دونوں وہاں سے بچ کر نہ نکل پاتی تو؟“

زویا نے زی کو مخاطب کیا۔

”کیسے نہیں بچ کر نکلتے، زی تمہارے ساتھ تھی، اور زی کبھی اپنا کام ادھورا نہیں کرتی۔“

دس سالہ زی، زویا چھوٹی میڈم سے کہہ رہی تھی۔

”مجھے تم پر یقین تھا۔“

زویا نے خوش ہوتے ہوئے کہا، لیکن زی نے کوئی جواب نہ دیا، وہ اِدھر اُدھر دیکھتی اس شہر کی دکانوں کا معائنہ کر رہی تھی جس کا نام بھی انہیں نہیں پتہ تھا۔

”زی! یہ کون سا شہر ہے؟“

زویا نے خود بھی اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھنے لگی۔

''زویا! قسم سے اگر مجھے پتہ ہوتا تو تمھیں ضرور بتاتی۔''

زی، زویا کی بات پر تیوری چڑھا کر بولی۔

''کیوں؟ تمھیں کیوں نہیں پتہ؟ ویسے تو زی کو سب پتہ ہوتا ہے۔''

زویا نے میٹھا سا طنز کیا۔

''میامی... میامی نام ہے اس شہر کا۔''

زی اس کے میٹھے سے طنز کو خاطر میں لائے بغیر بولی۔

''تمھیں کیسے پتہ؟ مطلب... ابھی تو تمھیں کچھ بھی نہیں پتہ تھا۔''

زویا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

''تمھاری طرح نکمی نہیں ہوں، وہ دیکھو سامنے بورڈ پر لکھا ہے۔''

زی نے سامنے لگے ایک بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

''اوووہ... خیر اب اتنی بھی نکمی نہیں ہوں، اتنا تو مجھے بھی پڑھنا آتا ہے بس دھیان نہیں گیا میرا ادھر۔''

زویا سٹپٹا کر بولی۔

''اسی لیے تو نکمی ہو، دھیان ہی کہیں اور چلا جاتا ہے تمھارا۔''

زی کے پاس اس کا بھی جواب تھا، زویا بھی چُپ ہی کر گئی، زی سے زبان لڑانا ہی فضول تھا۔

"زی! بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

زویا نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے بتایا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں کسی سے کھانا مانگو تو ایسا بلکل نہیں ہو سکتا، یہ دنیا بہت بے حس ہے، ہمیں کھلانے کی بجائے یہ الٹا ہم سے کام نکلوائے گی، ہمارا تو کوئی ہے بھی نہیں، کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ زی اور زویا نام کی لڑکیاں بھی اس دنیا میں ہیں۔"

زی، زویا کی نسبت کافی سمجھدار تھی۔

"تو کیا ہم ایسے ہی بھوکے رہیں گے زی۔"

زویا نے پچھلے دو دن سے کچھ نہیں کھایا تھا، جب سے ان دونوں نے ملازمہ اور اس آدمی کی بات سنی تھی ان کی بھوک ہی مر گئی تھی، لیکن اب زویا کو شدت سے بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی زویا، اب اگر ہمیں ایسے رہنا ہے تو بھیک تو مانگنی ہی پڑے گی۔"

زی کو بھی شدت سے بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔

"لیکن ابھی تو تم نے کہا کہ ہم نہیں مانگے گے۔"

زویا کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”مانگنے اور بھیک مانگنے میں بہت فرق ہوتا ہے زویا، اب اگر ہم مانگے گے تو ان سب کو اس کے بدلے ہم سے کچھ چاہیے ہو گا، لیکن اگر ہم بھیک مانگے گے تو شاید یہ ہم پر رحم کھا کر ہمیں کچھ دے دیں۔“

زی کی باتیں لاجواب تھیں، وہ دس سال کی ہو کر بھی دس سال کی نہیں تھی، وقت اور حالات نے اسے وقت سے پہلے ہی بڑا کر دیا تھا۔

”میں... میں نہیں مانگو گی بھیک۔“

زویا کو عجیب لگ رہا تھا بھیک مانگنا، وہ آخر کیوں پھیلائے اپنے ہاتھ بھیک کے لیے۔

”آخر کیوں تم بھیک نہیں مانگو گی، تمہیں خود ہی کچھ کرنا پڑے گا، تمہیں کوئی بھی ادھر آ کر نہیں کھلائے گا۔“

زی نے اسے سمجھانا چاہا۔

”نہیں، زی! میں نہیں مانگو گی بھیک۔“

زویا کی شکل اب رونے والی ہو چکی تھی۔

”او کے فائن، نہ مانگو، لیکن اب یہی آخری آپشن ہے تمہارے پاس۔“

زی نے کندھے اچکائے۔

”تم نہیں مانگو گی بھیک؟“۔

زویا نے اسے اسی جگہ بیٹھے دیکھ سوال کیا۔

”نہیں“!

ایک لفظی جواب آیا۔

”کیوں؟“۔

زویا نے حیرت سے پوچھا، کیونکہ ابھی تو وہ اسے بھیک مانگنے کا مشورہ دے رہی تھی اور خود وہ ایسے ہی بیٹھی تھی۔

”زی مر جائے گی، لیکن اپنے لیے بھیک نہیں مانگے گی۔“

اُف زی کا انداز۔

”لیکن، زی! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔“

زویا نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے کہا، اس کا مطلب سمجھ کر زی ہلکا سا مسکرائی۔

”اوکے... لیکن صرف تمہارے لیے، صرف اور صرف تمہارے لیے مانگو گی، لیکن مجھے نہیں لگتا کہ یہ لوگ ہمیں کھانے کو کچھ دیں گے۔“

وہ کہتے ساتھ ہی ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”زی“...!

زویا نے اسے جاتے دیکھ پکارا۔

''ہمم''...!

زی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمہیں شرم نہیں آئے گی بھیک مانگتے ہوئے؟''۔

زویا کے پوچھنے پر وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔

''شرم ان کو آتی ہے جن کا کوئی ہوتا ہے، میں تو یتیم ہوں۔''

کندھے اچکا کر کہتی وہ وہاں سے چل دی۔

بے اختیار ہی زویا کی آنکھوں سے دو موتی بہہ نکلے۔

''پلیز زکچھ کھانے کے لیے دے دو۔''زی ایک عورت کے آگے ہاتھ پھیلائے مانگ رہی تھی، اس عورت نے حقارت بھری نظروں سے زی کو دیکھا اور اپنی انگریزی زبان میں بولی۔

''چلو چلو، جاؤ یہاں سے، کچھ نہیں ہے میرے پاس۔''

اس عورت نے زی کو سائیڈ پر کیا اور وہاں سے چلی گئ۔

''پلیز زکچھ پیسے دے دو، مجھے کھانا کھانا ہے، دو دن سے کچھ نہیں کھایا میں نے۔''

دس سالہ زی اب ایک آدمی کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔

”سائیڈ پر ہو لڑکی، پتہ نہیں کہاں کہاں سے آجاتی ہو، اس سے بڑا جھوٹ نہیں ملا تھا تمہیں؟... دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔“

آخر میں اس آدمی نے زی کی نقل اتاری، وہ آدمی بھی زی کو سائیڈ پر کرتا جانے ہی لگا تھا کہ زی دوبارہ سے اس کے سامنے آگئی۔

”تمہیں خُدا کا واسطہ ہے، پلیز کچھ کھانے کے لیے دے دو، میں نے سچ میں دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔“

زی نے اس کی ٹانگ پکڑ لی تھی اور پیسوں کے لیے اس کی منت کر رہی تھی، زویا دور سے یہ منظر دیکھتے ہوئے آنسو بہا رہی تھی، یہ کیا ہو گیا تھا ان دونوں کے ساتھ، وہ یتیم خانے سے بھاگ تو آئیں تھیں لیکن اب... اب وہ آگے کی زندگی کیسے گزاریں گی۔

”چل ہٹ (گالی)... جان سے مار دوں گا اگر پھر سے سامنے آئی تو۔“

اس آدمی نے زی کا بازو تھام کر زور سے اسے زمین پر پٹخا۔

زی کا سر زور سر زمین پر لگا تھا جس کی وجہ سے اس کے ماتھے پر چوٹ لگی اور تیزی سے خون بہنے لگا۔

”زی“...!

زویا فوراً سے دوڑ کر اس کے پاس آئی اور اسے اٹھانے میں مدد کرنے لگی، وہ دونوں پھر سے وہیں جا کر بیٹھ گئیں جہاں پر پہلے بیٹھی ہوئیں تھیں، زویا نے اپنے بیگ سے ایک گلابی رنگ کا رومال نکالا اور زی کے سر پر باندھ دیا۔

"سوری، زی! مجھے معاف کر دو، مجھے تمہیں اکیلے ایسے نہیں بھیجنا چاہیے تھا، اب میں بھی تمہارے ساتھ مل کر بھیک مانگو گی۔"

زویا نے زی کے گلے لگ کر روتے ہوئے کہا، زی نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پلک جھپکا کر جلدی سے غائب کیا۔

حال

"اس لڑکی نے صرف میرے لیے، صرف اور صرف میرے لیے بھیک مانگی تھی، اس نے اپنے لیے نہیں... میرے لیے ہاتھ پھیلائے تھے... میرے لیے چوٹ کھائی

تھی... میرے لیے اس نے یتیم خانے کو بھی چھوڑ دیا... میرے لیے اس نے در در کی ٹھوکریں کھائی تھیں۔"

زویا آنکھوں میں آنسو لیے آہل سے کہہ رہی تھی جو تقریباً سکتے کی حالت میں کھڑا تھا۔ آنکھوں میں نمی آہستہ آہستہ سے واضح ہو رہی تھی۔

دادو تو اپنے پوتے کی حرکت پر بلکل نڈھال سی ہو چکی تھیں، صائم کی آنکھ سے بے اختیار ہی آنسو نکل آئے تھے جسے وہ جلدی سے صاف کر گیا۔

"آپ کو پتہ ہے اس کے پاس بھیک میں جتنے بھی پیسے جمع ہوئے تھے اس نے انہیں میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا، خود اس نے اس دن کچھ بھی نہیں لیا، اور جب میں نے اسے کہا کہ زی کچھ تو کھا لو تم... کچھ تو لے لو... تو وہ میرے گلے لگ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، پتہ ہے کیوں؟"

زویا کے بولنے پر آہل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس نے کہا... زویا! میں تمہیں لے تو آئی ہوں لیکن کھلاؤں گی کہاں سے، میں تمہیں بلکل بھی بھوکا نہیں دیکھ سکتی، میرا دل کر رہا ہے کہ یہ بھیک میں مانگی ہوئی چیز میں تمہارے ہاتھوں سے چھین کر پھینک دوں... لیکن میں تمہیں بھوکا بھی نہیں دیکھ سکتی... اور تب میرا شدت سے دل کیا کہ میں مر جاؤں، وہ لڑکی میرے لیے ہر اذیت

برداشت کرنے کے لیے تیار تھی لیکن میں... میں تو اسے خاک بھی نہیں دے سکتی تھی۔"

زویا کی آواز رندھ گئی، آہل سے اپنی آنکھوں میں آئے سیلاب کو چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔

ماضی

صبح سے شام ہو چکی تھی اور شام تاریکی میں ڈوبتی جا رہی تھی لیکن وہ دونوں ابھی بھی اسی جگہ بیٹھی تھیں، زویا نے تو صبح کھا لیا تھا لیکن زی اب بھی بھوکی تھی، زویا کے لاکھ کہنے کے باوجود بھی اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

"زی! اب ہم کہاں سوئیں گے؟"

زویا زی کے کندھے پر سر رکھے پوچھ رہی تھی، وہ دونوں کسی دوکان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھیں، اوپر سے سردی اتنی ہو رہی تھی اور انہیں ٹھنڈ بھی بہت لگ رہی تھی۔

"ایسے ہی سو جاؤ"!

زی سامنے سڑک کو دیکھتے ہوئے کسی سوچ میں گُم بولی۔

"لیکن، زی!... مجھے بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے۔"

زویا کا وجود بلکل سرد برف ہو رہا تھا، زی کی حالت بھی اس سے کچھ کم نہ تھی۔

"چلو! پھر ہم ایسا کرتے ہیں تھوڑی دیر واک کر لیتے ہیں، اس سے ہمیں سردی کا احساس نہیں ہو گا۔"

زی نے کہا اور پھر دونوں ہی اٹھ کھڑی ہوئیں، زویا، زی کو پتہ نہیں کون کون سی باتیں سنا رہی تھی، لیکن زی صرف خاموشی سے کسی سوچ میں ڈوبے چل رہی تھی، دونوں ہی نہیں جانتی تھیں کہ واک کرتے کرتے وہ کتنی دور نکل آئی ہیں، زویا میں تو خیر عقل نہیں تھی لیکن جس میں عقل تھی وہ پتہ نہیں کون سی سوچ میں ڈوبی چل رہی تھی، اس کا دماغ شاید بلکل سُن ہو چکا تھا، وہ دونوں کسی جنگل نما جگہ پر پہنچ چکی تھیں، سامنے گندے پانی کا تالاب دیکھ زویا تو خیر سائیڈ پر ہو گئ، اسے لگا زی بھی سائیڈ پر ہو جائے گی لیکن اس کا دماغ تو پتہ نہیں کہاں گُم تھا، زی چلتی رہی تالاب کو دیکھ کر بھی وہ سائیڈ پر نہ ہوئی اور چلتی رہی، اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، اگلے ہی لمحے زی اس گندے پانی میں تھی اور ہاتھ مار، مار کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”زی“...!

زویا نے چلا کر زی کو پکارا اور زور و شور سے رونے لگی، ایک یہی کام تو اسے اچھے سے آتا تھا، صرف رونا۔

”ز...زو...زو...یا...زویا“...!

زی نے ڈوبتے ہوئے زویا کو پکارا، وہاں سے زمیں تھوڑی نیچے تھی جس کی وجہ سے بارش کا پانی اس میں جمع ہو کر کیچڑ بن چکا تھا، دس سالہ زی کا قد اس بھرے ہوئے تالاب سے چھوٹا تھا جس کی وجہ سے وہ اس میں ڈوب رہی تھی۔

”زی!...زی!...میں کیا کروں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔“

زویا، زی کو ڈوبتے دیکھ اب مکمل خوف سے کانپنا شروع ہو چکی تھی۔

زی کو لگا کہ وہ آج مر جائے گی، وہ ابھی مر جائے گی...اس گندے تالاب میں ڈوب کر آج وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گی...زی کو موت اپنی آنکھوں کے سامنے صاف نظر آرہی تھی، اس کے بچنے کی اب کوئی امید بھی نہ تھی...آہستہ آہستہ وہ اس تالاب کے اندر ڈوبتی جارہی تھی...یہاں تک کہ۔ صرف اس کا ہاتھ ہی باہر رہ چکا تھا۔

"یا اللہ.. زی کی مدد کر دے، میرا کوئی نہیں ہے اس کے سوا، یا اللہ اسے بچا لے... میں وعدہ کرتی ہوں آج کے بعد کبھی بھیک نہیں مانگو گی، یا اللہ میں اب کسی سے بھی نہیں مانگو گی تیرے سوا... میں خود کوشش کروں گی، لیکن... لیکن یا اللہ زی کو بچا لو۔"

زویا زمین پر بیٹھی آنسو بہاتی ہاتھ پھیلائے آسمان پر دیکھتے ہوئے اللہ سے زی کی زندگی مانگ رہی تھی۔

زویا نے تالاب کی طرف دیکھا تو زی کا ہاتھ بھی اب غائب ہو رہا تھا، اب تو زویا کو بھی ایسے لگ رہا تھا کہ وہ اسے کھونے والی ہے، زویا کے رونے میں اب اور زیادہ شدت آچکی تھی... اب تو وہ بھی بے یقین ہو چکی تھی کہ زی بچ جائے گی... لیکن وہ کیسے بھول گئی تھی کہ اس نے تو اللہ سے زی کی زندگی کو مانگ لیا تھا، روتے ہوئے... سچے دل سے... تو پھر کیسے وہ اس کی دعا قبول نہ کرتا؟ کیسے وہ انہیں اکیلا چھوڑ دیتا۔

اچانک ہی تالاب کا پانی کم ہونا شروع ہو چکا تھا، زویا نے پہلے تو دھیان نہ دیا بس روتی رہی۔

تالاب کا پانی پتہ نہیں کہاں جا رہا تھا، کہاں غائب ہو رہا تھا، آہستہ آہستہ پانی پتہ نہیں کہاں جا رہا تھا اور وہ گڑھا خالی ہو رہا تھا۔

زویا کی نظر جب تالاب میں گئی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، تالاب کا پانی کہیں غائب ہو چکا تھا اور زی کا وجود اس گڑھے میں کیچڑ سے لت پت پڑا تھا۔

"معجزہ؟"...

خالی تالاب کو دیکھ کر زویا کے دماغ میں پہلا لفظ یہی آیا تھا۔ اور اس کے بعد وہ بغیر سوچے سمجھے اس گڑھے کے اندر چلی گئی جہاں زی بے ہوش پڑی تھی، زویا نے اس کے پاس پہنچ کر اس کا گال تھپتھپا کر اسے اٹھانے کی کوشش لیکن زی کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی، زویا نے زی کے پیٹ کی طرف دیکھا تو وہ کچھ زیادہ ہی پھولا ہوا تھا، اچانک سے زویا کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا اور اس نے زی کے پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے زور سے دبایا لیکن وہ کیچڑ والا پانی اس کے منہ سے نہ نکلا، زویا نے اونچی آواز میں روتے ہوئے ایک بار پھر سے زی کے پیٹ کو دبایا، لیکن پانی تب بھی نہ نکلا، زویا نے جب تیسری بار بسم اللہ پڑھ کر دبایا تو پانی فوارے کی طرح زی کے منہ سے نکل کر باہر آ چکا تھا۔

"زی"...!

زویا نے زی کا گال زور سے تھپتھپایا... زی کی بند آنکھوں میں جنبش ہوئی اور آہستہ آہستہ زی نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

زویا نے شکر کا سانس خارج کیا اور دل سے اللہ کا شکر ادا کرنے لگی۔

”زو...زویا میں بچ گئی۔“

زی زویا کے گلے لگ کر رو دی۔

”ہاں، زی! تم بچ گئی۔“

زویا کو ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے بھی ایک نئی زندگی مل گئی ہو۔

”لیکن، اس گڑھے میں موجود پانی کہاں گیا؟“

زویا نے خالی گڑھے کو دیکھ کر ناسمجھی سے پوچھا۔

”معجزہ...اسے معجزہ کہتے ہیں، میراکل (Miracle)، پتہ ہے مجھے تو خود یقین نہیں آرہا۔“

زویا نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بولی۔

“Miracle?”

زی نے بے یقینی سے کہا۔

”ہمم...وہ دیکھو۔“

زویا نے اس گڑھے میں موجود ایک سوراخ کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

زی نے اس سوراخ کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں یعنی... یعنی وہ سارا پانی اس سوراخ کے ذریعے زمین میں جا چکا تھا... وہ دونوں اب بھی بے یقین سی بیٹھیں اس سوراخ کو دیکھ رہی تھیں۔

زویا اور زی دونوں ہی ایک پارک کے اندر موجود پانی کے نل سے اپنا منہ اور ہاتھ وغیرہ دھو رہی تھیں، زی نے بہت زیادہ پانی پیا تھا، کیونکہ کیچڑ والا پانی منہ میں جانے کی وجہ سے اس کے منہ کا ذائقہ عجیب ہو رہا تھا... ان دونوں کی حالت کسی فقیر سے کم نہ لگ رہی تھی، زی کے کپڑے کیچڑ والے پانی کی وجہ سے بلکل خراب ہو چکے تھے، زویا کے کپڑوں کی حالت بھی زی کے کپڑوں سے کم نہ تھی، اس گڑھے میں بیٹھنے کی وجہ سے اس کے کپڑے بھی کیچڑ سے لدے پڑے تھے، لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ کیچڑ اب سوکھ چکا تھا، پوری رات انہوں نے اس پارک میں ہی آکر گزاری تھی، اور صبح ہوتے ہی ان دونوں نے سامنے لگے نل کو دیکھا اور اپنا منہ، ہاتھ، پیر وغیرہ دھونے چل

دیں... پارک میں موجود ایک گارڈ کی نظر جب ان دونوں پر گئی تو وہ ان دونوں کے سر پر جا کر کھڑا ہو گیا اور اپنی انگریزی زبان میں گالیاں بکنے لگا۔

"نکل جاؤ یہاں سے! یہ تم جیسے فقیروں کے گھومنے پھرنے کی جگہ نہیں ہے، چلو بھاگو یہاں سے۔"

اس گارڈ (جو کہ شاید اس پارک کا رکھوالا تھا) نے زی اور زویا پر بھڑک کر کہا اور ان کے ہاتھوں پر زور زور سے اپنے ہاتھ میں موجود ڈنڈا بھی مارا... وہ دونوں جلدی سے وہاں سے بھاگی تھیں۔

پارک سے نکل کر ہی ان دونوں نے سانس لیا تھا۔

"زی!... تمہیں بھوک نہیں لگ رہی کیا؟ تم نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا... اور میں تو یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ تم اب تک ایسے کیسے کھڑی ہو۔"

زویا کو دُکھ بھی ہو رہا تھا اور زی کی فکر بھی۔

"تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی، چلو تمہارے لیے کچھ مانگ دوں۔"

زی نے اس کی بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"نہیں، زی! میں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ میں اب بھیک میں مانگی ہوئی چیز نہیں کھاؤں گی۔"

زویا نے صاف منع کیا۔

''تو پھر کیسے کھاؤ گی؟ توڑ دو وعدہ۔ ویسے بھی وعدے ٹوٹنے کے لیے ہی بنے ہیں۔''

زی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اللہ اسے کیا ہوا وعدہ میں مر کر بھی نہیں توڑ سکتی۔''

زویا کو افسوس ہوا اس کی سوچ پر۔

''ٹھیک ہے، پھر تم ادھر ہی رکو، میں تمہارے لیے اور اپنے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں، اب بھیک میں مانگی ہوئی چیز تو تم کھاؤ گی نہیں، اب میرے پاس صرف ایک آپشن بچتا ہے جو کہ میں نے پہلے دن ہی سوچا تھا، لیکن مجھے لگا تم نہیں مانو گی اس لیے بھیک والا آپشن مجھے بیٹر لگا تھا۔ خیر... تم میرا انتظار کرنا ادھر ہی، ٹھیک دس منٹ بعد میں واپس ادھر آؤں گی۔''

زی اسے تاکید کر کے جانے ہی لگی تھی کہ زویا بول پڑی۔

''کیا کرو گی تم؟ دیکھو میں پہلے ہی بتا ر''......

زویا کو لگا وہ شاید اس سے جھوٹ بول کر بھیک ہی مانگنے جا رہی ہے لیکن زی اس کی بات کاٹتے بولی۔

''فکر نہ کرو، قسم کھاتی ہوں بھیک نہیں مانگو گی، بس تم اِدھر ہی رکنا۔''

زی اب وہاں سے جا چکی تھی، جبکہ زویا اب یہ سوچ رہی تھی کہ زی بھیک نہیں مانگے گی تو کھانا کیسے لائے گی، لیکن اس نے قسم کھائی ہے۔ کیا پتہ وہ کما کر لائے۔"

اپنی آخری سوچ پر زویا تھوڑی خوش ہوئی تھی جبکہ اسے زی کی بات یاد آئی کہ وہ دس منٹ میں اس کے پاس ہو گی... مطلب کہ اب وہ دس منٹ میں جاب تو کر نہیں سکتی تھی پھر کیسے؟

زویا انہی سوچوں میں گُم تھی کہ زی نے آکر اسے ہلایا اور اس کے سامنے ایک بسکٹ اور دودھ کا ڈبہ پیش کیا۔ زویا نے حیرت سے زی کو دیکھا تھا، آخر وہ دس منٹ میں یہ چیزیں کیسے لے آئی تھی، بغیر مانگے اور بغیر کمائے۔

"کیا ہوا؟"۔

زی نے جب اسے حیرت سے خود کو تکتا پایا تو پوچھ بیٹھی، زی کے ہاتھ میں بھی ایک بسکٹ اور ایک دودھ کا ڈبہ تھا۔

"زی! تم... تم یہ سب کہاں سے لائی ہو؟"۔

زویا کی چھٹی حس اسے کچھ غلط چیز کا احساس دلا رہی تھی۔

"چوری کر کے۔"

صاف جواب آیا۔

”کیاااا؟... تم پاگل ہو زی، تم نے چوری کی، تمہیں پتہ ہے کہ یہ کتنی بُری بات ہے، اللہ گناہ دیتا ہے۔“

زویا تو زی پر پھٹ پڑی تھی۔

”زویا! پلیز ز... بھیک میں مانگی ہوئی چیز نہ تو میں کھا سکتی ہوں اور نہ تم، کام تو میں کبھی بھی نہیں کروں گی... ان بے حس لوگوں کے یہاں پر تو بلکل نہیں، اب میں ان سب کو انہیں کے انداز میں بتاؤں گی کہ میں کیا چیز ہوں۔“

زی نے ہاتھ میں موجود بسکٹ کا پیکٹ کھولا اور اسے کھانے لگی، تین دن کی بھوکی تھی وہ، اب تو اسے خود کو بھی بھوک کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

”لیکن میں یہ نہیں کھاؤں گی۔“

زویا نے واپس سے دودھ کا ڈبہ اور بسکٹ کا پیکٹ زی کے ہاتھ میں تھمایا۔

”پلیز ز، زویا! بعد میں یہ فضولیات بک لینا، ابھی یہ کھالو۔“

زی نے اسے واپس سے دودھ کا ڈبہ اور بسکٹ کا پیکٹ تھمایا۔

”میں یہ“......

زویا نے پھر سے منع کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ زی نے اسے جھڑک دیا۔

”ابھی کے لیے کھا لو میں نے کہا ہے نہ، بعد میں بے شک اپنے طریقے سے انتظام کر لینا تم۔“

زویا مرتی کیا نہ کرتی... اسے اس حرام طریقے سے لائی ہوئی چیز کھانی ہی پڑی، لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ حلال طریقے سے اپنے لیے کھانا حاصل کرے گی۔

شام ہو چکی تھی، زی اور زویا دونوں ہی ابھی تک اسی جگہ بیٹھی تھیں جہاں پر صبح وہ پارک سے بھاگ کر آئیں تھیں۔

زی گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی جبکہ زویا کی نظر سامنے سڑک پر تھی، زویا کو سڑک پر ایک گلابی رنگ کی تتلی گری ہوئی نظر آئی، شاید وہ تتلی مر چکی تھی، وہ بھاگ کر سڑک کے درمیان اس تتلی کو اٹھانے چلی گی کہ اچانک ہی سامنے سے ایک تیز رفتار گاڑی آ گئ، زویا اس سے پہلے کہ وہاں سے ہٹتی اس گاڑی نے اسے ٹکڑ ماری اور وہ دور جا گری۔

گاڑی والے کو اپنی فکر لاحق ہو گئ، اس لیے وہ اس کی مدد کی بجائے وہاں سے بھاگ چکا تھا۔

زی نے جب زویا کی چیخ کی آواز سنی تو فوراً سے سر اٹھا کر سامنے دیکھا جہاں زویا خون سے لت پت پڑی تھی۔

"زویا"...!

زویا کو اس حالت میں دیکھ کر وہ صدمے سے چیخی اور بھاگ کر اس کے پاس پہنچی۔

"زو...زویا! آنکھیں کھولو۔"

وہ زویا کا گال تھپتھپاتے بولی لیکن زویا کی نہ آنکھیں کھُلی اور نہ ہی اس کے وجود میں کوئی جنبش ہوئی، زی کی آنکھوں سے بے ساختہ ہی آنسو نکل کر تیزی سے بہنے لگے۔

کچھ لوگ اس لڑکی کو ایسے خون میں لت پت دیکھ کر وہاں سے بھاگ چکے تھے، کیونکہ وہ دونوں لڑکیوں کا حولیہ دیکھ کر سمجھ رہے تھے کہ وہ فقیرنیاں ہیں اور جن لوگوں کو ترس آ بھی رہا تھا وہ بھی دل پر پتھر رکھ کر وہاں سے جانے لگے یہ سوچ کر کہ کہیں اس کا خرچہ انہیں ہی نہ اٹھانا پڑ جائے۔

زی ان لوگوں کو جاتے دیکھ فوراً سے اٹھ کر ان کی طرف لپکی اور روتے ہوئے ان کی منتیں کرنے لگی۔

"میری بہن کا بہت خون بہہ رہا ہے، اسے بچا لیں پلیز، اسے کچھ ہو نہ جائے کہیں۔"

زی روتے ہوئے ایک ایک کے پاس جا کر ہاتھ جوڑتے ہوئے منت کر رہی تھی، لیکن بے حسی کی بھی انتہا تھی، کوئی بھی اس کی مدد کے لیے نہیں آ رہا تھا، بلکہ سارے لوگ ہی رُخ موڑ کر جا رہے تھے۔

"میری بہن کی مدد کر دو... میں یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

وہ اب ایک آدمی کے پاس جا کر اس کے آگے ہاتھ جوڑے کہہ رہی تھی۔ لیکن وہ آدمی الٹا اسے ہی تھپڑ لگاتا وہاں سے چلا گیا۔

زی اب اپنے آپ کو سنبھالتی دوسرے آدمی کے پاس گئی اور اس کے سامنے زمین پر بیٹھ کر ہاتھ جوڑے روتے ہوئے کہنے لگی۔

"میری بہن کی مدد کر دو، خُدا کا واسطہ ہے تمہیں، اسے کچھ ہو جائے گا۔"

وہ آدمی اس کی بات سنے بغیر ہی وہاں سے جانے لگا تو زی نے اس کے پیر بھی پکڑ لیے۔

"خدا کا وسطہ ہے، پلیز ز ز میری بہن کی مدد کر دو۔"

وہ زویا کے لیے گڑگڑاتے ہوئے لوگوں سے مدد مانگ رہی تھی لیکن کوئی بھی اس کی مدد کرنے کے لیے تیار نہ تھا، وہ آدمی بھی اسے اس کے بالوں سے نوچتا اسے پرے کر کے چلا گیا۔

زی کا دل چاہا کہ وہ خود زویا سے پہلے مر جائے۔

"اے خدا... زویا کو بچا لے، میں نہیں جانتی کون سا مذہب ہے میرا، لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ خدا ہے، جس نے مجھے بنایا ہے، اے خدا... زویا کو بچا لے پلیز ز... بچا لے آج زویا کو، میرا گزارا نہیں ہے اس کے بغیر، اسے بچا لے، اسے بچا لے۔"

زی زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی آسمان پر دیکھتے ہوئے... اپنی آنسوئں سے بھری آنکھوں سے... اونچا اونچا روتے ہوئے اپنے خُدا سے مدد مانگ رہی تھی۔

وہ ہچکیوں کے ساتھ رو ہی رہی تھی کہ کسی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، زی نے حیرانگی سے سامنے کھڑی ایک خاتون کو دیکھا جنہوں نے ٹراؤزر اور قمیض کے اوپر ہجاب لے رکھا تھا، ہجاب میں سے ان کا ہلکا ہلکا جھریوں ذدہ لیکن پُر نور چہرہ واضح ہو رہا تھا، وہ خاتون یقیناً مسلمان تھیں۔

"کیا ہوا بچے؟ ایسے رو کیوں رہی ہو؟"۔

اس خاتون نے نہایت ہی شفقت سے انگریزی زبان میں پوچھا، زی اپنے آنسو صاف کرتے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان سے بولی۔

"میری بہن کا ایکسیڈینٹ ہو گیا ہے، وہ خون میں لت پت پڑی ہے، پلیز ز اس کی مدد کر دیں... اسے ہسپتال لے کر جانا ضروری ہے۔"

زی کے بتانے پر اس خاتون نے پریشانی سے پوچھا کہ بچے تمہارہ بہن کدھر ہے؟

”وہ اس طرف ہے، جلدی چلیں بہت خون بہہ رہا ہے اس کا۔“

زی فوراً سے زویا کی طرف بھاگی تو وہ خاتون بھی فکر مندی سے اس کے پیچھے پیچھے چل دیں۔

”ارے اس بچی کا تو بہت خون بہہ گیا ہے۔“

وہ خاتون زویا کے پاس پہنچتے ہی اس کی حالت دیکھ کر پریشانی سے بولیں۔

”اب“...!

زی نے پھر سے رونا شروع کر دیا۔

”ہمیں اسے لے کر ہسپتال جانا ہو گا۔“

خاتون نے فکر مندی سے کہا اور زویا کو اپنے بازوؤں میں اٹھائے ٹیکسی کے پاس لے گئیں، زی بھی ان کے پیچھے چل دی۔

اس خاتون نے زویا کو گاڑی میں بٹھایا اور زی کو بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔

وہ خاتون مسلسل زویا کا خون روکنے کی کوشش کر رہی تھیں، زویا کے ماتھے سے خون زیادہ بہہ رہا تھا، اس خاتون نے اپنے پرس سے رومال نکال کر زویا کے سر پر اچھے طریقے سے باندھا۔ اب زویا کے ماتھے سے نکلتے خون میں کمی آ چکی تھی۔

”میری بہن ٹھیک تو ہو جائے گی نہ؟“

زی نے پوچھا تو خاتون نے اسے تسلی دی۔

"دیکھیے خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے خون کی کمی ہو گئی ہے، ہم نے خون کی بوتل لگا دی ہے، امید ہے کہ کچھ دیر میں اس بچی کو ہوش آجائے، شکر ہے جسم پر صرف خراشیں آئی ہیں، اگر ہڈی ٹوٹ جاتی تو مسئلہ ہو سکتا تھا۔"

ڈاکٹر زویا کے وارڈ سے نکلتے ہی اس خاتون کو بتا رہا تھا، اس خاتون اور زی نے دل سے اپنے خُدا کا شکر ادا کیا۔

"بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ خاتون زی سے پوچھ رہی تھیں۔

"میرا نام زعیمہ ہے، لیکن زویا پیار سے مجھے زی کہتی ہے۔"

زی نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ بتایا، وہ خاتون اس کے اور زویا کے لیے آج کسی فرشتے سے کم نہیں تھیں۔

”اوہ اچھا، تو مطلب میں تمہیں زی کہوں اور آپ کی بہن کا نام زویا ہے، بہت ہی پیارے نام ہیں آپ دونوں کے...ویسے میرا نام فاطمہ ہے۔“

اس خاتون نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو اس کا مطلب کہ میں آپ کو فاطمہ کہوں۔“

زی نے مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھاما۔

فاطمہ ہنس دیں۔

”ویسے تو میرا نام فاطمہ ہے لیکن تم مجھے مِس فاطمہ کہنا۔“

مس فاطمہ نے اس کے بالوں کو پیار سے خراب کرتے ہوئے کہا تو زی دل و جان سے مسکرادی۔

”ویسے تمہاری بہن کے علاوہ اور کون کون ہیں ہیں تمہاری فیملی میں؟“۔

انہوں نے زی کے گال پر پیار کیا۔

”ہم دونوں یتیم ہیں ہمارا کوئی نہیں ہے۔“

زی پھیکا سا مسکرائی تھی۔

”سوری، مجھے پتہ نہیں تھا۔“

مس فاطمہ شرمندہ ہوئیں۔

”ویسے کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ زویا کے ساتھ ہوا کیا تھا؟“۔

مس فاطمہ اب اس سے پوچھ رہی تھیں۔

زی نے یتیم خانے سے لے کر اب تک کی ساری کہانی مس فاطمہ کو سنا دی۔ ساری کہانی سُن کر مس فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، انہوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر زی کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

”کوئی بات نہیں بچے، اب تم میرے ساتھ میرے گھر چلنا، ٹھیک ہے۔“

وہ اس سے الگ ہو کر اپنے آنسو صاف کرتے مسکرا کر بولیں۔

”آپ کے گھر میں کون کون ہے؟“۔

زی کے سوال پر وہ ہلکا سا مسکرائیں۔

”میں بھی یتیم ہوں، میرا بھی کوئی نہیں ہے۔“

”سوری، مجھے پتہ نہیں تھا۔“

زی نے انہی کی طرح ان سے معافی مانگی تو وہ ہنس دیں۔ اور بولیں۔

”کوئی بات نہیں اب پتہ چل گیا نہ، اب ہم تینوں ایک ساتھ مل کر ایک فیملی کی طرح رہیں گے، ٹھیک ہے۔“

”آپ کرتی کیا ہیں؟“ زی شاید سارے سوال آج ہی کرنا چاہتی تھی۔

”میں؟... میں ایک ریستوران میں ویٹریس کی جاب کرتی ہوں۔“

انہوں نے اپنا کام بتایا۔

”اچھا... زویا بھی پھر یہی جاب کرلے گی۔“

زی خوش ہوئی تھی۔

”کیوں؟ وہ کیوں کرے گی یہ جاب؟ وہ پڑھے گی، میں پڑھاؤں گی اسے اور تمہیں بھی۔“

مس فاطمہ کو دُکھ ہوا تھا جاب والی بات کا سُن کر۔ زی نے کچھ نہ کہا، بس خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

ایک مہینے بعد

”مس فاطمہ! مجھے بھی آپ کے ساتھ آپ والی جاب کرنی ہے۔“

زویا اور زی کو ان کے ساتھ رہتے ہوئے ایک مہینہ ہو چکا تھا، اور اس ایک مہینے میں مس فاطمہ نے ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا تھا، اس ایک مہینے میں ہی زی اور زویا دونوں ہی مس فاطمہ سے بہت اٹیچ ہو چکی تھیں، وہ اب ان سے ہر بات کر لیتی تھیں، زویا کے بازو اور ٹانگ پر آئی چوٹیں بلکل ٹھیک ہو چکی تھیں، لیکن اس کے ماتھے پر ابھی بھی ہلکا ہلکا چوٹ کا نشان تھا جو کہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔

”کیوں بچے؟ تم کیوں کرو گی جاب؟ تم صرف اور صرف پڑھو گی۔“

مس فاطمہ نے اسے ڈپٹا تو زویا کا منہ بن گیا۔

”میں پڑھوں گی بھی اور آپ کے ساتھ جاب بھی کروں گی، میں بس جاب کرنا چاہتی ہوں۔“

زویا نے ضد کی۔

”ابھی تم بہت چھوٹی ہو، نہیں ہو گا تم سے کام۔“

فاطمہ بیگم نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا، لیکن زویا اب بھی اپنی ضد پر اڑی رہی۔

”نہیں زویا، میں نے کہہ دیا نہ۔ نہیں تو مطلب نہیں۔“

اب مس فاطمہ کو غصہ آنے لگا تھا اس کی ضد پر۔ زی لاؤنج میں بیٹھی تھی جبکہ مس فاطمہ کچن میں برتن دھو رہی تھیں اور زویا کو سمجھا بھی رہی تھیں۔

"پلیز، مس فاطمہ! میں ریستوران میں بس چھوٹا موٹا کام کر دیا کروں گی لیکن بس آپ مجھے اپنے ساتھ کام پر لگا لیں۔ ویسے بھی تو میں اور زی آپ کے ساتھ کام پر جاتی ہیں۔"

زویا کا انداز ضد لیے ہوئے تھا۔

"نہیں، زویا! بُری بات، میں نے منع کر دیا نہ۔"

مس فاطمہ غصے سے زویا پر چیخیں تو زویا روتے ہوئے کچن سے بھاگ گئی۔ انہوں نے اس ایک مہینے میں پہلی بار زویا پر غصہ کیا تھا۔

"آپ زویا کی بات مان کیوں نہیں لیتیں؟"

مس فاطمہ کچن سے باہر آئیں تو زی نے پوچھا۔

"میں کیا کروں زی؟ میں نہیں کروا سکتی اس سے یہ کام، کل کو جب میں مر جاؤں گی تو میرا اللہ مجھ سے سوال کرے گا کہ میں نے ایک یتیم بچی کو اپنے کام کے لیے استعمال کیا تو میں کیا جواب دوں گی اپنے رب کو؟"

مس فاطمہ زی کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں، لیکن زی کی اگلی بات سُن کر مس فاطمہ دنگ رہ گئیں۔

''آپ بھی تو یتیم ہیں، آپ بھی تو جاب کرتی ہیں، اس لیے زویا بھی حق رکھتی کہ وہ جاب کرے، بقول آپ کے، مرنے کے بعد جب آپ کا رب آپ سے سوال کرے گا اسی طرح وہ زویا سے بھی سوال کرے گا کہ اس نے اپنا خرچہ ایک یتیم سے مانگا... جس کا خود کا کوئی کمانے والا نہیں تھا سوائے اس کے خود کے۔''

وہ دس سال کی لڑکی تو بلکل بھی نہیں لگتی تھی، جو بہت بڑی بڑی باتیں کرنا جانتی تھی، مس فاطمہ نے اس کی بات سے اندازہ لگایا تھا۔

''لیکن وہ ابھی بچی ہے۔ایک چھوٹی سی بچی۔'' مس فاطمہ فکر مند لہجے میں بولیں۔

''ہاں وہ ہے بچی، اس لیے تو کہہ رہی ہوں کہ آپ اسے اپنی عادت نہ ڈلوائیں۔ اگر اس کو آپ کی عادت ہو گئی تو کل کو وہ ہر کام کرتے وقت سستی دکھائے گی اور آپ کو پتہ ہے وہ خود بھی یہی سوچتی ہے اس لیے تو وہ اپنی ضد پر قائم ہے۔''

وہ لڑکی کیا چیز تھی، کیسے وہ مس فاطمہ کے ذہن سے بھی آگے کا سوچتی تھی۔

''لیکن، زی!... تم بھی تو ہو، تم تو ضد نہیں کر رہی۔ اور اگر زویا وہاں پر کام کرے گی تو میں تمہارے پاس کسے بٹھاؤں گی وہاں۔''

مس فاطمہ کا بلکل بھی دل نہیں مان رہا تھا زویا کی جاب کے لیے۔ اور وہ بھی ایک ویٹریس۔

''میرا کیا ہے، میں گھر میں رہ لوں گی، آپ لوگ کام پر جایا کیجیے گا اور میں گھر میں رہ کر گھر کے کام کر دیا کروں گی۔''

زی اور وہ بھی کام... یہ جملہ اگر زویا سُن لیتی تو غش کھا کے مر جاتی۔

''لیکن تم کیسے کرو گی گھر کا کام، ابھی تو تم چھوٹی سی ہو... اور تو اور جب کل کو میرا اللہ''......

مس فاطمہ ابھی بول ہی رہی تھیں کہ زی نے انہیں ٹوک دیا۔

''اونہوں... میں نے آپ سے ابھی کیا کہا ہے؟''۔

زی نے انہیں اپنی پہلے کہی ہوئی بات یاد دلائی تو مس فاطمہ خاموش ہو گئیں۔

''زی! تم... تم اسلام قبول کر لو۔''

مس فاطمہ گہرا سانس لیتی بولیں۔

''مس فاطمہ! آپ مجھ سے جو مرضی کہہ لیں لیکن یہ بات نہ کہیں۔''

زی یہ کہہ کر فوراً وہاں سے بھاگ گئ تھی۔ پیچھے مس فاطمہ بھی مایوس ہو کر زویا کے کمرے کی طرف چل دیں، اب انہیں زویا بی بی کو بھی تو منانا تھا۔ جو روٹھی ہوئی لیلہ بن کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"اوہ، لیلہ"...!

مس فاطمہ کے منہ سے اچانک ہی نکلا تھا اور اپنی سوچ پر وہ خود ہی ہنس دیں۔

آہستہ آہستہ وقت گزرتا رہا، زویا صبح مس فاطمہ کے ساتھ جا کر ریستوران میں کام کرتی اور زی گھر میں رہ کر گھر کے کام کرتی اور جب شام کو زویا اور مس فاطمہ واپس گھر آتی تو انہیں گھر چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا... وہ دونوں زی کی صفائی کو داد دیے بغیر نہ رہ پاتی تھیں، لیکن یہ تو صرف زی ہی جانتی تھی کہ گھر چمکانے کے علاوہ وہ اور کیا کیا کام سرانجام دیتی ہے، شام کو کھانا کھانے کے بعد مس فاطمہ، زویا اور زی دونوں کو پڑھاتی تھیں، پڑھنے کے بعد زی اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی اور زویا کو مس فاطمہ قران پڑھاتی تھیں۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا اور تین سال بعد وہ ہوا جس کا زویا اور زی نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، مس فاطمہ ریستوران میں ٹرے پر چیزیں رکھ رہی تھی کہ اچانک ان کے دل میں بہت زور سے درد اٹھا اور وہ نیچے گر گئیں، ہسپتال لے جانے کے بعد پتہ چلا کہ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ ان سب کو چھوڑ کر چلی گئی تھیں، زویا اس دن زی کے گلے لگی بہت روئی تھی، زی جو مس فامہ کے ہوتے ہوئے بول لیا کرتی تھی اب ان کے جانے کے بعد اس نے بھی چُپی سادھ لی تھی، زویا اگر کوئی بات کرتی تو وہ اس کا جواب ایک یا دو لفظ میں دے کر پورا کر دیا کرتی تھی... وہ دونوں گھر میں اب اکیلی ہو چکی تھیں، کوئی نہیں ہوتا تھا ان کے پاس... زویا اب اکیلے ہی ریستوران جایا کرتی اور زی بھی اپنے کام میں مصروف تھی... ایک دن جب زویا شام کو گھر آئی تو زی کو کہیں نہ پا کر وہ اس کے کمرے میں چلی گئی جہاں زی کمرے میں بہت سارے فونز، لیپ ٹاپز اور پتہ نہیں کون کون سی الیکٹرونک ڈیوائسز پھیلائے بیٹھی تھی، زویا نے پھٹی آنکھوں سے سامنے کا منظر دیکھا تھا۔

زویا بھاگ کر زی کے پاس گئی اور ہانپتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"زی یہ... یہ چیزیں تم کہاں... کہاں سے لائی ہو؟"۔

زویا پتہ نہیں کس خوف کے تحت، بہت ہانپ رہی تھی۔

"زویا! جاؤاور مجھے میرا کام کرنے دو۔"

زی مصروف سے انداز میں بولی۔

"نہیں...پہلے...پہلے تم مجھے بتاؤ کہ یہ ساری چیزیں کہاں سے آئی ہیں۔"

زویا نے زی کا کندھا زور سے ہلایا۔

"چوری کی ہیں...خوش؟اب جاؤ یہاں سے۔"

زی چیخ کر بولی تو زویا نے صدمے سے اسے دیکھا۔

"زویا! مس فاطمہ ہمیں چھوڑ کر کیا چلی گئیں، تم نے توڑا کے"...

"تین سال... پچھلے تین سال سے کر رہی ہوں میں یہ کام،اس لیے اب تم مجھے تنگ نہ کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

زی پھر سے چلائی، زویا کو تو جھٹکے لگ رہے تھے۔

"زی! دیکھو... یہ غلط کام ہے اللہ گناہ دیتا ہے۔"

زویا نے اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی تو زی ایک بار پھر بھڑک اٹھی۔

"زویا! کتنی بار کہوں تم سے میں... کہ میں نہیں جانتی اپنا مذہب اس لیے پلیز ز... نکل جاؤ یہاں سے۔"

”ٹھیک ہے... کرو تم یہ کام... مجھے بھی پھنساؤ اور خود بھی پھنسو... اکٹھے چلیں گے جیل میں۔“

زویا اسے وارن کرتی، کمرے سے نکل گئی۔

اس کی بات پر پتہ نہیں کیوں زی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

زویا پہلے تو کچھ دن زی سے بات نہیں کرتی تھی، لیکن پھر اس کی زبان بھی چُپ رہنے پر جواب دے گئی۔ زی سے آخر وہ کتنے دن ناراض رہ سکتی تھی اور رہی زی تو زویا کو سو فیصد یقین تھا کہ کبھی بھی وہ اس کو آکر نہیں منائے گی۔ زویا باتوں باتوں میں ہمیشہ اسے چوری کرنے سے منع کرتی تھی لیکن زی کی گھوریوں پر وہ بھی چُپ ہو جاتی تھی۔

سال گزرتے گئے زی کی چوریاں بڑھتی گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ میامی کی سب سے بڑی ”زی دی فیمس تھیف“ بن گئی۔

اب ہر کوئی اسے زی کے نام سے جانتا تھا، لیکن کسی نے آج تک زی دی فیمس تھیف کو دیکھا نہیں تھا، دنیا جہاں کی پولیس لگی تھی اس کے پیچھے، لیکن ابھی تک وہ ناکام رہی

تھی زی کو پکڑنے میں۔زی کو پکڑنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔وہ جو سات منٹ میں چوری کی ایک بڑی واردات کرسکتی تھی اسے پکڑنا کوئی آسان کام تھا بھلا۔

سات منٹ میں کون کر سکتا تھا چوری کی ایک بڑی واردات؟

زی کرسکتی تھی،

ہاں زی کرسکتی تھی،

صرف زی کرسکتی تھی۔

زویا بہت حیران ہوتی تھی زی پر، وہ کیسے میامی کی دی فیمس تھیف بن چکی تھی، اسے تو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ زی ابھی تک پکڑی کیوں نہیں گئی تھی، لیکن اس کے ساتھ اسے ایک ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ اگر زی پکڑی گئی تو؟ اس کے آگے کا سوچ کر بھی اسے خوف آتا تھا، بہت خوف... لیکن کیا اسے خوف آنا چاہیے تھا؟

حال

”آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ چوری کے پیسے، ہیرے، جواہرات وغیرہ کا وہ کیا کرتی تھی؟ آپ نے کبھی دیکھا ہے کہ کبھی اس نے ڈائمنڈ کی کوئی چیز پہنی ہو؟...یقیناً نہیں دیکھا... آپ کو پتہ ہے کہ وہ پیسے، بڑے بڑے ہیروں اور ان قیمتی زیورات کا کیا کرتی تھی؟“۔

آخر میں زویا نم آنکھوں سے ہلکا سا مسکرائی تھی۔

آہل چونکا تھا، وہ دم سادھے کھڑا تھا زویا کی اگلی بات سننے کے لیے، دل ہر دھڑکن کے ساتھ رفتار پکڑ چکا تھا۔

”وہ ان ہیروں کو، ان قیمتی جواہرات کو بیچ دیا کرتی تھی...اور پھر ان کو بیچنے کے بعد جو پیسے ملتے تھے...وہ ان پیسوں کو... دنیا بھر کے... تقریباً تمام یتیم خانوں میں... تقسیم کر دیا کرتی تھی۔“

بولتے بولتے زویا کا گلا رندھا گیا تھا۔ آہل کا دل کیا کہ اپنے زبان کاٹ لے، وہ کیا کیا نہیں بول گیا تھا اس لڑکی کے سامنے... کیا وہ لڑکی چور تھی؟... نہیں وہ تو ایک... وہ تو ایک مسیحا بنی تھی ان لوگوں کے لیے جو اسی کی طرح یتیم تھے۔

"پتہ ہے... محبت کرتی ہے وہ آپ سے۔"

زویا نے آہل کے سر پر بم ہی تو پھوڑا تھا، وہ ساکت کھڑا زویا کو دیکھ رہا تھا، یہ زویا نے کیا کہہ دیا تھا۔

"اور مجھے لگتا ہے کہ غلط شخص سے محبت کرلی اس نے۔ دل توڑ دیا آپ نے اس کا۔"

زویا کی آنکھوں سے آنسو ایک بار پھر سے روانی کے ساتھ بہنے لگے۔ آہل کا دل کیا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں دفن ہو جائے، یہ اس نے کیا کر دیا تھا؟... اس نے بہت انمول خزانے کو ٹھکرا دیا تھا۔

"اس دن جب آپ لوگ اسے لے کر گئے تھے اپنے ساتھ، اپنی وہ فلیش حاصل کرنے کے لیے، تب وہ اپنا فون گھر پر بھول گئی تھی۔"

زی کا فون بار بار رنگ ہو رہا تھا، زویا واشروم سے نکلی تو زی کے فون کو چلاتے دیکھ فوراً سے زی کے فون کی طرف بھاگی اور فون اٹھالیا۔

”زعیمہ میم! تھینک یو سو مچ، ہمیں رقم موصول ہو چکی ہے جو آپ نے یتیم بچوں کے لیے دی ہے... ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں، پچھلے کئی سالوں سے آپ نے ہمارے یتیم خانے کی بہت مدد کی ہے، آپ ہی کی بدولت ہمارا یتیم خانہ چل رہا ہے، ایک بار پھر سے آپ کا بہت بہت شکریہ۔“

فون میں سے ایک خاتون کی آواز گونج رہی تھی اور زویا کو لگ رہا تھا کہ شاید سامنے والے نے رانگ نمبر ملا دیا ہے لیکن سامنے والی لڑکی اُردو میں بات کر رہی تھی اس نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا تو پاکستان کا نمبر تھا اور اس لڑکی نے زی کا نام لیا تھا۔

”مطلب کہ وہ زی...... نہیں نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔“

زویا اس بات کو ماننے سے انکاری تھی۔

”اہم اہم... جی کون؟“

زویا نے پوری بات سننے کے بعد آخر میں پوچھ لیا۔

”آپ زعیمہ ہی بات کر رہی ہیں نہ میامی سے۔“

اس لڑکی کا انداز سوال لیے ہوئے تھا۔

زویا کو لگا شاید آج اس کے کانوں کو کچھ ہو گیا ہے، اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ سامنے والی لڑکی یہ کیسی باتیں کر رہی تھی۔ لیکن پھر اپنے آپ کو سنبھالتی بولی۔

"جی... جی، میں زعیمہ بات کر رہی ہوں میامی سے۔"

"اوہ، پھر ٹھیک ہے... مجھے لگا کہ شاید رانگ نمبر ڈائل کر دیا میں نے، ایک بار پھر سے آپ کا شکریہ۔"

زویا کا دماغ تو کئی سوچوں میں الجھ چکا تھا۔

"جی، یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے... اللہ حافظ۔"

زویا نے کہتے ساتھ خود ہی فون کاٹ دیا۔

"یہ... یہ لڑکی کیسی باتیں کر رہی تھی، کیا زی سچ میں... لیکن کیسے؟... ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

زویا اب تیزی سے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی کہ اچانک اس کی ذہن نے کام کرنا شروع کیا... اس نے زی کا فون انلاک کرنا چاہا تو سامنے پاسورڈ لگا ہوا تھا، زویا نے جلدی سے "Zaima" ٹائپ کیا لیکن پاسورڈ نہ کھلا، پھر اس نے "Miss Fatima" ٹائپ کیا لیکن پھر بھی پاسورڈ نہ کھلا... پھر اس اپنا نام "Zoya" ٹائپ کیا لیکن تب بھی نہ کھلا۔

"ستیاناس ہو... پتہ تھا مجھے، میرا نام تو ہو ہی نہیں سکتا، پتہ نہیں کس منحوس نام کا پاسورڈ رکھا ہوا۔"

زویا کے تو سر پر ہی چڑھ گیا غصہ۔

زویا نے کسی سوچ کے تحت ایسے ہی "Ahil" ٹائپ کر دیا کہ فون فوراً سے انلاک ہو گیا۔اس کی آنکھیں تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ وہ آہل ٹائپ کرے گی اور پاسورڈ جھٹ سے کھل جائے گا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا...زی جس انسان سے نفرت کرتی ہے سب سے زیادہ اس کے نام کا پاسورڈ... کہیں زی بھائی سے...... نہیں نہیں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے، زی اور وہ بھی محبت......آہاں، مان ہی نہیں سکتی میں۔“

زویا کے سر پر تو دھماکے ہی دھماکے ہو رہے تھے۔

زویا نے سر جھٹکا اور فوراً سے فون کی چیکنگ شروع کر دی۔اس نے پہلے کانٹیکٹس چیک کیے جہاں پر پتہ نہیں ہزاروں کی تعداد میں نمبرز موجود تھے، حلانکہ اس کے پاس صرف زویا کا ہی نمبر ہونا چاہیے تھا اس فون میں جو کہ اس کا پرسنل فون تھا، باقی کے جو بہت خاص نمبرز، جو کہ واردات میں استعمال ہوتے تھے، انہیں وہ اپنے دوسرے فونز میں ہی رکھتی تھی، زویا نے ایک ایک کر کے نمبرز چیک کرنے شروع کیے۔

زویا آنکھیں پھاڑے ان نمبرز کو چیک کر رہی تھی، وہ نمبرز پتہ نہیں کہاں کہاں کے تھے، تقریباً دنیا کے ہر ملک کے نمبرز شامل تھے اس فون میں جو کہ زویا نہیں جانتی تھی

کہ کس کس کے تھے، زویا جیسے جیسے نمبرز چیک کرتی جارہی تھی ویسے ویسے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جارہی تھیں۔

"یااللہ.. یہ زی کیا چیز ہے، وہ... سچ میں۔"

زویا کی آنکھیں فوراً سے نم ہوئی تھیں۔اس لیے تو جب اس نے الگ الگ ممالک کی آبادی پوچھی تھی زی سے تو اس نے کیسے فوراًاور جھٹ سے بلکل صحیح جواب دیا تھا۔

زویا نے فوراً سے گیلری چیک کی تو اس میں زویا کی بہت سی تصویریں جمع تھیں جو کہ پچھلے دس سال سے لے کر اب تک کی تھیں،ان تصویروں کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ تصویریں چھُپ کر لی گئی تھیں،زویا کی آنکھوں سے کئی آنسو ٹوٹ کر بہہ نکلے۔

"یہ موبائل بھی کیسی چیز ہے نہ،اپنے اندر پتہ نہیں کتنے ہی راز لیے ہوتا ہے۔"

"زی! تم......"زویا سے بولا نہ گیا اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی،وہ جیسے جیسے تصویریں دیکھتی جارہی تھی اسے رونا آتا جارہا تھا،ایک تصویر میں زویا مس فاطمہ کے پاس قران پڑھ رہی تھی تو ایک تصویر میں وہ مس فاطمہ کے ساتھ برتن دھُلوا رہی تھی۔

زویا کو اپنے کمرے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس نے فوراً سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔زی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

”زویا! تم یہ کیا کر رہی ہو؟“ زی فوراً سے اس کے پاس گئی تھی اور اس کے ہاتھ سے اپنا فون جھپٹتے ہوئے پوچھنے لگی کہ وہ کیا کر رہی تھی اس کے فون کے ساتھ، آج وہ پتہ نہیں کیسے غلطی سے اپنا فون گھر پر ہی بھول گئی تھی۔

"زی تمہیں پتہ ہے اس فون نے آج مجھے ایک بہت اچھی خوشخبری سنائی ہے۔"

زویا نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی، زی چونکی تھی۔

"آج مجھے اس فون کے ذریعے پتہ چلا کہ میری بہن اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہے، اس لیے تو اللہ میری بہن سے محبت کرتا ہے۔"

زویا کی باتوں سے زی کے دل نے جو اسے بتایا، زی کو لگا کہ وہ ٹھیک نہیں ہوا۔

زویا زی کے گلے لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”زی! تم اتنی اچھی کیسے ہو؟“

وہ زی سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

”کیا وہ اچھی تھی؟ شاید نہیں... ایک چور بھلا کیسے اچھا ہو سکتا ہے۔“

زی نے تلخی سے سوچا۔

زویا نے زی کو بتایا کہ اس نے اس کے فون میں کیا دیکھا تو زی نے نظریں چُرا لیں۔ زویا سب دیکھ چکی تھی، اب وہ بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، لیکن اچانک سے اس کے دماغ میں ایک جھماکہ ہوا تھا۔

”زویا نے پاسورڈ کیسے کھولا تھا؟“۔

زویا پتہ نہیں زی سے کیا کیا باتیں کر رہی تھی لیکن زی ماؤف دماغ کے ساتھ بس یہ سوچے جا رہی تھی کہ اس نے پاسورڈ کیسے کھولا... آخر میں تنگ آ کر اس نے خود ہی پوچھ۔

”ارے پاسورڈ تو بہت آسان تھا... بھائی کا نام، مجھے نہیں پتہ کہ تمہیں بھائی سے محبت ہے۔“

زویا واضح تو رو رہی تھی لیکن آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ شرارت بھی صاف واضح ہو رہی تھی۔

”ایسی... ایسی بات نہیں ہے۔“

زی نے پھر سے نظریں چرائیں۔

”ارے اب مجھ سے کیا چھپانا۔“

زویا نے زی کے کندھے سے کندھا ٹکرایا۔

"شٹ اپ، زویا"...!

زی نے زویا کو گھورا۔

"ارے، اب یہ مصنوعی گھورنا کیسا... صاف بتاؤ کہ شرما رہی ہو۔"

زویا کا انداز شرارت سے بھرپور تھا۔

"زویا!...وہ"......

"قسم کھاؤ میری اور مس فاطمہ کی، کہ تم بھائی سے محبت نہیں کرتی۔"

زویا نے زی کی بات کاٹتے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"نہیں ہے مجھے محبت تمہارے بھائی سے۔"

زی نے تھوک نگلتے زویا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جھوٹ بولا۔ وہ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بول رہی تھی۔ سفید جھوٹ۔

"میں نے کہا کہ میری اور مس فاطمہ کی قسم کھاؤ۔"

زویا نے پھر سے اپنی بات دہرائی۔

"نکلو زویا یہاں سے، تنگ نہ کرو مجھے۔"

زی نے اپنا پہلے والا روپ دھارتے کہا، لیکن زویا نے تو آج قسم کھا رکھی تھی کہ زی کے دل میں چھُپے سارے راز نکلوا کر ہی دم لے گی۔

"راز... ہاں راز... سارے راز دل سے ہی تو جُڑے ہوتے ہیں۔"

"نہیں نکلوں گی میں یہاں سے، پہلے تم مجھے بتاؤ کہ تم بھائی سے محبت کرتی ہو کہ نہیں، اس کے بعد میں پکا کبھی بھی اس ٹاپک پر بات نہیں کروں گی۔ زویا کا انداز اب ضد لیے ہوئے تھا۔

"زویا! میں کیا کہہ رہی ہوں، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

زی کو اب غصہ آرہا تھا۔

"نہیں پہلے تم بتاؤ"!

زویا نے اپنی دونوں ٹانگوں کو وہیں پر کھڑے کھڑے تیزی سے چلایا کسی ضدی بچے کی طرح۔

"زویا بحث مت کرو"!

زی نے دانت پیستے ہوئے کہا اور غصے سے زویا کو آنکھیں بھی دکھائیں، اس کی برداشت اب ختم ہو رہی تھی، لیکن آج تو زویا پر زی کی گھوریوں کا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"نہیں ہمیشہ تم نے مجھ سے ہر بات چھپائی لیکن آج میں سب جان کر ہی رہوں گی۔ تم نے مجھ سے ہمیشہ ہر بات چھپائی لیکن آج... آج میں سب جان کر رہی یہاں سے جاؤں

گی، اور اگر تم نے مجھے کچھ نہ بتایا تو میں ابھی جا کر سب کو بتا کر آؤں گی کہ زی بھائی سے محبت کرتی ہے اور تو وہ یتیم خانوں میں"...

زویا اب دھمکی دے رہی تھی اور زی کی برداشت بھی اس کی آخری بات پر ختم ہو چکی تھی۔

"ہاں، کرتی ہوں محبت میں ان سے، سُن لیا تم نے، اور اب دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے اس پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں۔"

زی غصہ سے چلا کر بولی تھی، جبکہ زویا اس کے غصے سے کانپنے کی بجائے خوشی سے مسکرا دی اور آخر میں اپنے دانتوں کی نمائش بھی کر دی۔

"ہی ہی ہی، میں تو نہیں جا رہی یہاں سے، ابھی تو مجھے تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔"

زویا نے کہتے ساتھ ہی زی کو بازو سے کھینچ کر بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی ایک سیکنڈ کی تاخیر کیے بغیر اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی، زی ہکا بکا بیٹھی اپنی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی زویا کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”یار زی پلیز ز، میرا ابھی دل نہیں کر رہا کمرے سے جانے کو، مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہے۔زویا نے مسکین سی شکل بناتے کہا تو زی بھی کچھ نرم پڑی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئ۔

”زی“...!

زویا نے زی کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے دیکھا تو پکار بیٹھی۔

”ہمم“...

زی نے آنکھیں موندے کہا۔

”تمہیں بھائی سے محبت کب ہوئی تھی؟“

زویا کی سبز آنکھوں میں اب پھر سے شرارت چمک رہی تھی۔

”یہ میں کبھی بھی نہیں بتاؤں گی تمہیں،اس لیے اپنی زبان کو زرا سیدھا کرو، کچھ زیادہ ہی ٹیڑھے سوال کر رہی ہے۔“

زی کی بات پر زویا کا منہ بن گیا۔

”اچھا تو پھر تم نے پہلی چوری کب کی تھی؟“۔

زویا نے اب ہی تو زی سے پتے کا سوال کیا تھا، زی کو تو ایسا ہی لگا۔

"جب ہم اس پارک سے بھاگے تھے، اور ہمیں بھوک لگ رہی تھی، تب میں اپنے لیے اور تمہارے لیے بسکٹ کا پیکٹ اور دودھ لے کر آئی تھی، وہ میری پہلی چوری کے پیسوں کی چیزیں تھیں۔ میں نے ایک لڑکے کا پرس چُرایا تھا تب۔

"اور دوسری چوری کب کی تھی؟"۔ زویا کو اب تجسس ہو رہا تھا آگے کی بھی کہانی جاننے کا۔

"جب تم پہلے دن ریستوران میں مس فاطمہ کے ساتھ ویٹریس کی جاب کرنے گئ تھی اسی دن، میں گھر سے باہر نکلی تھی، اور آہستہ آہستہ میں نے چھوٹی چھوٹی چوریوں سے بڑی بڑی چوریاں کرنی شروع کر دی، تب تم مس فاطمہ کے ساتھ ان کے کمرے میں سوتی تھی جبکہ میں اکیلی ایک کمرے میں، اور تبھی میں راتوں کو بھی چوری کی واردات کرنے لگی۔"

زی نے ابھی بھی ویسے ہی آنکھیں موندی ہوئی تھیں۔

"اور تمہیں یہ لیپ ٹاپز وغیرہ کی ہیکنگ کرنی کہاں سے آئی تھی؟"۔

زویا کا انداز اب دلچسپی لیے ہوئے تھا۔

"زویا میں دس سال کی تھی، جب یہ لیپ ٹاپز، فونز اور بڑی بڑی ڈیوائسز چوری کرنے لگ گئ تھی، تب راتوں رات ان سے پنگے لیتے ہوئے ان ڈیوائسز کا استعمال سیکھتے ہوئے

میں کئی کئی ڈیوائسز، لیپ ٹاپز اور فونز بھی خراب کر دیتی تھی، ہر طرح کی ڈیوائس موجود ہوتی تھی میرے پاس، ایک سے بڑھ کر ایک، دن رات ان چیزوں پر محنت کرتی تھی میں، کہ ایک دن کچھ نیا تو سیکھ جاؤں گی، اور اسی طرح آج میں اس مقام پر ہوں کہ اب مجھے یعنی کہ زی کو سب آتا ہے، مس فاطمہ کی ڈیتھ کے بعد میں نے اپنے خفیہ کمرے کے لیے بھی کام کرنا شروع کر دیا، اس کمرے پر بہت محنت لگی تھی زویا میری، بہت زیادہ، جب بھی میں یہ سوچتی ہوں کہ وہ کمرہ میں نے کس کس طریقے سے تیار کیا تھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

زی نے بند آنکھوں سے ہی اپنی آنکھوں میں آنے والی نمی کو فوراً سے جذب کیا تھا۔ زویا کو اب حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا تھا۔ مطلب کہ زی نے خود وہ کمرہ تیار کیا تھا، بغیر کسی کی مدد لیے، کیا کوئی اتنا ذہین اتنا محنتی بھی ہو سکتا ہے، اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ ایسا شخص بھی ہے دنیا میں تو وہ بے شک زی کا نام لے دیتی۔

ان کی پوری رات ایسے ہی سوال جوابوں میں گزر گئی، زویا پتہ نہیں کون کون سے سوال کر رہی تھی جس کا جواب زی بہت نرمی سے دے رہی تھی۔

"آپ نے بہت بُرا کیا ہے بھائی، زی کے ساتھ۔ میں اس کے لیے اپنی جان بھی دے دوں نہ تو بھی اس کے احسان میرے سر سے کبھی نہیں اتریں گے، آپ جسے ایک چور سمجھتے ہیں، وہ ایک چور کی شکل میں کیا نکلی...ایک فرشتہ۔"

آہل کا بس چلتا تو وہ اس وقت میں واپس جا کر اپنے الفاظ واپس لے لیتا، لیکن کمان سے نکلا ہوا تیر اور منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی واپس بھی آتے ہیں کیا؟ آنسو تھے کہ پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھے، اس سے پہلے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو جاتے، وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھنے لگا۔

"صائم! چلو میرے ساتھ۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے مڑے بغیر صائم سے مخاطب ہوا تھا اور تیزی سے گھر کا دروازہ عبور کرتا باہر نکل گیا۔ صائم بھی تیزی سے اس کے پیچھے گیا تھا، وہ تینوں جانتے تھے کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

زویا نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا تھا، جبکہ دادو ابھی تک صوفے پر نڈھال سی آنسو بہا رہی تھیں، ان کے ذہن میں زی کے الفاظ گونج رہے تھے۔

”) تمہیں پتہ ہے زویا تم بہت معصوم ہو، تمہیں اپنے بھائی پر یقین ہو سکتا ہے لیکن مجھے اپنے شوہر پر نہیں، میں ہمیشہ سے یتیم تھی، ہوں اور رہوں گی بھی... میں محبت کی عادی نہیں ہوں، کیونکہ شروع دن سے کسی کی بھی محبت مجھے میسر نہیں ہوئی۔(“

اس دن انہوں نے دروازے کے باہر کھڑے زی کی ساری بات سنی تھی، انہوں نے تو تب یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اس لڑکی کو کبھی دُکھ نہیں پہنچنے دیں گی، لیکن آج... آج ان کے پوتے نے یہ کیا کر دیا تھا؟ زویا نے تو انہیں ساری سچائی پہلے ہی بتا دی تھی، تب انہیں وہ لڑکی زویا کے لیے کسی فرشتے سے کم نہیں لگی تھی۔

زی نے اپنا بیگ پیک کر لیا تھا، اس نے اس میں اپنی ساری ضرورت کی چیزیں رکھ لی تھیں، ایک آخری نظر زویا کے اس غریب خانے پر ڈال کر وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی، بچپن سے لے کر اب تک کی ساری یادیں اس کے ذہن میں کسی فلم کی طرح گھومنے لگی... اس کی آنکھوں کا پیالہ فوراً سے بھر آیا تھا... اس نے اپنی آنکھیں

رگڑیں اور داخلی دروازہ کھول کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیے، وہ دروازے کو تالا لگا کر مڑی ہی تھی کہ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکلتے نکلتے رہ گئی۔

سامنے آہل اپنی پوری فوج کے ساتھ کھڑا تھا... صائم، آہل سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا تھا... اور اس کے پیچھے اس کی کالی فوج، ہاتھوں میں بندوقیں تھامے کھڑی تھی۔

اب وہ یہاں کیا لینے آیا تھا... اپنے پچھلے الفاظوں سے دل نہیں بھرا تھا اس کا جواب دوبارہ اس کے سامنے کھڑا تھا... ہاں شاید ابھی بھی تین الفاظ رہتے تھے جو اس کے دل کو چھلنی کرنے کے لیے کافی تھے... زی کا دل کیا کہ وہ وہاں سے کہیں دور بھاگ جائے اور پھوٹ پھوٹ کر روئے، وہ نہیں سننا چاہتی تھی اس کے منہ سے وہ تین زہریلے الفاظ۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ وہ دانت پیس کر پوچھ رہا تھا، ضبط سے اس کی آنکھیں لہو رنگ اختیار کر چکی تھیں، اسے آگ ہی تو لگ گئی تھی زی کو یوں جاتے دیکھ... وہ کیسے اسے چھوڑ کر جا سکتی تھی۔

”آپ کو اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے، آپ جو کام کرنے آئیں ہیں پہلے وہ کریں مجھے ابھی کے ابھی طلاق دیں۔“

زی نے دل پر پتھر رکھ پتہ نہیں اپنے آپ پر کیسے ضبط کر کے یہ الفاظ ادا کیا تھے۔

"ہاں، میں اپنا کام ہی تو کرنے آیا ہوں یہاں۔"

آہل کے الفاظوں نے زی کے دل پر خنجر کی طرح وار کیا تھا، مطلب کہ اب وہ اسے طلاق دے دے گا؟

"جلدی... جلدی دیں مجھے طلاق۔"

زی کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

آہل کا ضبط اب جواب دے چکا تھا، وہ خود کو بھی اذیت میں ڈال رہی تھی اور ساتھ میں اسے بھی، آہل نے اس کے ہاتھ سے چابی چھینی اور تالا کھول دیا، پھر زی کا ہاتھ سختی سے تھام کر دروازے کو دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔

پیچھے کھڑا صائم ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"اب بتاؤ کیا بکواس کر رہی تھی تم؟"۔

آہل نے اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر سختی سے دیوار کے ساتھ لگاتے پوچھا۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا، اب جو کہنا ہے آپ کو کہنا ہے۔"

وہ پتہ نہیں کیسے اپنے اندر اتنی ہمت جمع کر کے بول رہی تھی۔

"بکواس بند کرو"!

آہل نے زور سے ہاتھ دیوار پر مارتے غصے سے غرا کر کہا تھا، زی اندر تک کانپ اٹھی تھی۔

"تم سے میں نے پوچھا ہے کہ کہاں جا رہی تھی تم؟"۔

وہ اس کے قریب ہو کر پھنکار رہا تھا۔

"میری مرضی، میں جہاں مرضی جاؤں، آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے سوال کرنے والے؟"

زی کی ان سرمئی آنکھوں میں آج کچھ تھا، ہاں آج ان میں تکلیف تھی، کچھ ٹوٹنے کی، شاید کچھ کھو دینے کی۔

"شوہر ہوں میں تمہارا۔"

زی کی باتیں آہل کے غصے کو ہوا دے رہی تھیں، وہ غصہ کرنا نہیں چاہتا تھا پر وہ اسے مجبور کر رہی تھی اپنی باتوں سے۔

زی کا ضبط پھر سے جواب دے گیا، اس نے آہل کے سینے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اپنی پوری قوت سے اسے دھکا دیا تھا اور پھر چیختے ہوئے بولی۔

"نہیں ہیں آپ میرے شوہر، کل خود ہی آپ نے کہا تھا کہ ہماری زندگی سے چلی جاؤ، آج میں جا رہی تھی تو کیوں روکا آپ نے؟ اب میں نہیں رہ سکتی اس شہر

میں، گھٹن ہوتی ہے مجھے یہاں، پتہ نہیں اللہ کو مجھ پر ترس کیوں نہیں آتا، وہ مجھے مار کیوں نہیں دیتا، وہ مجھے اپنے پاس کیوں نہیں بُلا لیتا۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو چکے تھے اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی... اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر... چیختے ہوئے... چلاتے ہوئے۔

آہل تڑپ ہی تو اٹھا تھا اسے ایسی حالت میں دیکھ کر، وہ فوراً سے زی کی طرف بڑھا اور اسے اپنے اندر بھینچ لیا، زی نے اس سے الگ ہونے کی کوشش لیکن آہل کی گرفت بہت سخت تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے سینے سے لگ کر رو دی۔

"مجھے تکلیف... تکلیف ہو رہی ہے بہت زیادہ، میرا دل کرتا ہے کہ... کہ میں مر جاؤں، مجھے یہاں... یہاں نہیں رہنا۔"

زی کی باتیں آہل کا دل چیر رہی تھیں۔ آہل نے اسے اور زیادہ سختی سے اپنے اندر بھینچ لیا، کہ کہیں اگر اس نے اسے الگ کر دیا تو وہ اسے چھوڑ کر چلی جائے گی۔ پلکوں کی باڑ توڑ کر ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا اور زی کے حجاب میں گر کر جذب ہو گیا۔

وہ پندرہ سال بعد آج پہلی دفعہ رو رہا تھا، اس لڑکی کے لیے جو اسے بہت عزیز ہو چکی تھی، خود سے بھی زیادہ عزیز۔

"سوری"...!

آہل نے اس کے حجاب سے ڈھکے سر پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"آپ... آپ نہ کہیں سوری، غلطی میری ہی ہے، میں ہی اس دنیا میں آ گئی، میں ہوں ہی بُری، آپ نے... آپ نے ٹھیک کہا تھا، میں بہت بُری ہوں اس لیے تو میں... اکیلی ہوں، میرا کوئی نہیں، مجھ سے... مجھ سے کوئی بھی محبت نہیں کرتا۔"

زی کو اور زیادہ رونا آنے لگا۔

"نہیں ہو تم بُری، بلکہ بہت اچھی ہو تم، تم اکیلی نہیں ہو، ہم سب ہیں نہ تمہارے اپنے، اور سب تم سے محبت کرتے ہیں، زویا تمہاری بہن تم سے محبت کرتی ہے، صائم تمہارا بھائی تم سے محبت کرتا ہے، دادو تم سے محبت کرتی ہیں۔"

آہل شاید کچھ بھول چکا تھا۔

"کیا فائدہ ان سب کی محبت کا، جب میرا شوہر ہی مجھ سے محبت نہیں کرتا، یہ سارے رشتے بھی تو اس سے ہی جُڑے ہیں، جب وہ ہی محبت نہیں کرتا تو ان رشتوں کا کوئی فائدہ۔"

وہ شاید یہ بھول چکی تھی کہ وہ آہل سے بات کر رہی ہے۔ آہل کے چہرے پر اچانک سے ہی مسکراہٹ نے سفر کیا تھا۔

"ہاں یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

آہل کی آنکھوں میں شرارت چمک اٹھی تھی اب۔

زی کچھ نہ بولی، اس بار اس نے اپنے رونے کا شغل جاری رکھا تھا۔

"کیا تمہیں اپنے شوہر سے محبت ہے؟"۔

آہل کا انداز اب شرارت لیے ہوئے تھا، لیکن زی کو اس کے انداز سے زیادہ اس کا سوال سنائی دیا تھا۔

"ان کو مجھ سے... محبت نہیں ہے، لیکن مجھے ان سے بہت... محبت ہے، بہت زیادہ۔" زی شاید سچ میں یہ بھول چکی تھی کہ وہ بات کس انسان سے کر رہی ہے۔ آہل کا دل اب زور سے دھڑکا تھا، وہ لڑکی اظہارِ محبت کر رہی تھی۔ اسے تو لگا تھا کہ وہ منع کر دے گی لیکن وہ تو بغیر کسی جھجھک کے اس سے اظہار کر رہی تھی۔

"کتنی محبت کرتی ہو تم اپنے شوہر سے؟"۔

آہل نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"محبت کا کوئی حساب نہیں ہوتا۔" وہ روتے ہوئے شاید اپنے آنسوؤں کے ساتھ اپنی عقل بھی نکال چکی تھی۔

اس کی بات پر آہل کے دل میں سکون ہی سکون بھر گیا، پہلے والا خوف اب کہیں نہیں تھا، اسے کھو دینے کا خوف۔ لیکن زی کی اگلی بات نے اسے تڑپنے پر مجبور کر دیا۔

”لیکن... لیکن ان کی خوشی کے لیے میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

”شش... تمہیں کچھ نہیں پتہ ان کی خوشی کا اس لیے چُپ رہو تو ہی بہتر ہے۔“

آہل نے غصے سے اسے جھڑک دیا۔

”نہیں، انہوں نے کہا تھا کہ جب میں ان کی زندگی سے چلی جاؤں گی تو وہ سکون سے اپنی زندگی گزار سکیں گے۔“

زی نے شاید بھنگ پی رکھی تھی، آہل کو تو یہی لگا۔

”تمہیں کچھ نہیں پتہ، سمجھی، اب چلو یہاں سے میں تمہیں لینے آیا ہوں۔“

آہل نے اسے اپنے سے الگ کیا اور اس کا چہرہ تھام کر بولا۔ لیکن اس کا چہرہ دیکھ کر آہل کا دل ڈوبنے لگا۔ لال سرخ آنکھیں، جو رونے کی وجہ سے تقریباً لہو رنگ اختیار کر چکی تھیں، لال سُرخ ناک... اور تو اور پورا چہرہ ہی آنسوؤں سے تر تھا، آہستہ آہستہ زی کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں، شاید وہ غنودگی میں جا رہی تھی، آہل ٹھٹھکا تھا، کیونکہ اس کا چہرہ جو کہ اس نے تھام رکھا تھا بخار سے تلملا رہا تھا۔

”زی!... زی! اٹھو۔“

آہل نے اس کا گال زور سے تھپتھپاتے فکرمند لہجے میں کہا، لیکن زی کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں، وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

آہل نے جلدی سے اسے اپنی باہوں میں اٹھایا اور بیڈ روم میں لے گیا، پھر اسے بیڈ پر لٹا کر اس نے صائم کو فون کیا۔

”صائم! جلدی سے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ اور خود بھی اندر آؤ۔“

آہل نے حکم دیتے ہی فون کاٹ دیا۔

آہل زی کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گیا اور کچھ لمحے اسے ایسے ہی دیکھتا رہا، پھر ہمت کر کے وہ اٹھا اور اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی پہلی مہر ثبت کر دی۔

”لو یو ٹو، مسز بٹ۔“

اس نے بھی اعتراف محبت کیا تھا۔

”اینڈ سوری“...

اب اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اس پر بوسہ دیا۔

”اہم! اہم!...“ صائم دروازے کے پاس کھڑا ہو کر کھنکارا اور ہلکا سا دروازہ بجایا۔

آہل جھٹ سے ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔

”سوری، بوس!... وہ ڈاکٹر بس آنے ہی والا ہے۔“

صائم نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

”ہمم،...“ آہل سرسری سا کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"انہوں نے شاید ٹینشن لے لی تھی، جس کی وجہ سے بخار کے ساتھ ان کا بی پی بھی لو ہو گیا تھا اور یہ بے ہوش ہو گئی تھیں، میں کچھ میڈیسن لکھ کر دے رہا ہوں، آپ انہیں وقت پر دیتے رہا کیجیے گا، اور خیال رکھیے گا کہ یہ ٹینشن نہ لیں، کیونکہ اس بار تو اتنا مسئلہ نہیں بنا لیکن اگلی بار بن سکتا ہے۔"

ڈاکٹر نے آہل سے کہا اور پرچی صائم کو پکڑاتے باہر نکل گیا۔

صائم نے مشکوک نظروں سے آہل کو دیکھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا، قسم اللہ کی۔ آج تو بڑے پیار سے بار کی تھی میں نے۔"

آہل گڑبڑاتے ہوئے بولا، تو صائم ہنس دیا۔

"میں نے کب پوچھا؟"۔

صائم نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"ہاں دیکھ تو تم ایسے ہی رہے تھے۔"

آہل نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

"مطلب کیا ہے تمہارا، میری آنکھیں بولتی ہیں؟ واہ میری آنکھیں بولتی ہیں، مجھے تو پتہ نہیں تھا۔"

صائم معصومیت سے پلکیں جھپکا کر بولا۔

"زویا کی صحبت کا اثر ہو رہا ہے تم پر۔"

آہل سر نفی میں ہلاتے مسکرا کر بولا۔

"تمہاری صحبت کا تو ہوا نہیں، اس کی صحبت کا کیا ہونا۔"

صائم مسکرا کر سر جھٹک کر بولا، وہ یہ بات ماننے سے انکاری تھا۔

"ہاں، تو میں تمہاری بیوی تھوڑی ہوں۔"

آہل نے بھی کندھے اچکائے۔

صائم آہل کو اپنی بیوی کی شکل میں تصور کرنے لگا۔

"سنیں زرا، یہ چائے پی لیں۔"

آہل تصور میں صائم سے کہہ رہا تھا اور وہ بھی دوپٹہ منہ پر رکھتے شرما شرما کر۔

"سنیں آپ آفس سے کب واپس آئیں گے؟ جب آپ آئیں گے نہ تو ہم ڈیٹ پر چلیں گے۔"

آہل پھر سے دوپٹہ منہ پر رکھے شرماتے ہوئے صائم سے کہہ رہا تھا جو آفس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

"بے بی، ہم ہنی مون پر کب جائیں گے؟"۔

آہل شرمیلی یعنی کہ اس کی بیوی کھانے کے دوران پھر سے شرماتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

صائم فوراً سے سر زور سے جھٹک کر تصور سے باہر آیا تھا اور پھر شکر کا سانس خارج کرنے لگا، کہ شکر ہے جو آہل اس کی بیوی نہیں ہے، زویا ہی اچھی ہے بس۔ اپنی ہی سوچ پر وہ دل کھول کر مسکرا دیا۔

"اے... اے... اے، کہیں مجھے تم اپنی بیوی کی شکل میں تو تصور نہیں کرنے لگ گئے؟"۔

اب آہل مشکوک انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"۔

صائم نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

"اللہ معاف کرے، شرم تو نہ آئی ایسا تصور کرتے ہوئے۔"

آہل نے افسوس کیا۔

"ارے شرما تو تم رہے تھے میرے تصور میں، بلکل آہل شرمیلی کی طرح، بلکہ رکو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیسے شرما رہے تھے۔"

صائم جلدی سے باہر گیا اور زویا کے کمرے سے ایک سٹالر اٹھا لایا، پھر آہل کو ایکٹنگ کرتے ہوئے دکھانے لگا۔

"بے بی، ہم ہنی مون پر کب جارئیں گے؟"۔

صائم بھی سٹالر منہ پر رکھے لڑکیوں والے انداز میں شرماتے ہوئے بولا۔

آہل کا ایک جاندار قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"یار صائم! ہاہاہاہا تم پر پکا ہاہاہاہا زویا کی صحبت کا اثر ہو چکا ہے ہاہاہاہا۔"

آہل کا ہنس ہنس کر منہ لال ہو رہا تھا۔

صائم منہ پھلائے پیر پٹختا کمرے سے جانے لگا، لیکن پھر شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ دروازے سے ہی واپس آتے آہل سے بولا۔

"میں تو چلا اپنی بیوی کے کمرے میں، اس کا سامان اکٹھا کرنے، تم اپنا رومینس پھر سے کنٹینیو کرلو جہاں سے چھوڑا تھا۔"

صائم شرارت سے کہتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ آہل کا قہقہہ ایک دم سے رُکا تھا۔

صائم زویا کے کمرے میں گیا اور الماری کے اوپر سے بیگ نکال کر اس میں زویا کا سامان بھرنے لگا، پہلے تو اس نے الماری سے سارے کپڑے نکال کر بیگ میں بھرے پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے قریب گیا اور اس پر پڑی چیزوں کو بھی بیگ میں ڈال دیا، حیرت کی بات یہ تھی کہ ان چیزوں میں صرف ایک ہیئر برش، کافی سارے
کیچرز، پونیز، پنز، کاجل، لِپ بام، لوشن، بوڈی کریم اور بس ایسی ہی چھوٹی موٹی چیزیں موجود تھیں۔ صائم کو حیرت ہوئی تھی، کیونکہ اس میں صرف سکن کیئر کی چیزیں ہی موجود تھیں، کوئی لپ سٹک کوئی فاؤنڈیشن کچھ بھی نہ تھا ایسا، اس سے پتہ چلتا تھا وہ لڑکی مصنوعی خوبصورتی سے زیادہ نیچرل خوبصورتی پسند کرتی تھی۔ وہ زویا کی سوچ پر داد دیے بغیر نہ رہ سکا، پھر وہ بکس ریک کی طرف گیا اور ادھر سے ساری بکس اٹھانے لگا، ان بکس میں انگلش ناولز کی بھرمار تھی، اور اس میں کچھ تاریخی کتابیں بھی موجود تھی جو کہ انگلش میں ہی تھیں، ان۔ میں سے ایک تاریخی کتاب تو "بادشاہ اکبر" کی تھی، جس کی سٹوری زویا نے زی کو نکاح والے دن سنانی چاہی تھی۔

صائم تو حیرت سے اس کی بُکس کلیکشن کو دیکھ رہا تھا، شاید اسے کتابیں بہت پسند تھیں۔

وہ مسکراتا ہوا دوسری چیزیں بھی رکھنے لگا۔

"زی اٹھو نہ یار، کب تک ایسے ہی سوئی رہو گی، میرا دل کر رہا ہے تم سے بات کرنے کو۔"

آہل زی کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہا تھا، زی نے اپنی آنکھیں نیم وا کیں تو آہل بے چین ہو گیا۔

آہستہ آہستہ زی نے اپنی آنکھیں پوری کھول دیں، اور پھر حیرت سے آنکھیں پھاڑے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھنے لگی، جیسے کہہ رہی ہو وہ یہاں کیسے آیا، اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی، لیکن آہستہ آہستہ اسے سب یاد آنے لگا، اپنی کی ہوئی باتیں یاد کر کے اس کا چہرہ شرم سے سُرخ ہونے لگا، اس کا دل کیا کہ یہاں سے غائب ہو جائے پر افسوس، زی کو یہی چیز نہیں آتی تھی۔

"شکر ہے جو آنکھیں کھول دی تم نے، چلو اب ہم گھر چلتے ہیں۔"

آہل نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کرنا چاہا لیکن زی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ، آپ جائیں یہاں سے۔"

"کیوں نہیں جانا؟"۔

آہل کو پھر سے اس کی جا بجا ضد پر غصہ آنے لگا۔

"آپ نے خود ہی کہا تھا کہ میری زندگی سے چلی جاؤ، اب میں جا رہی ہوں تو کیا مسئلہ ہے آپ کو؟"۔

زی کو بھی اب غصہ آ رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا، لیکن اب میں ہی کہہ رہا ہوں کہ چلو میرے ساتھ۔"

وہ اسے راضی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیوں؟ آپ کا جب دل چاہے گا مجھے کھری کھری سنا دیں گے، آپ کا جب دل چاہے گا آپ میری توہین کر دیں گے، جب دل چاہے گا اپنی زندگی سے نکال پھینکے گے، اور جب دل چاہے گا واپس لے جائیں گے، میں کوئی کٹ پُتلی نہیں ہوں جو آپ کے اشاروں پر چلتی رہے گی، سمجھے آپ؟"۔

آخر میں زی کا گلا رندھا گیا۔ وہ پھر سے رونے کو تھی۔

"مطلب نہیں مانو گی تم میری بات؟"۔

آہل نے تصدیق چاہی۔

"نہیں"...!

زی نے بھی کہہ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"اوکے،ایز یووِش۔"

آہل نے کہااور اٹھ کھڑا ہوا، پھر ایک جھٹکے سے زی کو اپنی باہوں میں اٹھا کر تیز تیز چلنے لگا۔

"یہ... یہ کیا کر رہیں ہیں؟ چھوڑیں مجھے۔"

زی تو اس اچانک افتاد پر گھبرا اٹھی تھی۔

"چُپ کر جاؤ، ایک دم چُپ۔"

آہل نے اسے جھڑکا۔

صائم بھی زویا کا بیگ اٹھائے کمرے سے باہر آگیا اور سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا دل زور سے قہقہہ لگانے کو کرنے لگا، لیکن بڑی مشکل سے اس نے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا تھا۔

زی نے جب صائم کو دیکھا تو اس کا دل شرم سے ڈوب مرنے کو کرنے لگا، وہ شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی، چہرہ بلکل لال ٹماٹر ہو رہا تھا۔

"صائم اب چلو جلدی سے، تمہاری بھابی کو اٹیک ہو رہا ہے پتہ نہیں کس چیز کا۔"

آہل نے کہتے ساتھ باہر کی طرف آہستہ سے دوڑ لگادی، ان کے باہر جانے کی تسلی کر کے صائم نے اپنے مشکل سے روکے گ ئے قہقہے کو آخر باہر نکال دیا، کیونکہ اگر وہ نہ ہنستا تو اس کا سانس بند ہو جانا تھا۔

زی کو سارے رستے شرمندگی ہوتی رہی، گھر کے آگے گاڑی رُکی تو آہل نے گاڑی کا دروازہ کھول کر زی کو اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھے کہ زی فوراً سے ہڑبڑا کر بولی۔

"میں خود آجاؤں گی، آپ دور ہٹیں۔"

"لیکن تم نے شوز تو پہنے ہی نہیں۔"

آہل نے معصومیت سے آنکھیں ٹمٹماتے کہا۔

"تو گھر میں کانٹے نہیں بچھے ہوئے جو مجھے چُبھ جائیں گے۔"

زی نے آنکھیں دکھائیں۔

"اوکے،"...

آہل بھی دل پر ہاتھ رکھ کر مان گیا۔

"زی نے شکر کا سانس خارج کیا اور اندر کی طرف چل دی، سامنے ہی زویا صوفے پر بیٹھی دادو کو چُپ کروا رہی تھی، جو کب سے روئے جا رہی تھیں۔ زی ٹھٹھک کر اپنی جگہ ہی رُک گئی۔

زویا کی نظر جب سامنے کھڑی زی پر گئی تو اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے۔

"دادو! دیکھیں زی آ گئی۔"

زویا نے دادو کو بتایا تو دادو نے نظر اٹھا کر زی کو دیکھا اور اس کے پاس دوڑی چلی آئیں۔

"میرا بچہ آ گیا۔"

وہ زی کے چہرے پر بوسہ دیتے بولیں، تو زی بھی نم آنکھوں سے کھل کر مسکرا دی۔

"آہل کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں تم سے، اس سے غلطی ہو گئی، وہ تمہیں ٹھیک طرح سے جان ہی نہ سکا۔"

دادو ہاتھ جوڑتے بولیں تو زی تڑپ اٹھی۔

"ارے دادو آپ تو ایسا نہ کہیں، غلطی نہ ہی آپ کی ہے نہ ہی ان کی، میری قسمت ہی ایسی ہے۔"

زی نے دادو کے آنسو صاف کیے۔

''ایسے نہیں کہتے، تمہاری قسمت بہت اچھی ہے، اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے، ارے قسمت تو اس آہل کی خراب ہے جس نے تم جیسی لڑکی کو ٹھکرایا۔''

آہل اور صائم جو اندر داخل ہو رہے تھے دادو کی بات پر گرتے گرتے بچے۔

''اپنے ہی پوتے کی قسمت کو کون خراب کہتا ہے بھلا۔''

آہل نے صائم کے کان میں گھُس کر کہا۔

''دادو بوڑھی ہو رہی ہیں اس لیے انہیں شاید یاد نہیں رہتا، وہ شاید یہ بھول گئی ہیں کہ وہ ابھی بھی تمہاری بیوی ہے۔''

صائم نے دادو کی کمزور عقل کا بتایا۔

''گانے تو انہیں یاد رہتے ہیں۔''

آہل نے ناک سے جیسے مکھی اڑائی۔

''کہیں انہوں نے یہ تو نہیں سمجھ لیا کہ تم نے زی کو طلاق دے دی ہے''!

صائم نے تو ایسے ہی ہنس کر سرسری سا مذاق کیا تھا لیکن آہل چونکا تھا۔

''یار صائم! جلدی سے دادو کا منہ بند کروا۔''

آہل رونے والی صورت بنائے بولا۔

"کیوں؟"۔

صائم نے حیرت سے پوچھا۔

"دادو سچ میں یہی سمجھ بیٹھی ہیں۔"

آہل کو اپنی جان سولی پر لٹکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے زویا نے بھی یہی سمجھا تھا۔"

صائم نے دادو کا منہ بند کروانے کی بجائے اپنی ہی عقل مندی جھاڑی۔

"ابے الو کے پٹھے جلدی سے دادو کا منہ بند کروا، ورنہ میری تو سانسیں بند ہو جائیں گی۔"

آہل نے صائم کو زور سے ہلاتے کہا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی، دادو نے بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ ویسے بھی صائم دادو کا منہ بند کیسے کرواتا؟ ان کے منہ پر ٹیپ لگا کر؟ یا ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر؟ یا پھر ہاتھ رکھ کر یہ کہتا، "نانو! بس اب اور نہیں،" وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، سوائے تماشا دیکھنے کے، جو کہ ابھی لگنے والا تھا۔

"میں اپنی بچی کے لیے آہل سے بھی اچھا رشتہ ڈھونڈو گی، کیا ہوا جو آہل نے تمہیں طلاق دے دی ہے، وہ تمہارے قابل ہی نہیں۔"

دادو کی بات پر زویا نے بھی نم آنکھوں سے سر ہلایا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو دادو بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔

زی کے سر پر تو مانو کسی نے پہاڑ گرا دیا تھا، وہ اپنی جگہ بلکل منجمد ہو چکی تھی، اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگ گئے تھے، اس کے ذہن میں بار بار دادو کی بات گھوم رہی تھی۔

)کیا ہوا جو آہل نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔(

آہل کا تو دماغ ہی گھوم چکا تھا، جبکہ صائم کا دل کیا کہ دادو کی عقل کو اکس توپوں کی سلامی بھیج دے، کیا عقل پائی تھی دادو نے واہ، بلکل زویا جیسی عقل، مگر نہیں، دادو نے زویا جیسی نہیں، بلکہ زویا نے دادو جیسی عقل پائی تھی۔

)کیا ہوا جو آہل نے تمہیں طلاق دے دی ہے، کیا ہوا جو آہل نے تمہیں طلاق دے دی ہے، کیا ہوا جو آہل نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔(

یہ الفاظ بار بار زی کے کانوں میں گونج رہے تھے، دماغ تھا کہ بلکل سُن ہو چکا تھا، اس کو سب کچھ اپنے سامنے گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، دادو پتہ نہیں آگے کیا کیا کہہ رہی تھیں لیکن زی کو کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا، اسے دادو اب بلکل گھومتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں، آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں، آہل اس سے پہلے کچھ

بول کر ان سب کی غلط فہمی دور کرتا، زی زمین بوس ہو چکی تھی اور ایک بار پھر سے ان سب کا دل زور سے دھڑکا چکی تھی۔

"زی"...!

آہل چیخا تھا اور بھاگ کر زی کے پاس گیا۔

آہل نیچے بیٹھ گیا اور زی کا سر اپنی گود میں رکھ کر زور زور سے اس کا گال تھپکنے لگا لیکن وہ نہ اُٹھی، آہل کو ڈاکٹر کی کہی بات یاد آئی۔

)خیال رکھیے گا کہ یہ ٹینشن نہ لیں، کیونکہ اس بار تو اتنا مسئلہ نہیں بنا لیکن اگلی بار بن سکتا ہے۔(

آہل کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، ایک آنسو پھر سے اس کی آنکھ سے بہہ کر زی کی شرٹ میں جذب ہو گیا۔

آہل نے زی کو اپنی بازوؤں میں اٹھایا اور تیزی سے باہر کی طرف لے گیا۔ یہ وقت زیادہ سوچنے کا نہیں تھا۔

"آپ لوگوں کو کس نے کہا کہ آہل نے انہیں طلاق دے دی ہے، اتنی سمجھ تو ہونی چاہیے آپ سب میں کہ آہل نے پوری بات میں کیا بتایا تھا، اگر آہل نے انہیں کچھ کہا تھا تو آپ لوگوں سے کم ہی کہا تھا، آپ نے تو ایک ہی جملہ کہہ کر انہیں موت کے

چورا ہے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ آہل سے کتنی محبت کرتی ہیں پھر کیا وہ یہ دُکھ سہہ پائیں گی۔"

زویا اور دادو زی کو اس حالت میں دیکھ کر پھر سے رو پڑیں تھیں، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے جب صائم کی بات پر وہ ہوش میں آئیں تھیں۔

"آہل نے تو صرف الفاظوں کا وار کیا تھا اُن پر، آپ دونوں نے تو زندگی کا ہی خطرناک وار کر دیا ان پر۔"

صائم یہ کہتا رُکا نہیں تھا بلکہ خود بھی تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

دادو اور زویا پیچھے کھڑی ایک بار پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"یہ کیا ہو رہا تھا ان کے ساتھ؟ ایک امتحان ختم ہوتا نہیں تھا کہ دوسرا بھی شروع ہو جاتا تھا۔"

لیکن وہ یہ بھول چکے تھے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے، ابھی مشکل وقت چل رہا تھا ان سب پر، لیکن اچھا وقت ابھی آنا تھا، وقت وقت کی بات ہے، بدل جانا ہے اس نے بھی ایک دن۔

”   دیکھیں، آپ کی وائف کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوئے بچ گیا، ورنہ بہت بڑی مصیبت ہو سکتی تھی، ان کو بہت گہرا صدمہ پہنچا ہے کسی بات کا، لیکن فکر نہ کریں بہت جلد انہیں ہوش آجائے گا اور آپ خیال رکھا کریں اپنی وائف کا۔“

ڈاکٹر اپنی انگریزی زبان میں آہل سے کہتا وہاں سے چلا گیا۔ پیچھے آہل بینچ پر ڈھے سا گیا تھا۔

”   صائم ! سنا نہ تم نے ڈاکٹر نے کیا کہا، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا تھا اور میں خیال رکھا کروں اپنی وائف کا، یار ابھی تو مجھے موقع ہی نہیں ملا اس کا خیال رکھنے کا، لیکن اب...اب مجھے موقع مل چکا ہے تو میں اپنی جان سے بھی زیادہ خیال رکھوں گا اس کا، لیکن تم اسے کہنا کہ مجھے چھوڑ کا نہ جائے۔“

گلے میں آنسوؤں کا ایک گولہ اٹکا ہوا تھا پر چاہ کر بھی وہ رونا نہیں چاہتا تھا۔

”تم فکر نہ کرو، وہ تمہیں چھوڑ کر کبھی نہیں جائے گی، مجھے یقین ہے اس بات کا۔“

صائم نے آہل کو تسلی دینی چاہی۔

”صائم ! تمہیں پتہ ہے، کل وہ کہہ رہی تھی کہ وہ میری خوشی کے لیے مجھے چھوڑ کر چلی جائے گا، کیا اسے نہیں پتہ کہ میری خوشی کس میں ہے۔“

آہل کو پتہ ہی نہ چلا کہ کب اس کی آنکھوں سے آنسو روانی کے ساتھ بہنے لگے، محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے نہ، ہر قدم پر رُلا دیتی ہے۔

”تم نے جیسا کہا تھا وہ ان باتوں کو دل پر لے گئی تھی اور سچ سمجھ بیٹھی تھی، لیکن تم نے بھی تو غصے میں اسے اتنا کچھ کہہ دیا، اگر میں اُس وقت ہوش میں ہوتا نہ تو تمہیں تو ایک تھپڑ ضرور لگا دیتا بغیر تمہارا لحاظ کیے۔“

صائم کی بات پر آہل کو پھر سے وہ واقعہ یاد آیا اور ایک بار پھر اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

”تم تو ایسا نہ کہو، بہن میری زندگی اور موت سے لڑ رہی تھی اس لیے جو ٹینشن تھی، سارا غصہ تھا وہ میں نے اس پر نکال دیا، نہیں سمجھ میں آ رہا تھا اس وقت مجھے کچھ، اچھا خاصا تو میں نے تب ڈاکٹر کو پکڑ لیا تھا اس کی اچھی کٹائی کے لیے تاکہ سارا غصہ اس ڈاکٹر پر نکال دوں لیکن نہیں، اس پر تو نیکیوں کا بھوت سوار تھا، آگئی سامنے اور نکل گیا میرا سارا غصہ، اب تم خود ہی بتاؤ کہ کیا قصور تھا میرا، سارا قصور تو اسی کا تھا کیوں آئی تھی وہ میرے سامنے۔“

آہل روتے ہوئے ناک اور منہ پھلائے سارا الزام زی پر ڈال چکا تھا۔ وہ اس وقت کسی روٹھے بچے کی طرح لگ رہا تھا، صائم کا اس، ایموشنل، ماحول میں بھی قہقہہ چھوٹ چکا

تھا، آہل پورے پندرہ سال کے بعد آج اسے کیوٹ لگ رہا تھا، آہل کے تاثرات ابھی کسی بھی سنجیدہ بندے کو ہنسانے کا باعث بن سکتے تھے۔

''یار صائم کس چیز کا دورہ پڑا ہے تمہیں، میری بیوی اندر ہسپتال کے بیڈ پر لیٹی ہے اور تم یہاں ہنس رہے ہو، شرم آنی چاہیے تمہیں۔''

آہل نے صائم کو شرم دلانے کی ناکام کوشش کی کیونکہ اب بھی وہ بے شرموں کی طرح ہنس رہا تھا۔

''یار آہل! تم کتنے پیارے ہو۔''

صائم نے آہل کے گالوں کو اس طرح کھینچا جیسے وہ کوئی پانچ سال کا بچہ ہو۔

''پیچھے ہٹو''...!

آہل جھٹ سے پیچھے ہوا تھا۔

''کہیں سچ میں تو مجھے اپنی بیوی نہیں سمجھ لیا تم نے۔''

آہل اپنے سوٹ کی ٹائی کو ٹائٹ کرتے بولا جیسے اپنی عزت کی پرواہ کر رہا ہو۔

''توبہ ہے، آ جانے دو بھابھی کو ہوش، تمہارے ہوش تو میں ٹھکانے لگواتا ہوں۔''

صائم کو سخت قسم کا صدمہ پہنچا تھا اس کی بات کا۔

"میں بھی زویا کو بتاؤں کہ اپنے شوہر کو کنٹرول میں رکھے، زنانہ کمزوری سر چڑھ کر بول رہی ہے تمہارے۔"

آہل نے اپنی کانوں کو دونوں ہاتھ لگاتے کہا۔اب تو صائم کا قہقہہ جاندار تھا، آہل آج اسے ہنسا ہنسا کر بلکل پاگل کرنا چاہتا تھا شاید۔اچانک صائم کا قہقہہ تھما تھا کیونکہ سامنے سے زویا اور دادو آتی نظر آ رہی تھیں اسے۔

"ان دونوں کو یہاں کس نے آنے کو کہا؟"۔

صائم ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو آہل نے بھی نظر اٹھا کر سامنے سے آتی زویا اور دادو کی طرف دیکھا اور پھر کیا ہمارے آہل صاحب کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگا، ان کے پہنچنے سے پہلے ہی آہل ان کے سروں پر جا کھڑا ہوا تھا اور انہیں لیکچر دینا سٹارٹ کر چکا تھا، تقریباً ایک گھنٹہ آہل نے ان دونوں کو لیکچر دیا تھا جسے دادو اور زویا نے پیچھے ہاتھ باندھے سر جھکائے شرمندگی سے سنا تھا، جیسے سارا قصور صرف ان دونوں کا ہی تھا۔

"آپ اور زویا یہاں کیسے آئیں؟"۔

آہل کے لیکچر دینے کے بعد صائم نے اپنا لیکچر بھی شروع کر دیا۔

”دادو خود تو یہاں آ نہیں سکتیں، یہ... یہ تمہاری بیوی محترمہ ہی لائیں ہوں گی انہیں ادھر۔“

آہل زویا کی طرف اشارہ کرتے بولا تو صائم نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو تمہاری تو کچھ لگتی نہیں نہ۔

”آپ دونوں کو پتہ ہے کتنا خطرہ ہے باہر، کتنے دشمن ہیں ہمارے، پھر بھی اکیلی ہی کھسک لی ہیں ادھر“.........

صائم بھی اپنا نہ ختم ہونے والا لیکچر شروع کر چکا تھا اور وہ دونوں اب بھی سر جھکائے اس کا لیکچر سُن رہی تھیں۔ جبکہ آہل چوری سے وہاں سے کھسک لیا تھا اور زی کے وارڈ میں پہنچ چکا تھا، اب وہ زی کے سامنے بیٹھا اسے دیکھتے ہوئے اپنی نظروں کی پیاس بجھا رہا تھا، زی کسی کی نظروں کی تپش اپنے اوپر محسوس کر کے تھوڑا سا کسمسائی تھی، لیکن پھر اس نے جھٹ سے ہی آنکھیں کھول دیں، آہل کی ایک بیٹ مِس ہوئی تھی۔ زی نے جب اسے اپنے پاس بیٹھا دیکھا تو فوراً سے اٹھنے کی سعی کرنے لگی، اسے اٹھتا دیکھ آہل نے اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔

” دور ہٹیں... ہاتھ نہ لگایئے گا مجھے، میں خود اُٹھ سکتی ہوں۔“

زی نے بے رُخی سے کہا تو آہل کا دل کٹ کے رہ گیا۔

”تم ٹھیک تو ہو؟“

آہل نے پتہ نہیں کیسے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔

”بیوہ ہو گئی ہوں اور کچھ۔“

پھر سے وہی بے رُخی، وہ کیسے اپنے آپ کو بیوہ کہہ سکتی تھی، جبکہ اس کا شوہر اس کا مجازی خُدا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”زی! میری بات تو سنو تمہیں“...

آہل کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی جب زی بھڑک اٹھی تھی۔

”کیسے نہ کہوں، ہاں، پیچھے کسر کیا رہ گئی ہے، آپ مجھے جان سے مار دیں، نہیں رہنا ہے اب مجھے یہاں، نہ ہی اس شہر میں اور نہ ہی اس دنیا میں، مجھے کہیں نہیں رہنا، مجھے صرف اللہ کے پاس جانا ہے۔“

بولتے ہوئے کب وہ رونے لگی اسے خود ہی نہ پتہ چلا، جبکہ آہل کا دل کیا کہ وہ خود بھی ڈوب مرے۔

”زی! نہیں دی ہے میں نے تمہیں طلاق۔“

آہل نے اسے بتایا پر زی تو کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

”نہ لیں میرا نام، مجھے خود سے گھن آتی ہے اور خدارا ایسا جھوٹ بول کر گناہ نہ کریں۔“

وہ اب مکمل اپنے ہاتھ جوڑ کر اونچا اونچا روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”زی! پلیز میری بات کا یقین کرو۔“

آہل نے اس کے جُڑے ہوئے ہاتھ تھام کر اسے یقین دلانا چاہا۔

”نہیں کرنا مجھے آپ کی بات پر یقین اور آئندہ مجھے ہاتھ نہ لگائیے گا، نا محرم ہیں آپ میرے۔“

زی نے اپنے ہاتھ زور سے جھٹکتے کہا۔

آہل کے دل پر مانو کسی نے خنجر رکھ دیا تھا، وہ کیسے اپنے محرم کو نا محرم کہہ رہی تھی۔ آہل کی برداشت بھی اب اس کی آخری بات پر ختم ہو چکی تھی، وہ تیزی سے اٹھا تھا اور اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

صائم کا لیکچر ابھی بھی جاری تھا لیکن آہل کو غصے سے لال سرخ ہوتے وہاں سے جاتے دیکھ وہ رُک گیا۔ دادو اور زویا نے بھی اسے جاتے دیکھا تھا، وہ تینوں ہی زی کے وارڈ کی طرف بڑھے تھے، کیونکہ آہل ابھی وہیں سے نکلا تھا۔

زویا نے ہسپتال کے اس کمرے کا دروازہ کھولا جہاں زی موجود تھی، لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر ان تینوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، زی ہاتھوں میں منہ دیے اونچا اونچا رو رہی تھی۔

"زی! زی تمہیں کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟ زویا نے فکر مند لہجے میں پوچھا، اس نے زی کو اس طرح روتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ زی کے پاس اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی پھر اس کا چہرہ اس کے ہاتھوں پر سے اٹھایا تو زی روتے ہوئے زویا کے گلے لگ گئی۔

"زویا! مجھے یہاں نہیں رہنا اور نہ ہی مجھے اب کسی اور سے شادی کرنی ہے، پلیز جانے دو مجھے، میں تم سب سے کو چھوڑ کر کہیں دور چلی جاؤں گی۔"

زی ہچکیوں کے درمیان بولی تو زویا کو بھی رونا آ گیا، ایک غلط فہمی کی وجہ سے پتہ نہیں کیا کیا ہو رہا تھا۔

"زی! بھائی نے تمہیں طلاق نہیں دی ہے، وہ تو بس دادو کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

زویا بھی اب زی کے ساتھ رونے کا شغل فرما رہی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو، تاکہ میں یہاں سے نہ جاؤں۔"

زی روتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے بولی۔

"نہیں، زی! سچ میں، اللہ کی قسم، بھائی نے تمہیں طلاق نہیں دی۔"

زویا نے قسم اٹھائی تو زی جھٹ سے زویا سے دور ہوئی اور بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے پوچھنے لگی۔

”س...سچ؟“۔

”ہاں سچ، میں جھوٹی قسم کیوں کھاؤں گی۔“

زویا نے اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھ کر اس کے آنسو صاف کیے۔زی نے دادا اور صائم کو بھی ایک نظر دیکھ کر یقین دیہانی کرنی چاہی تو انہوں نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا یا۔

زی کے اندر سکون ہی سکون بھر گیا لیکن جب اسے یاد آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے آہل کی بات کا یقین نہیں کیا تھا اور اس سے کتنی سختی سے بات کی تھی، پتہ نہیں کیا کیا بول گئی تھی وہ آہل کو، اب اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا تھا اور وہ پھر سے رونے لگی۔

”اب کیا ہوا؟“۔

زویا نے اسے پھر سے روتے دیکھ پوچھا۔

”ابھی میں نے ان سے بہت بدتمیزی سے بات کی تھی جس کی وجہ سے وہ غصے میں مجھے چھوڑ کر چلے گئے، اب میں کیا کروں، زویا؟“

زی نے رونے کی وجہ بتائی تو ان تینوں کا دل کیا کہ اپنا سر پیٹ لے، یہ کیا ایک کے بعد ایک بکھیڑا ہو رہا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں گیا۔"

صائم ان تینوں سے کہتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

پیچھے سے زویا اور دادو زی کو چُپ کروانے کی ناکام کوشش کرنے لگیں۔

آج زویا کو وہ پہلے والی زی بلکل نہیں لگ رہی تھی، جو کہ نڈر تھی، لیکن اس زی کو ڈر تھا... خوف تھا... کسی کو کھونے کا، جن آنکھوں میں اسے ہمیشہ ویرانی دکھائی دیتی تھی آج ان آنکھوں میں آنسو تھے اس شخص کے لیے جو کہ اس کا عشق بنتا جا رہا تھا... ہاں آہل... آہل احمد بٹ، زعیمہ آہل بٹ کا عشق بنتا جا رہا تھا۔

"کہاں چلا گیا یہ لڑکا؟"۔

صائم نے پورا ہسپتال، پورا علاقہ چھان مارا تھا لیکن آہل اسے کہیں بھی نہیں مل رہا تھا، اب صائم کا دماغ گھوم رہا تھا اسے اب فکر مندی نے آن گھیرا تھا، وہ کہاں چلا گیا

تھا، پہلے تو وہ کبھی بھی ایسے نہیں جاتا تھا چاہے جتنے مرضی غصے میں ہو، صائم نے گھر فون کر کے اولیویا سے پوچھا تو اس نے بھی جواب نہ میں دیا تھا۔

"آہل مجھے کہیں بھی نہیں مل رہا، میں نے گھر میں بھی پتہ لگوا لیا ہے اور ہسپتال بھی چھان مارا ہے لیکن وہ کہیں نہیں مل رہا، میں نے گارڈز کو بھی بھیجا ہے اسے ڈھونڈنے پر وہ ابھی تک انہیں بھی نہیں ملا۔"

صائم نے کمرے میں آ کر انہیں اطلاع دی تو وہ تینوں رونے لگ گئیں، انہیں لگ رہا تھا سارا قصور انہی کا ہے، اور بے شک سارا قصور انہی کا تھا۔ صائم کو لگا کہ اس نے ہی غلطی کر دی انہیں بتا کر۔ صائم جیسے تیسے کر کے ان تینوں کو گھر لے گیا۔

"کچھ پتہ چلا؟"۔

صائم جو کسی سے فون پر بات کر رہا تھا بہت گھبرایا ہوا لگ رہا تھا جب زی نے اس کے پاس آ کر پوچھا۔

"ن... نہیں"!

صائم زی کے اچانک پاس آکر پوچھنے پر ہڑ بڑا گیا تھا،اس نے جھوٹ بولنے کی ناکام کوشش کی تھی، شاید وہ یہ بھول چکا تھا کہ وہ کس سے جھوٹ بول رہا ہے۔

”صائم جھوٹ مت بولو مجھے ٹھیک سے بتاؤ۔“

زی نے سختی سے پوچھا، صائم کو اب وہ بلکل بھی تھوڑی دیر پہلے والی روتی دھوتی زی نہیں لگ رہی تھی،

وہ اسے اب بلکل پہلے والی زی لگ رہی تھی۔

”بھابھی! ابھی گارڈ کی کال آئی تھی وہ کہہ رہا تھا کہ ابھی ابھی اس نے ہسپتال کے باہر کی فوٹیج نکلوائی ہے جس میں کچھ لوگ آہل کو گن پوائنٹ پر لے گ ئے ہیں۔“

صائم نے لب بھینچے اپنے آپ پر ضبط کرتے بتایا ورنہ ابھی تو اس کا دل کر رہا تھا کہ جو لوگ آہل کو لے کر گ ئے ہیں انہیں پہلی فرصت میں ہی شوٹ کر دے۔

”کون ہیں وہ لوگ جو انہیں لے کر گ ئے ہیں؟“۔

زی نے لال انگارہ ہوتی آنکھوں سے پوچھا۔

”جن کے گھر سے ہم نے فلیش چرائی تھی۔“

صائم نے ''آپ'' کی بجائے ''ہم'' کہنا بہتر سمجھا۔ اس سے پہلے کہ زی کچھ بولتی صائم کا فون بج اٹھا، اب زی بھی صائم کے فون کی طرف متوجہ ہو چکی تھی جو فون کان سے لگا چکا تھا۔

''دیکھو! اگر اسے کھروچ تک بھی آئی نہ تو زندہ نہیں چھوڑوں گا تم میں سے کسی کو۔''

فون پر پتہ نہیں کیا کہا گیا تھا کہ صائم بھڑک اٹھا تھا۔

زی کے کان کھڑے ہو گئے تھے، اس ایک سیکنڈ نہیں لگا تھا یہ اندازہ لگانے میں کہ فون پر کون ہے۔

''دیکھو! میں ابھی، ابھی وہ فلیش لے کر پہنچ رہا ہوں لیکن تم...... ہیلو، ہیلو، ہیلو۔''

اس سے پہلے کہ صائم آگے کچھ کہتا فون کاٹ دیا گیا تھا۔ صائم کا دل کیا کہ اپنا فون ہی توڑ دے لیکن ابھی وہ یہ کام بلکل نہیں کر سکتا تھا۔

''بھابھی! وہ''......

''تم جاؤ فلیش لے کر۔''

صائم نے زی کو بتانا چاہا تو زی نے سختی سے صائم کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''پر بھابھی''...!

''میں نے کہا ہے صائم کہ تم جاؤ فلیش لے کر۔''

زی نے چلا کر کہا تو صائم ہونٹ بھینچے وہاں سے نکل گیا۔

زی، صائم کے جانے کے بعد خود بھی وہاں سے نکل گئ، وہ بہتر جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

صبح کے چار بج رہے تھے، جب صائم اس پُرانی فیکٹری میں پہنچا، جہاں پر آہل کو لے کر گ ئے تھے وہ لوگ، اسے فون پر صاف منع کیا گیا تھا کہ اپنے ساتھ کسی کو لانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ انجام بُرا ہو سکتا ہے، وہ اکیلا چلتا ہوا ایک لوہے کے زنگ لگے دروازے کے قریب پہچا جہاں سے ایک انگریز آدمی باہر نکلا جس کے ہاتھ میں گن موجود تھی، اس آدمی نے صائم کی پہلے اچھے سے تلاشی لی کہ کہیں اس کے پاس گن تو موجود نہیں۔ پھر اسے مخاطب کر کے بولا۔

"فلیش لائے ہو؟"

"لایا ہوں۔"

صائم نے ہاتھ میں موجود فلیش دکھاتے ہوئے کہا تو اس آدمی نے سر اثبات میں ہلایا، وہ تلاشی کے وقت صائم کا فون بھی اپنے قبضے میں لے چکا تھا، وہ صائم کو اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کرتے اندر چلا گیا تو صائم بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ فیکٹری بہت پرانی تھی، ہر طرف بڑے بڑے ڈبے موجود تھے۔ وہ آدمی صائم کو لے کر تھوڑا سا آگے گیا تو سامنے ایک اور آدمی کھڑا تھا، پہلے والے آدمی نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ وہ صائم کو اپنے ساتھ لے جائے اور پھر خود وہ جا کر واپس سے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا تا کہ کسی کے آنے جانے پر نظر رکھ سکے۔ اب وہ دوسرا آدمی صائم کو ان بڑے بڑے ڈبوں کے درمیان سے گزارتا بہت دور لے آیا تھا جہاں سامنے ہی وہ لوگ موجود تھے... دو آدمی آہل کو مضبوطی سے تھامے کھڑے تھے اور ایک آدمی نے آہل کے سر پر گن تانی ہوئی تھی، یہ منظر دیکھ کر صائم کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا ان لوگوں کو آگ لگا دے، وہ کیسے اس کے بھائی کے سر پر گن تانے کھڑے تھے۔

"آیئے، مسٹر! آپ کا ہی ویٹ ہو رہا تھا۔"

وہ انگریز آدمی جو کہ شاید ان سب کا بوس تھا اپنی انگریزی زبان میں صائم سے مخاطب ہوا۔

"میں فلیش لے آیا ہوں اسے چھوڑ دو۔"

صائم نے ایک نظر آہل کو دیکھتے کہا جو کہ مسلسل اسے گھوریوں سے نواز رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو، تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی اور یہ فلیش لانے کی، تمہارے ٹانگیں تو گھر جا کر توڑوں گا میں۔

”اوہ، گُڈ بوائے! مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے ہماری بات پر عمل کیا، اب شاباش وہ فلیش ہمیں دے دو۔“

اس آدمی نے اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں... پہلے اسے چھوڑو۔“

صائم نے آہل کی طرف اشارہ کیا۔

”اوکے، چھوڑ دو اسے۔“

اس آدمی نے صائم کی بات مانتے ہوئے اپنے دونوں آدمیوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے آہل کو چھوڑ دیا، پر آہل کا پارہ تو ہائی ہو چکا تھا، اس نے کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر ان تین آدمیوں کا قیمہ بنانا شروع کر دیا، جبکہ صائم کا دل کر رہا تھا ادھر بیٹھ کر اپنا سر پیٹ لے۔

”رُکو! ورنہ میں شوٹ کر دوں گا۔“

ان کے بوس نے آہل کے سر پر گن تانتے کہا تو آہل کا مُکے برساتا ہاتھ تھما۔

”اپنے ہاتھ اوپر کرو۔“

اگلا حکم جاری کیا گیا تو آہل نے اپنے ہاتھ اوپر کر دیے اور سیدھے سے کھڑا ہو گیا۔

"اپنی حد میں رہو، آہل احمد بٹ! ورنہ ایک سیکنڈ نہیں لگاؤں گا تمہیں قتل کرنے میں، میرے ہی گھر سے میری ہی فلیش چُرالی تم نے اور تو اور ملک کے اتنے بڑے بزنس مین ہو کر پیسے اور ساری قیمتی چیزیں بھی چُرالیں تم نے، ذرا شرم نہ آئی تمہیں ایسا بے ہودہ کام کرتے ہوئے، مجھے ابھی بھی یقین نہیں آرہا دی ورلڈ فیمس بزنس مین آہل احمد بٹ یہ کام کر سکتا ہے۔"

اس آدمی نے بے یقینی اور کچھ افسوس سے کہا۔ جبکہ آہل اور صائم کی تو آنکھیں ہی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ان کی بات سُن کر۔ اور پھر ان دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا، انہیں منہ کھول کر ہنستے دیکھ اس آدمی کو دونوں کی عقل پر شبہ ہوا، پھر اس نے ایک گولی ہوا میں فائر کی جس کی وجہ سے ان دونوں کا قہقہہ تھما۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، مجھے جلدی سے فلیش دو اور پھر جاؤ یہاں سے۔"

اس آدمی نے چیخ کر کہا تو صائم نے اسے فلیش پکڑا دی، وہ فلیش تھام کر اس آدمی نے اپنے ایک بندے کو اشارہ کیا۔ وہ بندہ آیا اور اپنے بوس سے فلیش لے کر وہ ٹیبل پر رکھے لیپ ٹاپ کی طرف بڑھ گیا آیا یہ وہی فلیش تھی کہ کوئی اور۔

"صائم! یہ وہی فلیش ہے نہ، یا پھر مجھے اوپر پہنچانے کا پکا پلین بنا کر آئے ہو؟"۔

آہل نے صائم کے کان میں گھس کر سرگوشی میں پوچھا۔

"اتنا گراہوا نہیں ہوں میں، جتنا کہ تم نے مجھے سمجھ لیا ہے، ارے میری بھابھی زندہ آباد، پھر سے لا کر دے دے گی ہمیں فلیش۔"

صائم نے فخریہ بتایا۔ جبکہ آہل منہ پھیر گیا، شاید وہ زی سے ناراض تھا۔

"ابے موٹی عقل کی بھینس، زیادہ نخرہ نہ دکھا نا گھر جا کر بھابی کے سامنے۔"

صائم اس کے ایسے منہ پھیرنے پر اسے پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"توبہ ہے، صائم! کبھی تم مجھے بوس بوس آپ آپ کہتے نہیں تھکتے تھے، اور اب تو تم نے مجھ سے تمیز سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا ہے، تم شاید بھول گئے ہو کہ ابھی تم اون ڈیوٹی ہو، اس لیے تم تمیز سے بات کرو مجھ سے۔"

آہل نے مصنوعی غصے سے کہا جس پر تو صائم کو آگ ہی لگ گئی۔

"میں نے جاب سے ریسائن کر دیا ہے اس لیے اب چُپ رہو تم۔"

"کب کیا تم نے ریسائن؟"۔

آہل نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ابھی! ایک منٹ پہلے۔"

صائم نے کندھے اچکا کر کہا۔

"شرم تو نہ آئی ریسائن کرتے ہوئے،اب مجھے خطروں سے کون بچایا کرے گا؟... تمہارا باپ؟"۔

آہل نے مصنوعی ناراضگی سے کہا ورنہ دل میں تو وہ بلّے بلّے کر رہا تھا۔

"ہونہہ... میری بھابھی زندہ آباد۔"

صائم نے پھر سے بھابھی زندہ آباد کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔

"ہاں ہاں، بچا ہی نہ لے مجھے کسی خطرے سے،ابھی یہ جو ہم یہاں کھڑے ہیں نہ اس کی وجہ سے ہی کھڑے ہیں،نہ وہ میری بات مان کر فلیش چُراتی نہ وہ مجھ پر ہسپتال میں غصہ کرتی،نہ ہی میں غصے سے باہر جاتا اور نہ ہی مجھے یہ لوگ پکڑتے،سارا قصور تمہاری بھابھی کا ہی ہے۔"

آہل نے بڑے آرام سے سارا الزام زی پر دھر دیا تھا۔

"میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گیا بھابھی گھر چھوڑ کر پتہ نہیں کہاں چلی گئیں۔"

صائم نے پریشانی سے کہا جیسے وہ سچ میں ہی چلی گئی ہے۔

"ک... ک... کہاں؟"

آہل کی زبان لڑکھڑائی،اس نے صائم کی بات پر یقین کر لیا تھا شاید،وہ یہ بھول چکا تھا کہ ابھی ہی تو صائم بھابھی زندہ آباد کے نعرے لگا رہا تھا۔

”بیٹا! تو بہت بے وقوف ہے۔ یار تجھ سے محبت کرتی ہیں تجھے چھوڑ کر کہاں جائیں گی، گھر پر ہیں۔“

صائم نے آنکھیں گھما کر کہا... آہل کو تسلی ہوئی تھی پھر وہ صائم کی بات یاد کر کے پھر سے مسکرا دیا، ہاں وہ اس سے محبت ہی تو کرتی تھی تو کیسے چھوڑ کر جاتی۔

”بوس! یہ وہی فلیش ہے۔“

اس آدمی نے چیک کر کے بتایا۔

”اوہ، مائے بوائے! تم تو بہت سویٹ نکلے، صحیح فلیش اٹھا لائے، تھینک یو سو مچ، اب ہمیں تم دونوں کی کوئی ضرورت نہیں اور اس دنیا کو بھی، اس لیے میں نے سوچا ہے تم دونوں کو تمہارے خُدا کے پاس ہی بھجوا دوں۔“

اس آدمی نے اپنے دو بندوں کو اشارہ کیا تو انہیں نے گن آہل اور صائم پر تان دی۔ آہل اور صائم کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا، وہ انہیں دھوکہ دے چکا تھا۔

”ویلیم میسن! میں بتا رہا ہوں تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو، میں تو چھوٹی سی غلطی معاف نہیں کرتا اور تم اتنی بڑی غلطی کرنے جا رہے ہو۔“

آہل نے شعلہ چھلکاتی آنکھوں کے ساتھ کہا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ویلیم کے ہاتھ سے گن لے کر ساری گولیاں ویلیم کے اندر ہی اتار دے۔

”اوہ، ڈی آہل احمد بٹ! اگر میں تمہیں یہاں سے جانے دے دیتا تو تب بھی کون سا بخش دینا تھا تم نے مجھے۔“

ولیم ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ آہل احمد بٹ کسی کو نہیں بخشتا تھا۔

”ولیم! یہ دھوکے بازی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی، آہل احمد بٹ دھوکا دینے والوں کے ساتھ موت سے بھی بدتر سلوک کرتا ہے۔“

کیا انداز تھا آہل کا، وہ بلکل بھی وہ آہل نہیں لگ رہا تھا جو تھوڑی دیر پہلے صائم کے ساتھ بات کرتے وقت تھا، اس کا لہجہ، اس کا انداز حد سے زیادہ خوفناک تھا، ولیم نے بے ساختہ اپنا تھوک نگلا تھا، چاہے جو بھی تھا، وہ اس شخص سے ڈرتا تھا، لیکن اگر وہ اسے چھوڑ دیتا تو ولیم جانتا تھا کہ بعد میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہونا ہے، اس لیے اسے جو کرنا تھا ابھی کرنا تھا، اسی وقت کرنا تھا۔

”ویسے اچھا موقع ہے ابھی مار دو مجھے، اگر تم نے مجھے بخش دیا نہ... تو تم موت بھی مانگو گے نہ تو تمہیں نصیب نہیں ہونے دوں گا۔“

آہل کا خون خول رہا تھا جبکہ صائم کو اپنی غلطی کا اب اندازہ ہو رہا تھا۔

”شوٹ کر دو ان دونوں کو“!

ویلیم نے اپنے دو آدمیوں کو حکم دیا جو آہل اور صائم پر پہلے سے ہی گن تانے کھڑے تھے، اسے اب سچ میں آہل کی باتوں سے خوف آرہا تھا، اب وہ بھی کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ان کے آدمیوں نے اپنے بوس کے حکم کی تامیل کرتے ہوئے گولیاں چلا دیں تھیں، دو گولیاں چلنے کی آواز فضا میں زور و شور سے گونجی تھیں...... لیکن یہ کیا... گولی چلی تھی لیکن... لیکن ان دو آدمیوں کے ہاتھوں پر جو آہل اور صائم پر گن تانے... انہیں مارنے ہی والے تھے۔ وہاں کھڑے ہر شخص نے سامنے کی سمت دیکھا جہاں سے گولیاں چلی تھیں... سامنے ہی زی ہاتھوں میں گنز تھامے کھڑی تھی اور شعلہ بار ہوتی آنکھوں سے ویلیم کو دیکھ رہی تھی جیسے اپنی آنکھوں سے ہی بھسم کر دے گی سامنے والے کو۔

آہل اور صائم کی تو آنکھیں ہی باہر آنے والی تھیں، وہ لڑکی کیا چیز تھی؟

"واٹ دا ہیل؟ کون ہے یہ لڑکی، اور اندر کیسے آئی؟"۔

ویلیم تو گھبرا ہی گیا تھا اس لڑکی کے ہاتھوں میں گنز دیکھ کر۔ زی اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے ہلکا سا مسکرائی تھی اور پھر قدم قدم چلتی اس شخص تک آئی... اس دوران اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود دو گنز میں سے ایک گن صائم کی طرف اُچھال دی تھی

جسے صائم نے برک رفتاری سے تھام لیا تھا...اب زی اس ولیم کے سامنے گن تانے کھڑی تھی،اس کا بس چلتا تو ابھی اس کو شوٹ کر دیتی، لیکن نہیں یہ اس کا کام نہیں تھا۔

''صائم نے پستول کا دستا ان دونوں آدمیوں کے سروں پر مارا، جوان پر پہلے گنز تانے کھڑے تھے...اور اب حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے جو انہیں دھول چٹا گئ تھی۔ صائم نے جب ان دونوں کے سروں پستول کر دستا مارا تو وہ فوراً بے ہوش ہو گ ئے۔

''کون ہو تم؟ لڑکی تم جاؤ یہاں سے ورنہ میرے ہاتھو مر جاؤ گی۔''

ولیم کے کہنے کی دیر تھی کہ آہل تیزی سے اس کی طرف بڑھا لیک زی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا، آہل تو ضبط کے مارے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

''تم نے مجھے...مجھے یہ کہا کہ تم اپنے ہاتھوں سے مجھے مار دو گے، ہاں؟''۔

زی کا انداز بہت عجیب تھا۔

''ہاں میں نے تمہیں ہی کہا ہے ویسے اگر تم میرے لیے کام کرو گی تو''...

اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر ولیم نے زی کو اوپر سے نیچے تک ہوس بھری نظروں سے دیکھا۔ آہل نے پاس پڑی کرسی کے نکلے ہوئے کیل پر زور سے اپنا ہاتھ مارا تا کہ اپنا غصہ

ضبط کر سکے، خون تیزی سے اس کے ہاتھ سے بہہ رہا تھا، لیکن ولیم کے خنجر جیسے الفاظوں کے آگے اسے اپنے ہاتھ میں ہوتے درد کا بھی احساس نہ ہوا۔

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے شوہر کو نقصان پہنچانے کی۔''

زی نے دانت پر دانت جما کر کہا اور گن نیچے کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا، گولی سیدھا ولیم کے پاؤں پر لگی تھی، اس کے پاؤں سے خون فوارے کی طرح بہہ رہا تھا... ولیم اب زور زور سے چیخ رہا تھا... اس کی چیخیں دل خراش تھیں... لیکن زی نے اس کی چیخوں کی پرواہ کیے بغیر... اس کے درد... اس کی تکلیف کی پرواہ بغیر دوسری گولی بھی چلا دی جو کہ ولیم کے دوسرے پاؤں پر جا لگی... اب ولیم نیچے گر کر نڈھال ہو چکا تھا، لیکن اس کی چیخیں ایسی تھیں جیسے ابھی اس کا حلق پھاڑ دیں گی۔ لیکن زی شاید... شاید پاگل ہو چکی تھی، وہ لڑکی... وہ لڑکی جنونی ہو چکی تھی اپنی محبت میں... اپنے عشق میں... اسے ولیم کی چیخیں سُن کر اپنے اندر سکون اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، عشق کی آگ اس پر غالب ہو چکی تھی۔

آہل کو پہلے تو حیرت ہوئی تھی، لیکن لمحے ہی بھر میں اس کی حیرت خوشی میں بدل چکی تھی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نے سفر کیا تھا... آج وہ صحیح معنوں میں آہل کی بیوی لگ رہی تھی... اس کی شیرنی... زخمی شیرنی۔

"دیکھا! کہا تھا نہ میں نے، میری بھابھی زندہ آباد۔"

صائم جو کہ ویلیم کے سارے آدمیوں کی عقل ٹھکانے لگا چکا تھا اب سارا منظر بغیر کسی حیرت کے مزے لیتے دیکھ کر آہل سے بولا۔

"بیوی کس کی ہے؟"۔

آہل زی کو فخریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بھابھی کس کی ہے؟"۔

صائم نے بھی زی کو فخریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلیں؟"۔

زی ان کی طرف آکر بولی لیکن آنکھیں اب بھی اس کی خونی رنگ کی ہو رہی تھیں۔

"اہم! اہم!... میں خود آسکتا ہوں، تمہارے ساتھ جا نہیں سکتا نہ، بقول تمہارے، میں تو تمہارا نا محرم ہوں۔"

آہل نے اسے اس کی باتیں یاد دلا کر اپنی ناراضگی ظاہر کی لیکن وہ یہ بات کہہ کر غلطی کر چکا تھا، وہ شاید بھول چکا تھا کہ زخمی شیرنی کے منہ میں ہاتھ ڈال چکا ہے وہ۔ زی کا ہاتھ تیزی سے اٹھا تھا آہل کے چہرے پر۔

"چٹاخ"...!

اور پیار اسا لال رنگ کا نیچرل نشان بھی چھوڑ چکا تھا۔ آہل نے صدمے کی حالت میں زی کو دیکھا جبکہ صائم اپنا قہقہہ روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کیونکہ وہ قہقہہ روکنے کے ساتھ بھرپور طریقے سے ہنس بھی رہا تھا، خیر وہ اپنا قہقہہ تو بلکل بھی نہیں روک رہا تھا۔ روکنے کی کوشش کے ساتھ وہ اور زیادہ سپیڈ پکڑ لیتا تھا۔

"چلیں؟"...

زی نے پھر سے پوچھا تو آہل نے اپنے گال پر ہاتھ رکھے ہی ہاں میں سر ہلا دیا، آہل کو آج غصہ بلکل نہیں آیا تھا...... بلکہ آج وہ شاک میں تھا...... اور اگر اسے غصہ آجاتا تو...... آپ سب بہتر جانتے ہیں۔

"تم کدھر، بھئی؟"

صائم کو اپنے اور زی کے ساتھ آتے دیکھ آہل نے پوچھا۔

"گھر"...!

صائم نے کندھے اچکاتے کہا۔

"اوہ، بھئی! اس کو اپنے ساتھ ذرا ٹھکانے پر لے کر آؤ۔ ابھی میں نے اس کی طبیعت بھی صاف کرنی ہے۔"

آہل نے درد سے چیختے ہوئے ولیم کی طرف اشارہ کیا۔

"تم شاید بھول چکے ہو کہ میں نے ریسائن کر دیا ہے۔"

صائم ابرو اچکا کر اسے یاد دلایا۔

"تو کیا ہوا، میرا بھائی نہیں ہے پھر تو"!

آہل نے اسے بڑے پیار سے کہا تو صائم نے افسوس سے گردن نفی میں ہلائی۔اب جو بھی تھا اسے ہی لے کر جانا تھا ویلیم کو۔

جب وہ دونوں گیٹ تک پہنچے تو سامنے ہی ایک آدمی بے ہوش حالت میں پڑا تھا،جی ہاں یہ وہی آدمی تھا جو گیٹ پر رکھوالی کے لیے کھڑا تھا،اس آدمی کو اس حالت میں دیکھ کر آہل کو ایک سیکنڈ نہیں لگا تھا یہ اندازہ لگانے میں کہ یہ کام کس نے کیا ہے۔

"فکر نہ کریں، دادو! صائم لے کر آجائے گا بھائی کو، آپ فکر نہ کریں۔"

زویا دادو کو تسلی دے رہی تھی۔

"کیسے فکر نہ کروں، بے حیا پتہ نہیں کہاں بھاگ گیا ہے۔"

دادو کو اب آہل پر غصہ آ رہا تھا، انہیں ابھی تک کچھ بھی پتہ نہیں چلا تھا۔

"آ جائیں گے آپ فکر نہ کریں، صائم جاتے ہوئے کہہ کر تو گیا ہے کہ مل گ ئے ہیں بھائی، پھر کیوں آپ فکر کر رہی ہیں، اور یہ زی کہاں گئی ہے کب سے دکھائی ہی نہیں دے رہی۔"

زویا نے ادھر اُدھر نظر دوڑاتے کہا۔

"بچاری رو رہی ہو گی کسی کونے میں بیٹھی، تمہارے بھائی کو اسے رلانے کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے کیا"!

دادو نے اپنی طرف سے پکا اندازہ لگایا۔

"وہ دیکھیں! آ گئے بھائی، ہم ایسے ہی ٹینشن لے رہی تھے۔"

زویا کی نظر جب سامنے سے آتے آہل پر پڑی تو فوراً سے بولی۔

"کہاں گئے تھے تم، ہاں؟ پتا ہے کتنی ٹینشن ہو رہی تھی ہمیں، بچاری زی نے رو رو کر بُرا حال کر لیا ہے، کب سے اپنے کمرے میں بند ہے، ایک بار بھی باہر نہیں نکلی۔"

دادو نے پھر سے اپنا پکا اندازہ لگا کر آہل سے کہا۔ لیکن آہل کو ان کی بات پر بہت ہنسی آ رہی تھی جسے وہ ضبط کر گیا... راستے میں زی نے اسے بتا دیا تھا کہ گھر میں ابھی کسی کو بھی اس کے اغوا کا نہیں پتا، اس لیے وہ بھی نہ بتائے، اور گھر پہنچتے ساتھ ہی زی نے آہل

کو اندر بھیج دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ پچھلے دروازے سے گھر میں چلی جائے گی۔اب گھر میں یہ حال تھا ان سب کا۔

”بھائی آپ بھی نہ ایسے ہی چلے گئے ہسپتال سے،زی کو بتا تو دیتے کہ آپ نے اسے طلاق نہیں دی،بچاری روئے جا رہی تھی۔“

زویا نے بھی آہل کو زی کا دُکھ نامہ سنایا جو ٹھیک آدھے گھنٹے پہلے بچارے آہل کو چماٹ سے نواز چکی تھی،بے اختیار آہل کو زی کا تھپڑ یاد آیا۔

”وہ محترمہ میرا یقین ہی نہیں کر رہی تھی،اس لیے مجھے غصہ آگیا اور غصے میں مجھے ساری رات باہر گزارنی پڑی۔“

آہل نے اپنا جھوٹ نامہ گھڑا۔

”ساری غلطی آپ کی ہی ہے،ہمیں تو لگا آپ گھر چھوڑ کر ہی چلے گئے،لیکن صائم نے بتایا کہ آپ مل گئے ہیں تو ہمیں تسلی ہوئی،چلیں اب اس بچاری کو منالیں،بچاری کب سے رو رہی ہے۔“

زویا کی سوئی ابھی تک "زی کے رونے" پر اٹکی ہوئی تھی۔

”ہاں جاؤ جلدی سے،اور...اور صائم کدھر گیا۔“

دادو نے صائم کی غیر موجودگی کو محسوس کر کے پوچھا۔

"وہ ولیم کو ٹھکانے لگانے گیا ہے تا کہ بعد میں میں اس کی طبیعت صاف کر سکوں۔"

آہل یہ سب صرف سوچ ہی سکا، لیکن بولا تو صرف اتنا۔

"وہ نہ، اسے میں نے آفس کے کام سے بھیجا ہے، آفس میں بہت کچھ پینڈنگ تھا تو میں نے اسے بھیج دیا۔"

صائم جو کہ ریسائن کر چکا ہے آہل نے اسے آفس بھیج دیا ہے۔ واہ آہل احمد بٹ کے۔

"اوہ اچھا، چلو اب کھڑے کھڑے منہ کیا تاک رہے ہو ہمارا اپنی بیوی کو جا کر مناؤ۔"

دادو نے اسے جلدی سے دفع کیا تو وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر بھاگ گیا۔

"تو بھی اپنے شوہر کا اتا پتا لے لے، بچارا کل سے بھوکا ہے، اس سے پوچھ کچھ کھایا بھی ہے اس نے، بچارا میری جان کا ٹکڑا کتنے کام کرتا ہے، لیکن اپنے آپ کو بھول جاتا ہے، چل اب جا اور اسے فون کر کے پوچھ، میں زرا نیا گانا سُن لوں۔"

دادو زویا پر حکم صادر کرتی وہاں سے جا چکی تھیں نیا ااا گانا سننے، جبکہ زویا یہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ صائم کو فون کر کے یہ پوچھتے اچھی لگے گی کہ "میلے بابو نے تھانا تھایا۔" یہ سوچ کر ہی زویا نے جھرجھری لی، لیکن پھر صائم کی یاد آ گئی تو زویا میڈم نے صائم کو فون کر لیا۔

صائم جو کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ولیم کو پچھلے دروازے سے گھر لے کر آگیا تھا اور اب اس خفیہ کمرے میں موجود، ولیم کو کرسی سے باندھ رہا تھا فون بجتے ہی بغیر سکرین پہ دیکھے فون اٹھالیا۔

”مجھے ڈسٹرب نہ کیا کرو کام کے وقت، قسم سے دل کرتا ہے فون سے نکال کر ہی اس بندے کے دو تھپڑ لگادوں، اگر اب مجھے کال کی تو شکل بگاڑ کر رکھ دوں گا تمہاری۔“

صائم پہلے ہی پورے دو دن سوئے بغیر کام کر کے تپا ہوا تھا کہ فون کرنے والے پر اپنے دو دن کی بھڑاس نکال گیا۔

”س... سوری، مجھے نہیں پتہ تھا۔“

زویا اس کے بھڑکنے پر سہم کر بولی... ساتھ میں اب وہ اپنے رونے کا شغل بھی جاری کرنے والی تھی، یہ تو صائم کو بھی اندازہ ہو چکا تھا۔ اس بچارے کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کی فون پر زویا ہو سکتی ہے۔

”زویا! میرا... میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“

صائم نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے کہا۔

”ک... کوئی... کوئی بات نہیں آپ کام کرلیں... میں بعد میں کال کرلوں گی۔“

زویا اب اپنا شغل فرما چکی تھی، ایک تو جب بھی وہ اس سے بات کرتی تھی وہ بھڑکنے ہی لگ جاتا تھا۔

”زویا! نہیں میں... میں بزی نہیں ہوں، وہ مجھے... مجھے لگا کہ... کہ کوئی اور ہے۔“

صائم اپنے جملے کو صحیح سے ترتیب نہیں دے پا رہا تھا۔

”سچی؟“...

زویا نے کنفرم کرنا چاہا کہ آیا وہ جھوٹ تو نہیں بول رہا۔

”مُچی“...

صائم نے جب محسوس کیا کہ وہ اپنا رونا بھول گئی ہے تو کھل کے مسکرایا۔

”پھر ٹھیک ہے۔“

زویا میڈم اب اپنی ٹون میں واپس آ چکی تھی۔

”ویسے فون کس لیے کیا تم نے؟“۔

صائم نے پوچھا تو زویا بغیر جھجک کے بول پڑی۔

”دادو کہہ رہی تھیں صائم کو فون کر کے پوچھو کہ اس نے کھانا کھایا کہ نہیں۔“

”میں نے پچھلے دو دن سے کھانے کی شکل بھی نہیں دیکھی۔“

صائم نے بھوک کے مارے غصے سے ایک زوردار تھپڑ کھینچ کر ولیم کو مارا جیسے سارا قصور اسی کا تھا۔

”ہیں؟ سچی بتائیں؟ آپ نے کچھ نہیں کھایا؟“۔

زویا نے حیرت اور فکرمندی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا۔

”قسم سے“!

صائم نے بے چارگی سے کہا۔

”آپ کے آس پاس کچھ نہیں پڑا کھانے کو؟“۔

زویا کو اب اسکے کھانے کی فکر لاحق ہو چکی تھی۔

”ہاں! پڑا ہے نہ ایک عدد پستول تمہارے بھائی کا عطیہ کیا ہوا، ایسا کرتا ہوں وہی کھالیتا ہوں۔“

صائم نے اس کے بے تُکے سے سوال پر تپ کر اُلٹا ہی جواب دیا تھا۔ زویا کو شرمندگی محسوس ہوئی۔

”سوری... آپ ایسا کریں گھر آجائیں میں آپ کو کچھ کھلا دیتی ہوں، کام آپ بعد میں کر لیجیئے گا۔“

”تمہارے پیچھے ہی کھڑا ہوں، کھلا دو کچھ اب۔“

زویا کو اپنے پیچھے سے صائم کی آواز سنائی دی تو اس نے چونک کر پیچھے دیکھا، صائم فون کان کے ساتھ لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا، چہرے پر دنیا جہاں کی تھکن دکھائی دے رہی تھی، دو دن سے نہ سونے کی وجہ سے آنکھیں لال سُرخ ہو رہی تھیں، زویا کو بے اختیار اس پر بہت ترس اور پیار آیا۔

''آپ کب آئے؟''۔

زویا نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی تقریباً پانچ سیکنڈز پہلے۔''

صائم نے کہتے ساتھ ہی زویا کا ہاتھ تھاما اور اسے کچن میں لے گیا، پھر خود کرسی پر بیٹھ کر زویا پر حکم جاری کیا۔

''جلدی سے کھانا دے دو مجھے۔''

''اچھا ٹھیک ہے کیا کھائیں گے آپ؟''۔

زویا نے ایپرین پہنتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ بھی بنا دو، لیکن کوئی پاکستانی ڈش ہونی چاہیے وہ۔''

صائم کا آج بہت دل کر رہا تھا کوئی پاکستانی ڈش کھانے کو، اولیویا کے کھانے کھا کھا کے اس کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، اور اب وہ پاکستانی ڈش کھانا چاہتا تھا کوئی۔

"مجھے تو صرف بریانی بنانی آتی ہے پاکستانی ڈشز میں سے، اور وہ بھی مجھے مس فاطمہ نے بنانی سکھائی تھی۔"

"اچھا تو پھر وہی بنا دو۔"

صائم نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے... اپنی آنکھیں مسلتے کہا۔

"لیکن اس میں تو بہت ٹائم لگ جائے گا اور آپ کو تو بھوک بھی بہت لگی ہے۔"

زویا نے پریشانی ظاہر کی۔

"تم بناتی جاؤ اور مجھ سے باتیں کرتی جاؤ تاکہ مجھے بھوک نہ لگے۔"

صائم نے سیدھا حل ہی نکال لیا اور زویا میڈم کو بھی تو باتیں کرنے کا بہانہ چاہیے تھا اس لیے جھٹ سے مان گئی۔ زویا پیازوں کو بڑی پھرتی سے کاٹتے ہوئے صائم کو اپنے ریستوران کی باتیں سنانے لگی۔ صائم بھی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا، زویا نے اسے اپنے ریستوران کا ایک وہ قصہ بھی سنایا جس میں اس نے ایک ٹھرکی سے انگریز کو کھانا سرو کرتے ہوئے کیسے اُردو میں گالیاں دی تھیں، اور وہ پاگل اسے اپنی تعریف سمجھ کر چوڑا ہوئی جا رہا تھا، کیونکہ زویا باتیں ہی اتنی پیار سے کرتی تھی کہ اگلے بندے کو تعریف ہی لگتی تھی۔

"اس لیے تم مجھے اس دن مال میں گالیوں سے نواز رہی تھی۔"

صائم کو اس کی باتوں سے وہ قصہ یاد آیا تو بول پڑا۔

"ہاں، کیونکہ تم ایک لڑکی کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔"

زویا کو بھی جب وہ قصہ یاد آیا تو وہ تپ اٹھی، کیونکہ اس نے صائم کو، کسی لڑکی کو گھورتے ہوئے دیکھا تھا اور اب وہ بڑے آرام سے "آپ" سے "تم" کا سفر اختیار کر چکی تھی۔ لیکن صائم کی آنکھیں چمکی تھیں... ہونٹوں پر ایک شراتی مسکان آٹھہری جسے وہ چھپاتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہاں، وہ لڑکی مجھے بہت پسند آئی تھی، بہت خوبصورت تھی وہ، دل ہی نہیں کر رہا تھا اس سے نظریں ہٹانے کو۔"

صائم نے کہتے ساتھ کنکھیوں سے زویا کو دیکھا جو جل بھن کر کوئلہ ہو رہی تھی... اس کا سلاد کے لیے کھیرے کاٹتا ہوا ہاتھ اپنی رفتار پکڑ چکا تھا... اس کے کاٹنے کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی... ماتھے کی شکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"ہائے قسم سے وہ لڑکی مجھے دوبارہ نظر نہیں آئی، ترس گیا ہوں اسے دوبارہ سے دیکھنے کے لیے۔"

صائم تو کوئلے کو راکھ بنانے پر تُلا ہوا تھا۔ جبکہ زویا کا چاقو سے سلاد کاٹتا ہوا ہاتھ اپنے بیلینس سے زرا سا ہٹا تھا اور زویا کی انگلی پر کٹ لگا چکا تھا۔

"سسس"!

زویا سسک اٹھی، اس کی انگلی سے خون تیزی سے ٹپک رہا تھا، زویا کو اتنی درد نہیں ہوئی تھی جتنا کہ وہ خون دیکھ کر رونا شروع ہو چکی تھی۔ صائم کا دل تو پسلیاں توڑ کر باہر آنے والا تھا، وہ تیزی سے اٹھا اور زویا کی طرف لپکا۔

"یہ... یہ کیا... تم دیکھ کر کام نہیں کر سکتی کیا۔"

صائم نے پاس پڑے ٹیشو پیپر سے خون صاف کیا اور زویا کی انگلی اپنے منہ میں رکھ لی تا کہ خون رُک سکے۔

"صائم! تم نے دیکھا نہ کہ کتنا خون بہہ رہا تھا میرا، اگر میری ہڈی کٹ گئی ہوا اندر سے تو میں کیا کروں گی۔"

زویا کو اپنی ہڈی کی فکر لگ چکی تھی جو کہ بقول اس کے کٹ بھی چکی تھی شاید۔

"نہیں ہوا کچھ۔"

صائم نے زویا کی انگلی اپنے منہ سے نکالتے کہا، خون اب رُک چکا تھا، صائم کو تسلی ہوئی لیکن زویا کو حیرت ہوئی کہ خون کہاں چلا گیا... بلکل پول کے پانی کی طرح... صائم تو ہر چیز غائب کرنے کا ہنر رکھتا تھا، زویا میڈم کو بہت اہم بات معلوم ہوئی تھی آج۔

"صائم! تم تو سچ میں جادو گر ہو، کچھ بھی غائب کر دیتے ہو۔"

زویا نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں بس غائب ہی کر سکتا ہوں میں، کچھ بھی واپس نہیں لا سکتا، اگر لا سکتا نہ تو اس دن مال والی لڑکی کو اپنے سامنے ضرور لے آتا، قسم سے بہت یاد آرہی ہے اس کی۔"

صائم نے افسوس سے کہا۔ زویا کا دل کیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے، وہ کیوں کر رہا تھا اس کے سامنے ایسی باتیں، کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی ایسی باتوں پر اس کا دل بند ہو رہا تھا، وہ اس کا شوہر ہو کر کیسے کسی اور عورت کو یاد کر رہا تھا اس کے سامنے۔

"صائم"...!

زویا نے تڑپ کر نم آنکھوں سے اسے پکارا تھا، جو شاید اس کی یہی تڑپ دیکھنے کے لیے ترس رہا تھا۔

"ہاں، جانِ صائم"...

صائم نے زویا کے گالوں پر چمکتے موتیوں کو صاف کیا جو پتہ نہیں کب پلکوں کی باڑ توڑ کر زویا کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"تم... تم ایسے نہ کہو۔"

زویا نے اپنے گال پر موجود صائم کے ہاتھوں کو تھامتے اس کی شہد رنگ آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

"کیوں؟"

صائم نا چاہتے ہوئے بھی اسے ستا رہا تھا، پتہ نہیں کیا سننا چاہتا تھا وہ اس کے منہ سے۔

"مجھے... مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"کیوں اچھا نہیں لگتا؟"۔

صائم پتہ نہیں کیا سننے کے لیے بے تاب تھا اس کے منہ سے۔

"تم میرے شوہر ہو کر کسی غیر لڑکی کو کیسے اچھا کہہ سکتے ہو۔"

زویا کا انداز دنیا جہاں کی معصومیت سمیٹے ہوئے تھا، اور اسی معصومیت کے اندر صائم قید ہو چکا تھا۔

"زویا"...!

صائم نے کھوئے ہوئے انداز میں زویا کو پکارا۔

"کیا ہے؟"۔

"آئی لو یو!" صائم کہنا تو یہ چاہتا تھا پر کہہ نہ سکا۔

"کچھ نہیں..." یہ کہہ کر اس نے بات ٹال دی۔ لیکن۔ آخر کب تک... کب تک وہ ٹالے گا یہ بات؟

"تم جاؤ اور اس مال والی لڑکی کو ڈھونڈ کر اس سے کھانے کی فرمائش کرو۔"

زویا نے تپ کر کہا اور پیچھے ہاتھ کر کے اپنا ایپرین کھولنے لگی، صائم نے جلدی سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے ایپرین کھولنے سے روکا، لیکن اسی دوران زویا جھٹکے سے اس کے سینے سے آلگی، دونوں کا دل بے اختیار زور سے دھڑکا تھا، زویا کو صائم کے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی اور صائم کی دھڑکنیں سنتے اس کی خود کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔

''سوری''!

صائم نے اپنے ہاتھ اس کی کمر سے ہٹاتے کہا، زویا بھی جھٹ سے اس سے دور ہوئی۔

''اچھا یار سوری نہ، میں مذاق کر رہا تھا، بہت بھوک لگی ہے مجھے جلدی سے دے دو کھانے کو کچھ۔''

صائم نے ماحول کی سبکی مٹانے کی کوشش کی۔ زویا بھی سر ہاں میں ہلاتے بریانی کی صورتِ حال دیکھنے لگی جو کہ تقریباً پکنے ہی والی تھی۔

آہل نے ڈھاکی آواز سے زی کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ زی بیڈ پر بیٹھی فون میں کچھ دیکھ رہی تھی جب دروازہ کھُلنے کی آواز پر اس نے سامنے دیکھا۔ آہل کمر پر ہاتھ رکھے لڑاکا عورتوں کی طرح کھڑا اسے ہی گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ زی نے ابرو اچکائی جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ یہاں کیوں آئے ہو تم؟

آہل نے اپنا کوٹ اُتار کر صوفے پر چلا کر مارا اور زی کے بیڈ کی دوسری سائیڈ پر جا کر دھپ سے لیٹ گیا اور کمفرٹ اٹھا کر اپنے اوپر اوڑھ لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''۔

زی ہڑبڑا کر جھٹ سے بیڈ سے اُٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''توبہ ہے... نیچے دادو اور بہن نے کچھ کھانے کا نہیں پوچھا، اوپر بیوی اپنے کمرے سے نکالنے پر تُلی ہوئی ہے، پچھلے دو دن سے... پورے دو دن سے بھوکا ہوں میں اور تو اور ایک لمحے کے لیے سویا بھی نہیں میں۔''

آہل نے اپنی دو انگلیاں زی کے سامنے لہراتے اپنا دُکھڑا سنایا۔ زی تو خود بھوکی تھی، وہ تو خود سوئی نہیں تھی دو دن سے، لیکن وہ تو رہ سکتی تھی بھوکی... وہ تو رہ سکتی تھی بغیر سوئے... لیکن وہ اسے کیسے بھوکا دیکھ سکتی تھی۔

''چلیں پھر آپ آرام کریں، میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں آپ کے لیے۔''

زی کو اس پر ترس آیا تھا۔ لیکن آہل کو تو چار سو چالیس والٹ کا شاک لگا تھا، زی اور وہ بھی اتنی ہمدرد... اور وہ بھی آہل کے ساتھ... کیا وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا۔

"تم نے ابھی کیا کہا ہے؟ میں نے ٹھیک سے سنا نہیں ہے۔"

زی مڑنے ہی لگی تھی کہ آہل کی آواز پر واپس سے پلٹی۔

"میں اپنی بات دوہرانے کی عادی نہیں ہوں۔"

زی یہ کہہ کر کمرے سے چلی گئی۔

"ہونہہ... زی ہمدرد ہو سکتی ہے... ترس کھا سکتی ہے لیکن اپنی فطرت کبھی نہیں بدل سکتی، یہ بات تجھے رٹ لینی چاہیے آہل احمد بٹ۔"

پیچھے سے زی کو آہل کے بڑبڑانے کی آواز آئی تھی... وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

زی کچن میں داخل ہوئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، صائم بریانی ٹھوسنے میں مصروف تھا جبکہ زویا اس کی پلیٹ کو بار بار بھر رہی تھی جیسے ساری بریانی

آج اسے ہی کھلا دینے کا پلان بنائے بیٹھی ہو۔ زی، زویا کے سر پر جا کھڑی ہوئی اور اس کا صائم کی پلیٹ میں بریانی ڈالتا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

”بس کر جاؤ اور یہ مجھے دو۔“

زی نے بریانی والا باؤل اٹھایا اور ایک ٹرے میں رکھ کر اس کے ساتھ ایک پلیٹ اور چمچ بھی رکھ دیا پھر دو چھوٹے چھوٹے باؤلز میں رائتہ اور سلاد ڈال کر ٹرے میں رکھتی وہاں سے جانے لگی کہ زویا نے اسے پکار لیا۔

”زی! تم تو بریانی نہیں کھاتی اور نہ ہی گوشت کھاتی ہو تو پھر یہ کس کتے کو ڈالنے جا رہی ہو۔“

اُف، ایک تو زویا اور زویا کی لاتعداد گالیاں۔

”تمہارے بھائی کو“!

زی مڑے بغیر بولی اور زویا کی نظروں سے اوجھل ہو گئ، پیچھے زویا تو خیر سکتے میں چلی گئ تھی لیکن صائم کا ایک زوردار قہقہہ گونجا تھا۔

"یہ لیں، کھانا کھالیں۔"

زی نے آہل کے سامنے کھانا رکھتے کہا جو اس کے جانے کے بعد آرام کرنے کی بجائے ٹک ٹک اپنے فون میں لگا ہوا تھا۔

"ہائے اللہ.. بریانی کہاں سے لائی تم، کہیں چوری شوری تو نہیں کر کے لائی"!

آہل نے دل پر ہاتھ رکھتے صدمے سے بریانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"زویا نے صائم کے لیے بنائی تھی، اسی سے لے کر آئی ہوں۔"

زی نے جواب دیا، جبکہ آہل کو اب بہت زیادہ گہرا صدمہ پہنچا تھا۔

"دِکھادی نا اس نے بھی بہنوں والی اوقات اپنی۔"

آہل کو بہت دُکھ ہوا تھا کہ اس کی بہن نے اس سے کھانے کا ہی نہیں پوچھا، وہ بھی دوسری بہنوں کی طرح ہی نکلی اپنے بھائی کی دشمن۔

"جی... اور اس نے آپ کو کتا بھی کہا ہے۔"

زی اس کے تاثرات سے مزے لیتی اپنی مسکراہٹ دبائے بولی۔

"کہہ دو... کہہ دو زعیمہ سلطانہ کہ یہ جھوٹ ہے... جھوٹ ہے یہ سب۔"

آہل نے تو زعیمہ کو سلطانہ ہی بنا دیا تھا۔

"شٹ اپ"!

زی ہلکا سا ہنسی تھی... ہاں وہ مسکرائی نہیں تھی... اس بار وہ ہنسی تھی، اور آہل کو ایک بار پھر سے صدمہ پہنچ چکا تھا۔

"اوہ مائے اللہ"...

آہل کا ہاتھ پھر سے اپنے دل پر گیا تھا۔

"کیا ہوا؟"۔

زی کو اس کی اداکاری پر ایک بار پھر سے ہنسی آئی۔

"خُدارا ایسے ہنسا نہ کرو میرے سامنے... میرا دل عشق میں مبتلا ہو چکا ہے تمہاری اس ہنسی کے، اگر اگلی بار تم ہنسی تو مجھے ایسے لگتا ہے کہ میرا دل پھٹ جائے گا اور میں مر جاؤں گا۔"

آہل کا انداز اس بار کچھ الگ تھا، زی کی ہنسی فوراً سے تھمی تھی... وہ اب چاہ کر بھی اس سے نظریں نہیں مِلا رہی تھی، اسے اب عجیب سا محسوس ہو رہا تھا... اسے اب اپنی ہنسی ہی انجان سی معلوم ہو رہی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا، وہ سامنے بیٹھا شخص جس سے ملے اِسے دو ماہ بھی نہیں ہوئے تھے ٹھیک سے... وہ اسے ہنسا گیا تھا... ہاں اس سے اسے عشق اسی لیے تو تھا... وہ سب سے منفرد تھا... جسے خُدا نے اس کے لیے چُنا تھا... جسے خُدا نے اس کی زندگی میں بھیجا تھا... صرف اس کے لیے... صرف زعیمہ کے لیے۔

"عاشق کو اپنا محبوب اسی لیے ہی تو سب سے منفرد لگتا ہے کیونکہ وہ اس کا عشق ہوتا ہے... وہ ظالم اگر ظلم بھی کرے تو قسم سے سکون ہی لگتا ہے... وہ ظالم اگر زخم بھی تو دے تو قسم سے مرہم ہی لگتا ہے... وہ ظالم قسم سے ظالم ہی اچھا لگتا ہے۔"

"چُپ کر جائیں اور زیادہ بولیں نہ... یہ... یہ کھائیں آپ۔"

زی نے اسے پلیٹ میں بریانی بھر کر دی، تو آہل تو ٹوٹ ہی پڑا بریانی پر، پورے دو دن کی بھوک نے اسے پاگل کر رکھا تھا اور سامنے پڑی گرما گرم بریانی نے تو اس کے ہوش ہی اُڑا دیے تھے۔

"لو بھئی، میں نے تو کھالی بریانی، اب میری ٹمی فُل ہو چکی ہے۔"

آہل نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"چلیں یہ تو اچھی بات ہے۔"

زی یہ کہہ کر برتن اٹھانے لگی تو آہل نے اس کا ہاتھ تھام لیا، زی کی ایک بیٹ مِس ہوئی تھی۔

"تم نے نہیں کھانی بریانی؟"۔

وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں، میں بریانی نہیں کھاتی۔"

زی نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ کہا۔

"کیوں؟"۔

آہل نے ابرو اچکا کر سوال کیا۔

"مجھے اس کے اندر موجود گوشت نہیں پسند۔"

زی نے وجہ بتائی۔

"کیوں نہیں پسند؟"۔

آہل نے پھر سوال کیا۔

"ہر کسی کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔

"زی نے کندھے اچکائے۔

"پھر کس کا گوشت کھاتی ہو تم؟"۔

ایک اور سوال آیا۔

"مجھے کسی چیز کا بھی گوشت پسند نہیں ہے۔"

زی نے بتایا۔

"تم نے کیا کبھی کسی چیز کا گوشت چکھا بھی ہے؟"۔

وہ تو سوالوں پر سوال کر رہا تھا۔

"ن...ہا...ن... نہیں... مطلب کہ ہاں کھایا ہے۔"

زی نے نظریں چرائیں۔

"جھوٹ... جھوٹی ہو تم۔"

بے شک وہ شخص اسے بہتر جانتا تھا...زویا سے بھی بہتر۔

"تم نے آج تک گوشت اس لیے نہیں کھایا کیونکہ بقول زویا کے تمہیں اپنا مذہب نہیں پتا تھا، لیکن... لیکن تمہیں کہیں نہ کہیں یہ یقین بھی تھا کہ تم مسلمان ہو... تمہیں پکا یقین نہیں تھا لیکن یقین تھا کہ تم مسلمان ہی ہو، اس لیے تم نے کبھی کسی چیز کا گوشت نہیں کھایا کہ کہیں تم سے کوئی گناہ نہ ہو جائے۔ کہ کہیں تم کوئی حرام چیز نہ چکھ لو۔" وہ سچ کہہ گیا تھا، زی کی نظریں جھک گئیں۔

"اب بیٹھو یار کھالو بریانی، قسم سے بہت مزے کی بنی ہے، آخر آہل احمد بٹ کی بہن نے بنائی ہے۔"

آہل نے اسے شرمندہ ہوتے دیکھ بات ہی بدل دی، وہ کہاں اسے اپنے سامنے شرمندہ ہوتے دیکھ سکتا تھا۔

زی ہچکچاتے ہوئے پھر سے بیٹھ گئی۔

''چلو میں تمہیں کھلاتا ہوں، مجھے پتا ہے تمہیں نہیں پتا ہو گا کہ بریانی کیسے کھاتے ہیں۔''

آہل اس سے پوچھے بغیر اپنا فلسفہ جھاڑ چکا تھا اور چمچ بھی اٹھا چکا تھا۔

''مجھے پتا ہے کہ اسے کیسے کھاتے ہیں۔''

آہل جب چمچ زی کے ہونٹوں کے قریب لے کر گیا تو زی جھٹ سے بول پڑی۔

''ششش... میں کہہ رہا ہوں نہ کہ تمہیں نہیں پتا کہ اسے کیسے کھاتے ہیں، لیکن مجھے پتا ہے۔''

آہل نے آنکھیں دکھاتے کہا۔ لیکن زی نے اس سے زیادہ بڑی کر کے اسے آنکھیں دکھائیں تو آہل نے گہرا سانس لے کر اپنی دونوں آنکھیں گھمائیں۔

''ٹھیک ہے مانتا ہوں میں کہ تمہاری آنکھیں مجھ سے زیادہ بڑی ہیں، اب کھا بھی لو نہ پلیززززز۔''

آہل نے آخر میں جیسے منت کی تو زی نے بھی کوئی بحث کیے بغیر اس کے ہاتھ سے بریانی کھالی۔

بریانی کھلاتے ہوئے آہل اسے دنیا جہاں کی پتا نہیں کون سی کہانیاں سنائی جارہا تھا اور وہ بھی عورتوں کی طرح منہ بنا بنا کر۔اس کے تاثرات بہت مزے کے تھے کہ زی کو سمجھ بھی نہیں آرہی تھی اس کی کہانیوں کی لیکن اس کے تاثرات دیکھ کر وہ پھر بھی مسکرا رہی تھی...ہاں وہ شخص تھا نہ...کچھ یاد پڑتا ہے...ہاں... جیسے کہ... جیسے کہ پل میں تولا پل میں ماشہ۔

”دیکھو کتنی اچھی بریانی کھلاتا ہوں میں۔“

آہل نے فخر سے بتایا۔

”بے شک“!

زی نے تائید میں سر ہلاتے کہا۔

”شکر ہے اب تم مانی تو، میں ابھی جا کر دادو کو بتاتا ہوں۔“

آہل جھٹ سے بیڈ پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا بتائیں گے؟“۔

زی نے سوالیہ ابرو اچکائی۔

”ارے یہی کہ تم مان گئی ہو...انہیں لگ رہا تھا کہ تم ناراض ہو مجھ سے، لیکن اب میں انہیں بتاؤں گا کہ وہ مان گئی ہے۔“

یہ کہتے ساتھ آہل جن کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

زی کو پہلے تو حیرت ہوئی لیکن پھر ہنس دی، ہنستے ہوئے وہ اچانک ہی مڑی تھی جب اس کی نظر سامنے لگے آئینے پر گئی اور اس کی ہنسی وہیں تھم کر مدھم ہوتے ہوئے ختم ہو گئی۔

"عجیب شخص ہے۔"

اس نے سوچا تھا۔

"محترم! اگر آپ نے کھانے کا شغل فرما لیا ہو تو چلیں اپنے کام پر۔"

آہل کچن میں داخل ہوا اور صائم کو مخاطب کر کے دانت چبا کر بولا۔

"کام؟ کونسا کام؟"۔

صائم کی بجائے زویا نے سوال کیا۔

"تمہارے شوہر کو پتا ہے کہ کس کام پر جانا ہے مجھ جیسے کتّے کے ساتھ۔"

آہل نے دانت پر دانت جمائے مسکراتے ہوئے کھلا طنز کیا۔

صائم نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں کے اندر دبائے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ روکا تھا جبکہ زویا نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"سوری، بھائی! غلطی سے نکل گئی تھی منہ سے۔"

"گالی منہ سے ہی نکلتی ہے، پتا بھی ہے کہ کتنا گناہ ہے کسی کو گالی دینے کا، قبر میں بچھو پیدا ہو جاتا ہے صرف ایک گالی دینے سے۔"

آہل کا لیکچر سٹارٹ ہو چکا تھا زویا پر۔

"کیا!!؟ بچھو؟"۔

زویا نے حیرانگی سے آنکھیں پھاڑے اپنا تھوک نگلتے پوچھا۔

"ہاں جی، بچھو، تم جتنی بار گالیاں دو گی اتنے ہی بچھو پیدا ہو جائیں گے تمہاری قبر میں۔"

آہل نے اپنا سر جھٹکتے افسوس سے کہا۔

)میں نے تو پتا نہیں آج تک کتنے لوگوں کو گالی دی ہے، اس کا مطلب میری قبر میں اتنے ہی بچھو(...

زویا کو تو سوچ کر ہی خوف آنے لگا تھا، زویا کے اب مکمل پسینے چھوٹنا شروع ہو چکے تھے... اسے تو بچھو کا سوچ سوچ کر ہی کچھ ہو رہا تھا۔

"استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ"......

زویا نے اب تسبیح شروع کر دی تھی۔

"بھائی میں ایسا کرتی ہوں اللہ سے ابھی جا کر معافی مانگ لیتی ہوں، وہ پھر میری قبر سے بچھو غائب کر دیں گے... آج کے بعد میں کبھی بھی گالی نہیں دوں گی۔"

زویا کو تو ویسے ہی بچھو سے خوف آتا تھا اب تو مکمل اس کے ہوش اُڑ رہے تھے بچھو کا سوچ سوچ کر، وہ جلدی سے کچن سے نکلی تھی، خوف اب اس کے جسم میں سرایت کر رہا تھا... بچھو کا سوچکر ہی اسے جھرجھریاں آ رہی تھیں... وہ جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے اور زی کے مشترکہ کمرے میں گئی۔

"پتا نہیں کیا بنے گا تمہاری بیوی کا۔"

آہل نے زویا کو بھاگتے دیکھ افسوس سے کہا۔

"میری بیوی ہی نہیں ہے صرف وہ، تمہاری بہن بھی ہے سمجھے؟"۔

صائم تو تپ ہی اٹھا تھا اس کی بات پر۔

"مجھے تو پتا ہی نہیں تھا، شکریہ آپ کا، آپ نے مجھے بتا دیا ورنہ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔"

آہل نے بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہا، صائم نے زور سے ایک مکا آہل کی کمر پر رسید کیا۔

"آؤووو... جنگلی انسان۔"

آہل تو درد سے بلبلا اٹھا تھا کیونکہ صائم نے اپنے ہاتھ میں موجود چابی کو اپنی مٹھی میں دبوچ کر اس کی کمر پر رسید کیا تھا جس کی وجہ سے چابی کی نوک آہل کی کمر کے اندر تک چُبھ گئی تھی۔ اب وہ بچارا اپنی کمر سہلا رہا تھا۔

"آااااااااااہ"...

ولیم درد کی وجہ سے چلا اٹھا تھا کیونکہ آہل نے جلتا ہوا کوئلہ اس کے گال ہر رکھ دیا تھا، تھوڑی دیر بعد جب آہل نے جلتا ہوا کوئلہ اس کے گال پر سے ہٹایا تو اندر کا گوشت صاف واضح ہونے لگا۔ ولیم کی چیخیں پورے کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں، کمرا ساؤنڈ پروف ہونے کی وجہ سے آواز باہر جانے سے قاصر تھی۔ دیواریں بھی اس کی چیخیں بہت مشکل سے برداشت کر رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے تمہیں میں نے ایک موقع دیا تھا جو تم نے ضائع کر دیا، اس کے بعد تم نے بار بار، بار بار اپنی غلطیاں دوہرائیں، پہلے تم نے میری کمپنی کی فائل غائب کروا دی، اس کے بعد مال میں مجھ پر حملہ کروا کر مجھے مارنے کی بھی کوشش کی اور اب...اب تو تم نے حد کر دی، تم نے مجھے اغوا کیا اور فلیش حاصل کرنے کے باوجود مجھے دھوکا بھی دیا۔ اب میں تمہیں نہیں بخش سکتا۔ آہل احمد بٹ موقع صرف ایک بار دیتا ہے......اب وہ موقع بھی تم گنوا بیٹھے ہو۔"

غصے سے آہل کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

ولیم کی دل خراش چیخیں کمرے میں ہر طرف گونج رہی تھیں، لیکن آہل......اسے شاید ترس نہیں آتا تھا،......وہ تو ایسا شخص تھا جیسے......جیسے پل میں تولا پل میں ماشہ......اپنوں کے لیے موم اور دشمنوں لیے پتھر۔

ولیم درد کی شدت سے اب مکمل اپنے ہوش و حواس کھو چکا تھا لیکن...... لیکن آہل کے ذہن میں وہ لمحہ کسی جھماکے کی طرح آیا تھا جب ولیم زی کے وجود میں نظریں گاڑھے اسے اوپر سے نیچے تک حوس بھری نظروں سے گھور رہا تھا، اور یہ وہی لمحہ تھا جس نے

اس کے غصے کی شدت کو مزید بڑھا دیا تھا، وہ آنکھوں میں لہو لیے ہوش و حواس سے بیگانے ولیم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ صائم نے اسے تھام لیا۔

''بس کرو یار، اب اس کا خون پینے کا ارادہ بھی ہے کیا۔''

''صائم! میرا دماغ خراب ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر۔''

آہل اپنا سر تھامے اپنے آپ پر ضبط کرتے بولا۔

''میں ٹھیک کر دیتا ہوں۔''

صائم نے ولیم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''واٹ؟...... تم میرا دماغ ٹھیک کرو گے؟''۔

آہل نے اچھنبے سے پوچھا۔

''اُف یار! میرا مطلب ہے میں سب ٹھیک کر دیتا ہوں تم جاؤ یہاں سے۔''

صائم نے باہر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نہیں جاؤ نگا۔''

آہل کسی ضدی بچے کی طرح بولا۔ صائم تو تلملا ہی اٹھا۔

''چلو یہاں سے''!

صائم اسے کھینچتا ہوا اس خفیہ کمرے سے باہر لے گیا۔

زویا جائے نماز پر بیٹھی تسبیح ہاتھ میں لیے اللہ سے معافیاں مانگ رہی تھی۔

"اللہ میاں! مجھے معاف کر دیں، آج کے بعد قسم سے کبھی بھی گالی نہیں دونگی، اللہ میاں معاف کر دیں مجھے نہیں پتا تھا کہ گالی دینے سے قبر میں بچھو پیدا ہو جاتا ہے، اللہ میاں میری قبر سے پلیز بچھو کو غائب کر دیں، یا اللہ میاں مجھے معاف کر دیں۔"

زویا جائے نماز پر بیٹھی تسبیح ہاتھ میں لیے اللہ سے معافیاں مانگ رہی تھی،......زی سامنے بیڈ پر بیٹھی افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یا اللہ اس کو معاف کر دینا۔" زی نے دل میں دعا کی اور ایک گہرا سانس لے کر بیڈ سے اٹھ کر زویا کی طرف آئی۔

"زویا! اُٹھو،...... تھوڑا آرام کر لو، دو دن سے نہیں سوئی ہو تم۔"

زی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بولی۔

”زی !......اللہ میاں مجھ سے ناراض ہو نگے ، میں نے گالیاں ہی اتنی دی ہیں ، اور تمہیں پتا ہے بھائی کیا کہہ رہے تھے ، ......بھائی کہہ رہے تھے جو بھی گالی دیتا اللہ میاں اس کی قبر میں بچھو پیدا کر دیتے ہیں ، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ۔“

زویا کی معصومیت اور خوف سے بھرا لہجہ ، ......بے اختیار زی نے اس کی معصومیت کے ہمیشہ برقرار رہنے کی دعا کی تھی ۔

”تم ہی تو کہتی ہو کہ اللہ اپنے بندے سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے ، ......تو وہ کیونکر تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا ، کیوں تمہیں معاف نہیں کرے گا ؟......تم نے اللہ سے معافی مانگی ، اور دوبارہ گالی نہ دینے کی بھی قسم کھائی ، ...ان شاء اللہ اللہ تمہیں معاف کر دے گا ، ......اب اٹھو ، اور جلدی سے تھوڑا آرام کر لو ، پچھلے دو دن سے نہیں سوئی تم ، شاباش اٹھو ۔“

زی نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا ۔ اور بیڈ کی طرف لے جا کر اسے بیڈ پر لیٹنے کا اشارہ کیا ۔

زویا کے لیٹتے ہی زی نے لحاف اس کے اوپر اوڑھا دیا ۔

”اللہ میاں مجھے معاف کر دیں گے نہ ؟“

زویا کو کسی قدر چین نہیں آرہا تھا ۔

"ان شاءاللہ"

زی نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ کہااور خود بھی جا کر بیڈ کی دوسری طرف لیٹ گئ۔ زویا تھوڑا سا کھسک کر زی کی طرف آئی اور پھر اس کے گرد اپنے بازو حمائل کر کے خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگی۔

"یار صائم! آج تم میرے ساتھ سو جاؤ۔"

صائم اسے کمرے میں یہ بتانے آیا تھا کہ وہ ولیم کو ٹھکانے لگا آیا ہے،......اور جب وہ جانے لگا تو آہل نے اسے روک کر اپنے ساتھ سونے کی آفر کی۔

"میں تمہاری بیوی ہر گز نہیں ہوں۔"

صائم نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"ہاہاہا،......میں بنانا بھی نہیں چاہتا۔"

آہل ہنسنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

"ہی ہی ہی میں بننا بھی نہیں چاہتا۔"

صائم نے زویا کے انداز میں جواب دیا۔

''ویری فنی۔''

آہل نے منہ چڑھاتے کہا۔

''ٹو مچ فنی۔''

صائم نے بھی منہ چڑھایا۔

''میں نے تو ویسے ہی مذاق کیا تھا، تمہیں تو اتنا بھی نہیں پتا کہ ابھی دو پہر کے دو بج رہے ہیں، اور میں نے رات کی بات کی تھی،......۔''

آہل نے صاف اپنی دندیوں کی نمائش کی، صائم تو اپنی جگہ ساکت ہو گیا، کیونکہ وہ بے وقوف بن چکا تھا۔

کچھ دیر وہ دونوں ایسے ہی کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر کمرے میں ایک فلک شگاف قہقہہ گونجا تھا۔

جب وہ قہقہہ لگا کر سنبھلے تو آہل نے گلا کھنکار کر دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ صائم کو پھر سے مخاطب کیا۔

''ویسے صائم! اہم...اہم، میں نے دوپہر کی ہی بات کی تھی، وہ تو غلطی سے میرے منہ سے رات نکل گیا تھا۔''

صائم بے وقوف تو اب بنا تھا،...... بلکہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ہاتھوں بے وقوف بن گئے تھے......اور وہ بھی غلطی سے...... غلطی سے بے وقوف بنانا تو کوئی ان دونوں سے سیکھتا۔

اور پھر دوبارہ سے ان دو دوستوں کا کمرے میں قہقہہ گونجا تھا،......ہاں دوست...وہ دونوں دوست ہی تو تھے... بچپن کے دوست،......بہت پُرانے دوست......ان کے درمیان جو پہلے ایک رشتہ موجود تھا......ہاں وہی رشتہ جو ان دو دوستوں کی دوستی کے آڑے آ چکا تھا......بوس اور ملازم کا رشتہ.........وہ اب ختم ہو چکا تھا۔ان کی دوستی کا منظر بہت خوبصورت تھا۔جو کھڑکی سے باہر کھڑے سورج کو بادلوں میں چھُپا چکا تھا اور شام میں ڈھال چکا تھا۔

وہ دو دوست مل کر کیا بیٹھے کہ ان کی باتیں ہی ختم ہونے میں نہ آئیں، پتا نہیں کون سی باتیں یاد کر کے وہ ایک دوسرے کو سنا رہے تھے...... ہنس رہے تھے...... مسکرا رہے تھے۔

اچانک آہل کے کمرے کا دروازہ کھٹکا تھا۔

”آ جاؤ“......!

آہل نے اندر آنے کی اجازت دی تو سامنے ہی زویا آنکھیں مسلتے اندر داخل ہوئی جیسے ابھی نیند سے جاگی ہو۔

"شرم کرو۔...بندہ منہ ہی دھولیتا ہے اٹھ کر۔"

آہل نے کھڑے ہو کر ہلکی سی چپت زویا کے سر پر لگائی۔

"ہیں؟...ہمم...ہاں ہاں،...دھویا ہے نا میں نے منہ، یہ دیکھیں۔"

زویا نے آنکھیں بڑی بڑی کر کے دکھائیں جس میں نیند کی ابھی بھی ہلکی ہلکی سی خماری تھی۔

"شرم تو نہیں آتی جھوٹ بولتے۔"

صائم نے افسوس سے کہا۔

"دھویا تھا میں نے وضو کرتے وقت سونے سے پہلے، میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"

زویا نے دل پر ہاتھ رکھ کر صدمے سے کہا، وہ اسے جھوٹا جو کہہ رہے تھے۔

صائم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا جبکہ آہل نے اپنی مسکراہٹ بڑی مشکل سے دبائی۔

"زویا! ابھی جا کر منہ دھو کر آؤ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔"

صائم نے واشروم کی طرف اشارہ کرتے حکم جھاڑا۔

”ہونہہ... سچ ہی کہہ رہے ہیں اپنے بارے میں، ان سے بُرا کوئی ہے بھی نہیں۔“ زویا بڑبڑائی۔

”کیا کہا؟“

صائم نے غصے سے آنکھیں دکھائیں، اس سے پہلے کہ وہ زویا کی کلاس لینے کے لیے آگے بڑھتا زویا جھٹ سے بول پڑی۔

”نہیں نہیں نہیں، قسم اس گلدان کی میں نے آپ کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔“ لکڑی کے سٹینڈ پر پڑے گلدان کے اوپر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی گئی، اور اگلے ہی لمحے وہ گلدان زمین بوس ہو چکا تھا۔ صائم نے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ روکا تھا جبکہ آہل کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”وہ... وہ... غلطی سے میرا... ہاتھ لگ گیا تھا دراصل۔“

زویا نے انگلیاں چٹخاتے کہا، ”لیکن میں نے آپ کے بارے میں کچھ نہیں کہا، بھائی سے پوچھ لیں۔“

زویا نے آہل کو دیکھتے ہوئے تائید چاہی، لیکن بھائی بھی پھر بھائی ہی تھا۔

”چندا! مجھے کچھ نہیں پتا، میں نے تو بسسس یہی سنا تھا کہ صائم بہت بُرا ہے، صائم کو تمیز ہی نہیں ہے بات کرنے کی، صائم حد سے کچھ زیادہ ہی کھڑوس ہے۔“

آہل نے آدھی اپنے سے لگائی تھیں۔

زویا نے بے یقینی سے بھائی کی طرف دیکھا جو اپنی ہی بہن کا دشمن بنا ہوا تھا۔ لیکن پھر خود کا بچاؤ کرنے کے لیے جلدی سے بات بدلتے بولی۔

”وہ نا، زی نے کہا تھا کہ زویا اٹھو اور اپنے شوہر اور بھائی کو بُلا کر لاؤ، اور انہیں کہو نیچے آکر کھانا کھالیں، دادو بُلا رہی ہیں،... تو میں نا... میں نا ایسے ہی اٹھ کر بستر سے سیدھا ادھر آگئ، میں بھول گئ تھی کہ مجھے منہ دھونا ہے، لیکن میں ابھی... ابھی جا کر دھو لیتی ہوں۔“

زویا نے کہتے ساتھ ہی واشروم کی طرف دوڑ لگا دی کہ کہیں اس کا شوہر اس کو آنکھوں سے ہی نہ نِگل جائے،... اور صائم کے ارادے بھی شاید ایسے ہی تھے،... وہ ایسے طریقے سے ہی زویا کو گھور رہا تھا جیسے آنکھوں سے نگلنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

”یار صائم! کتنی سمجھدار ہے میری بہن۔“

آہل نے زویا کو واشروم میں گھستے دیکھ ہنس کر کہا۔

”ہاں نا، وہ تو بچپن سے ہی ہے، بقول تمہارے اسے اے، بی، سی بھی آتی تھی اور وہ بھی اے، بی، سی، ایکس، وائے، زی والی۔“

صائم نے کھلا طنز کیا تھا۔ جبکہ آہل کا ایک بار پھر سے ایک جاندار قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔

”تمہیں ابھی بھی یاد ہے۔“

آہل اپنے قہقہے پر بڑی مشکل سے قابو پاتے بولا۔

”مجھے سب یاد ہے۔“

صائم بھی نفی میں سر ہلاتے مسکرا کر بولا۔

آہل اور صائم کچن میں داخل ہوئے تو سامنے ہی زری اور دادو دونوں ہی ڈائننگ ٹیبل پر موجود ان کا انتظار کر رہی تھیں، اولیویا کھانے کے لوازمات کو ٹیبل پر سجا رہی تھی۔ وہ تقریباً سب کچھ ہی ٹیبل پر سجا چکی تھی اس لیے آہل اور صائم کو ادب سے سلام کرتی وہاں سے نکل گئی۔

آہل اور صائم نے دادو اور زری کو سلام کیا اور اپنی اپنی کُرسی پر بیٹھ گئے۔

”تمہاری منکوحہ کدھر ہے؟“

شمائلہ بیگم نے صائم سے ایسے سوال کیا جیسے وہ اس کی منکوحہ نہیں بیوی ہو۔

”نانو! وہ“ ......

اس سے پہلے کہ صائم کوئی جواب دیتا زویا کچن میں داخل ہوئی اور ان سب کو سلام کرتی اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”شرم نام کی کوئی چیز ہے تم میں؟“۔

دادو نے عجیب سے طریقے سے زویا سے سوال کیا۔

”کیا ہوا دادو، اب میں نے کیا کیا؟“۔

زویا نے اچھنبے سے پوچھا۔

”تم... تم نے... صبح بریانی بنائی اور اپنی دادو کو جھوٹے منہ پوچھنا تک گوارہ نہیں کیا۔“

دادو اب کسی دُکھی آتما کی طرح بیٹھی زویا سے شکوہ کر رہی تھیں۔ وہ تینوں بھی مسکراتے ہوئے اب ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

”دادو! ...... دادو! میں سچ میں بھول گئی، مجھے یاد ہی نہیں رہا قسم سے، میں آپ کو کل بنا دوں گی نا، قسم سے بھول گئی تھی میں۔“

زویا کو اب حد سے زیادہ شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

”مجھے تم سے یہ امید بلکل نہیں تھی، میرا تو دل ہی ٹوٹ گیا، مائے ہارٹ اِز بروکن۔“

اُف، ایک تو شمائلہ بیگم کی اداکاریاں۔

"صائم اور آہل دونوں نے ہی اپنے قہقہے کو روک رکھا تھا ورنہ ان کی بھی کلاس شروع ہو جانی تھی جبکہ زی.....ہاں زی، وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی، وہاں بیٹھے ان چار نفوس نے حیرت اور بے یقینی سے زی کو دیکھا تھا۔

"یہ ہنستی بھی ہیں؟"۔

صائم نے آہل کے کان میں سرگوشی کر کے پوچھا۔

"ہاں...دیکھ نہیں رہے کیا؟"۔

آہل نے زی کو دیکھتے ہوئے ہی جواب دیا۔

"مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔"

صائم کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"ماشااللہ"...

زویا اور دادو کے منہ سے زی کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

زی نے جب ان کو حیرت سے اپنی طرف تکتا پایا تو فوراً سے اس کی ہنسی کو بریک لگی۔

"آپ لوگ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"۔

زی نے ان سے نظریں چراتے سوال کیا۔

"ہائے صدقے میری بچی، ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہا کرو، ڈو یو نو، آئی لو یو۔"

دادو نے صدقہ اتارنے کے ساتھ انگریزی کے الفاظوں میں اس سے اظہارِ محبت بھی کر دیا تھا۔

"می ٹو"...

زویا نے بھی ہاتھ کھڑا کر دیا۔

"می تھری بھابھی"...

صائم نے بھی ہاتھ کھڑا کر کے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"می فار"...

آہل کا اچانک سے ہی ہاتھ اٹھا تھا اور بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔ زی کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

زویا، دادو اور صائم تینوں کے ابرو حیرت سے اُٹھے تھے۔ آہل کو جب احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے تو چور نظروں سے ان سب کو دیکھا۔

"اہم... اہم، صائم ذرا وہ سلاد کا باؤل تو پکڑاؤ۔"

آہل نے جلدی سے ان سب کہ نظروں کا مفہوم سمجھتے بات پلٹی۔ ان تینوں نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی جبکہ زی کا دل ابھی بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

”کل ہم سب پاکستان جارہے ہیں۔“

صائم اور آہل نے لاؤنج میں داخل ہوتے ساتھ ہی زی اور زویا کے سروں پر بم پھوڑا۔

”کیاا؟“۔

ان دونوں نے حیرت سے ابرو اُٹھاتے شاک کی سی کیفیت سے کہا۔ جبکہ دادو بڑے مزے سے بریانی کھانے میں مصروف تھیں جو کہ زویا نے انہیں ابھی بنا کر دی تھی، وہ بھلا اپنی دادو کو ناراض کیسے دیکھ سکتی تھی۔

”کیا مطلب کیا؟ جانا نہیں ہے پاکستان؟“۔

صائم نے تپ کر پوچھا۔

”میرا مطلب ہے کہ اتنی جلدی۔“

زویا نے شاک سے نکل کر کہا۔

”جلدی؟...پندرہ سال گزار لیے ہیں یہاں لیکن اب بھی تم کہہ رہی ہو کہ جلدی۔“

زویا کی بات پر شمائلہ بیگم تو اپنی بریانی کھانا ہی بھول گئی تھیں۔

”دادو! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“

زویا ہڑبڑا کر بولی۔

”کوئی حال نہیں تمہارا، پتا نہیں کس پر گئی ہو تم۔“

دادو زویا پر افسوس ظاہر کرتی بولیں۔

صائم کا دل تو چاہا کہ کہہ دے آپ پر ہی گئی ہے، لیکن کچھ سوچ کر چُپ کر گیا، اسے اپنی عزت افزائی تھوڑی کروانی تھی۔

”چلو جاؤ! شاباش،... سامان تیار کر و اپنا، کل پاکستان جانا ہے ہم سب نے،... پھر مجھے تم لوگوں کی شادی کی تیاریاں بھی تو کرنی ہیں۔“

دادو کے الفاظ تھے کہ کرنٹ جوان چاروں کو زور کا جھٹکا دے چکے تھے۔

”کیا!!؟“...

ان چاروں کا حیرت سے بُرا حال تھا۔

”کمبختوں! نکاح تو میرے بغیر کر لیا، اب کیا شادی بھی میرے بغیر کرنا چاہتے ہو۔“

”ہمم“...!

ان چاروں کے سر بے ساختہ ہی ہاں میں ہلے تھے۔

”کیا!!!؟“...

دادو کو مِنی سا ہارٹ اٹیک ہوا۔

"اوہووں۔"

ان چاروں کو جب احساس ہوا کہ وہ کیا بول گئے ہیں تو جلدی سے سر نفی میں ہلاتے دادو کی بات کی نفی کر گئے۔

"شکر!......ورنہ پہلے تو میں نے بخش دیا تھا لیکن اس بار میں نے سیدھا عقل ہی ٹھکانے لگانی تھی تم سب کی۔"

دادو نے شکر کا سانس خارج کیا۔

"میں ذرا نماز پڑھ لوں، نماز کا وقت ہو گیا ہے،اور تم لوگ ذرا اپنی تیاری کرو کل جانے کی۔"

دادو اپنا حکم سناتی وہاں سے جانے لگیں کہ پیچھے سے انہیں زویا کی حیرت سے بھرپور ہلکی سی سرگوشی سنائی دی۔

"یہ نماز بھی پڑھتی ہیں؟"۔

"نہیں...تے ہور نماز صرف تیرے تے ہی فرض اے۔"

دادو تو بھڑک ہی اٹھی تھیں، جبکہ صائم اور آہل کی کھی کھی شروع ہو چکی تھی۔

"سوری دادو"...!

زویا نے شرمندگی سے معافی مانگی، جبکہ دادو بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے جا چکی تھیں۔

آہل کی نظر جب زی پر گئی تو وہ اچانک ہی مسکرا اٹھا۔

زی کسی گہری سوچ میں گُم تھی اس لیے آہل پر دھیان نہ دیا جو کہ مسلسل اسے ہی مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں؟

"ہائے!......اس کا مطلب ہے کہ ہم کل پاکستان جا رہے ہیں۔"

زویا نے سرد آہ بھرتے کہا۔

"نہیں چڑیا گھر میں۔"

صائم کا تپا ہوا سا جواب آیا۔

"صائم! تم مجھ پر غصہ کیوں کرتے ہو اتنا؟"۔

زویا نے بھی تپ کر پوچھا۔

"جو تمہاری حرکتیں ہیں نا،... تم اسی کے قابل ہو۔"

صائم کا دل کیا اس کی عقل درست کر دے جو کہ ٹھکانے پر نہیں تھی۔

"بھائی! دیکھ رہے ہیں نا آپ، یہ صائم مجھ سے بلکل بھی پیار سے بات نہیں کرتا۔"

زویا نے شکایتی انداز میں اپنے بھائی کو مخاطب کیا جو کہ زی کو مسکرا کر دیکھنے میں محو تھا، جبکہ زی کا دھیان تو صرف اس بات پر اٹکا ہوا تھا کہ وہ کل پاکستان جا رہے ہیں۔

”بھائی! بیوی سے ہٹ کر کبھی اپنی بہن کو بھی دیکھ لیا کریں۔“

زویا نے آہل کا بازو زور سے ہلاتے اسے ہڑبڑانے پر مجبور کر دیا۔

”کیا ہوا چندا؟“۔

”بھائی! میں کہہ رہی تھی کہ...... کہ، میں کیا کہہ رہی تھی،...اُف مجھے بھول گیا۔“

زویا نے اپنے سر پر ہاتھ مارتے یاد کرنے کی کوشش کی

”صائم! میں کیا کہہ رہی تھی بھلا؟“زویا نے آخر صائم سے ہی پوچھ لیا۔

”تم کہہ رہی تھی کہ صائم مجھ سے بلکل بھی پیار نہیں کرتا۔“

صائم نے بیچ میں سے دو الفاظ کھا کر اپنی مسکراہٹ دبائی، وہ بیچ میں سے "سے بات" کو تو کھا ہی گیا تھا۔

”ہاں، بھائی میں کہہ رہی تھی کہ صائم مجھ سے بلکل بھی پیار نہیں کرتا۔“

زویا نے الفاظ پر توجہ دیے بغیر ہی کہہ دیا۔

”ایویں ہی مارتا ہے یہ صائم، اسے تم سے بہت محبت ہے۔ ہے نا صائم؟“۔

آہل نے صائم کی بازو پر کہنی مارتے اس سے تائید چاہی۔

”ایویں ہی...... ہو ہی نا جائے مجھے اس پاگل سے محبت۔“ صائم نے اپنا جواب پہلے سے ہی تیار کیا ہوا تھا جبکہ آپ سب جانتے ہیں کہ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔

زویا جو کہ ابھی آہل کی بات والے صدمے سے ہی نہیں نکلی تھی کہ صائم کی اگلی بات سے اس کی سبز آنکھوں کا پیالہ بھر آیا۔

”مجھے بھی نہیں ہے تم سے محبت، سمجھے؟“۔

زویا آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے رندھی ہوئی آواز کے ساتھ کہتی وہاں سے تقریباً بھاگتے ہوئے گئی تھی۔

صائم کے دل کو ہمیشہ کی طرح کچھ ہوا تھا۔

”صائم! ایسے تو نہ کہتے، اب وہ روتی ہی رہے گی، بندہ جھوٹ بولتے وقت تو سوچ کر بولے۔“

زی نے زویا کو روتے وہاں سے جاتا دیکھا تو صائم کو ڈپٹ دیا اور خود بھی زویا کے پیچھے چلی گئی۔

”صحیح کہا زی نے، بندہ جھوٹ تو سوچ کر بولے۔“

آہل نے کہتے ساتھ ہی اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”میں نے......میں نے جھوٹ تو نہیں“......

صائم نے آہل کی دبی دبی مسکراہٹ کو دیکھ کر اس سے نظریں چُراتے کہنا ہی چاہا تھا کہ آہل نے اس کا جملہ پکڑ لیا۔

"صائم! اب میرے سامنے تو جھوٹ نہ بولو، پچھلے پندرہ سال میں مجھ سے زیادہ تو تم اسے یاد کیا کرتے تھے۔اور تو اور جب زویا ہوسپٹل میں تھی تب تم نے اعترافِ محبت بھی کیا تھا۔بے شک زویا ہوش میں نہیں تھی، لیکن میں اپنے پورے ہوش وآواز میں تھا۔"

آہل نے سر جھٹکتے طنز کیا۔صائم نے آنکھیں نکال کر آہل کو دیکھا۔

"آنکھیں اندر کرو اپنی باہر آجائیں گی،......اس کے کھلونے،اس کے کپڑے،اس کا سب کچھ آج بھی تمہارے کمرے میں تمہاری الماری کے اندر محفوظ ہے، مجھ سے زیادہ تم نے اس کی چیزوں کی حفاظت کی ہے، مجھ سے زیادہ تم نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی،......اوراب،اب جاکر تم مکر نہیں سکتے، سمجھے؟"۔

آہل نے لگاتار اس کی سر پر دھماکے کیے تھے۔

"تمہیں،... تمہیں کیسے پتا؟"۔

صائم نے حیرت سے پوچھا۔

"میں بھی اندھا نہیں تھا جو مجھے کسی بات کی خبر نہ تھی، تمہارے ایک ایک لمحے کی خبر رہتی تھی مجھے کہ کب تم کیا کر رہے ہو کیا نہیں۔"

صائم کو بہت شرمندگی ہو رہی تھی آہل کی باتوں سے۔

"اب زیادہ منہ نہ لٹکاؤ اور کل پاکستان جانے کی تیاری کرو۔"

آہل کہتے ساتھ ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ صائم پیچھے سے گہری سانس لے کر مسکرا دیا۔

"اگر صائم آہل کے ہر ایک منٹ کی خبر رکھتا تھا تو آہل بھی اس کے ایک ایک لمحے کی خبر رکھتا تھا۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف تھے... بلکہ یہ کہنا ٹھیک ہو گا کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے باپ تھے۔"

رات کا پہر تھا جب اچانک زی کی آنکھ کھل گئی، اس نے اپنے بیڈ کی سائیڈ پر دیکھا تو زویا خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی، اور ساتھ ساتھ مسکرا بھی رہی تھی، شاید وہ کوئی بہت ہی اچھا خواب دیکھ رہی تھی۔ زی نے مسکرا کر اپنا سر جھٹکا،...... زی نے پھر سے سونے کی کوشش کی تو اسے نیند ہی نہیں آئی، سونے کی لاکھ کوششیں کرنے کے باوجود بھی جب اسے نیند نہ آئی تو وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی، آخر نیند پر بھی کسی کا زور

چلتا ہے، جب آنی ہوتی ہے آجاتی ہے، اور جب نہیں آنی ہوتی تو انسان کچھ نہیں کر سکتا۔

وہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے آئی، اس کا ارادہ اس وقت کافی پینے کا تھا، لیکن دادو کے کمرے کا بلب جلتے دیکھ وہ دادو کے کمرے کی طرف آگئی۔

کمرے کا دروازہ ہلکا سا کھلا تھا اس لیے اس نے اندر جھانک کر دیکھا تو دادو اپنے بیڈ پر بیٹھیں ہاتھ میں شاید کوئی فوٹو ایلبم لیے دیکھ رہی تھیں۔

زی نے ہلکا سا کمرے کا دروازہ بجایا تو دادو اس کی طرف متوجہ ہو گئیں، اور سامنے ہی زی کو کھڑا دیکھ ان کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے۔

”ارے زی بیٹا! تم یہاں،...... آؤ آؤ اندر آؤ۔“

دادو نے اسے اندر آنے کی اجازت دی تو وہ فوراً سے اندر داخل ہو گئی اور بیڈ پر دادو کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”تم سوئی نہیں؟“۔

دادو نے سوال کیا۔

”ہاں، بس نیند نہیں آرہی تھی، میں نے سوچا کافی پی لیتی ہوں، لیکن پھر آپ کے کمرے کا بلب جلتے دیکھا تو اِدھر ہی آگئی، ویسے آپ کیا کر رہی تھیں؟“۔

”میں ؟......میں تو یہ فوٹو ایلبم دیکھ رہی تھی، میں نے گھر کی ملازمہ کو کہا تھا کہ میرے کپڑے پیک کر دے میامی جانے کے لیے، تو اس نے الماری میں موجود یہ ایلبم بھی میرے سامان میں رکھ دی، شاید اس نے اسے کوئی کتاب سمجھ کر رکھ دیا، لیکن اس بے وقوف کو یہ بھی نہیں پتا کہ میں اس عمر میں کتابیں نہیں پڑھتی،......ہاہاہاہا۔“

دادو کہتے ساتھ ہی آخر میں ہنس دیں، زی بھی مسکرا دی۔

”کیا میں بھی دیکھ لوں یہ ایلبم ؟“۔

زی نے ایلبم کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، ہاں، ضرور،......یہ لو،......میں تمہیں شروع سے دکھاتی ہوں۔“

دادو نے ایلبیم زی کے سامنے کی۔

”یہ دیکھو یہ ہے احمد میرا بیٹا، اور یہ ہے سکینہ میری بہو، اور احمد کی بیوی۔“

دادو کی آنکھیں فوراً سے نم ہوئی تھیں۔ انہیں اپنا بیٹا اور بہو شدت سے یاد آئے تھے۔

”اور یہ دیکھو یہ ہے آہل، جب آہل پیدا ہوا تھا یہ تب کی تصویر ہے۔“

دادو نے تصویر میں موجود نازک سے گول مٹول سے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ دیکھو! یہ ہے صائم، اور یہ ہے میری بیٹی، آمنہ، اور یہ اس کا شوہر سلیمان، یعنی کہ صائم کے ماما بابا، یہ دونوں بھی صائم کے بچپن میں ہی چل بسے، میرا بیٹا اور بیٹی جوان موت مر گئے اور میں کچھ نہ کر سکی“

دادو پھیکی سی مسکان کے ساتھ بولیں۔

زی نے ان کے آنسو صاف کیے جو کہ اچانک سے ہی بہہ نکلے تھے۔

”یہ دیکھو! یہ زویا ہے، اور یہ جو زویا کے ساتھ کھڑے ہیں یہ خان بھائی ہیں، ہمارے پورانے ملازم، تمہیں پتا ہے زویا گھر میں سب سے زیادہ خان بابا کے قریب تھی، اور انہیں روز ایک گلاب کا پھول دیا کرتی تھی، لوگ اپنی ماما کو پھول دیتے ہیں وہ خان بابا کو روز پھول توڑ کر دیا کرتی تھی،...... خان بھائی زویا کو بہت یاد کرتے ہیں، اور جب انہیں پتا چلے گا کہ زویا مل گئی ہے تو ان کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہے گا، اکثر اپنی باتوں میں بھی وہ زویا کو یاد کر دیا کرتے ہیں کہ زویا یہ زویا وہ...... اور اب تو وہ رو ہی پڑیں گے خوشی سے۔“

دادو کہتے ساتھ ہی ہنس دیں، زی بھی مسکرا دی۔

”دادا کی تصویر نہیں ہے کیا؟“۔

زی نے اچانک ہی سوال کیا تھا، دادو کا رنگ فوراً سے اُڑا تھا۔

”دادو! آئی ایم سوری، میں نے نے شاید غلط سوال پوچھ لیا آپ سے۔“

زی کو شرمندگی ہوئی، اسے دھیان رکھ لینا چاہیے تھا اس بات کا۔

”نہیں، زی بچے! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل آہل کے دادا مجھے تب ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے جب آمنہ پیدا ہوئی تھی، صائم کی ماما۔“

شمائلہ بیگم نے پھیکی سی مسکان کے ساتھ کہا۔

”آئی ایم سوری، مجھے نہیں پتا تھا، اللہ انہیں جنت الفردوس میں“.........

اس سے پہلے کہ زی آگے کچھ بولتی دادو نے اسے ٹوک دیا۔

”وہ یہ دنیا چھوڑ کر نہیں، بلکہ مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔“

دادو نے زی کی غلط فہمی دور کی۔ زی نے ناسمجھی سے دادو کو دیکھا۔

”آہل کے دادا، میرے ابّا کے دوست کے بیٹے تھے، ابّا کی دوستی ان کے ابو سے بہت اچھی اور گہری تھی، جسے ان لوگوں نے رشتے داری میں بدلنے کا فیصلہ کیا تھا،...... ہم دو بہنیں تھیں، میری ایک چھوٹی بہن تھی جس کا نام فرزانہ تھا۔ میں بڑی تھی جس کی وجہ سے میرا رشتہ ابّا نے اپنے دوست کے بیٹے سے تہہ کر دیا۔ پھر جیسے تیسے کر کے میری شادی ان کے دوست کے بیٹے سے کر دی گئی، میں بہت خوش تھی، نئی دلہنوں کی طرح میرے بھی بہت سے ارمان تھے،...... لیکن شاید وہ ہی اس شادی سے خوش نہ

تھے،......ان کا رویہ ہمیشہ مجھ سے کھچا کھچا سا رہتا تھا، میں نے بہت کوشش کی کہ ان کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک ہو جائے لیکن (دادو چُپ ہو گئیں، پھر کچھ لمحے بعد پھر سے بولیں،)......... شادی کے ایک سال بعد احمد پیدا ہوا، احمد کے پیدا ہونے پر بھی ان کو کوئی خاص خوشی نہ ہوئی،...... خیر اس کے بعد میں نے احمد پر توجہ دینی زیادہ شروع کر دی۔ وقت گزرتا رہا اور آمنہ بھی پیدا ہو گئی، اس دن وہ شہر سے باہر کسی کام کا کہہ کر نکلے تھے، اس رات ہی آمنہ پیدا ہوئی تھی، ان کے ابّا یعنی کہ میرے سُسر نے ان سے بہت رابطے کی کوشش کی پر رابطہ نہ ہو سکا اور نہ ہی وہ آئے۔"

"پھر؟"۔ دادو کچھ لمحے کے لیے کچھ نہ بولیں تو زی نے خود ہی پوچھ لیا۔ شمائلہ بیگم کے چہرے پر ایک اداس سی مسکان موجود تھی۔

"پھر آمنہ کے پیدا ہونے کے کچھ دن بعد بھی ہمارا ان سے رابطہ نہ ہو سکا اور اس کے کچھ دن بعد ہمیں ان کا پیغام موصول ہوا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ...... کہ وہ کسی دوسری عورت کو پسند کرتے ہیں، اور اسی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اس لیے وہ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اس دن میرے سُسر یہ صدمہ برداشت ہی نہ کر سکے اور چل بسے اس دنیا سے۔ لیکن وہ تب بھی نہ آئے۔ اس کے بعد مجھے ابّا اپنے ساتھ گھر لے

آئے۔اور یہ سب کچھ یہ جو آج ہم لوگ اس مقام پر ہیں یہ میرے ابّا کی ہی وجہ سے ہے، یہ سب انہی کا ہے۔"

دادو نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر سے بولیں۔

"اور تمہیں پتا ہے وہ دوسری عورت کون تھی جن کے لیے انہوں نے مجھے چھوڑا؟"۔

شمائلہ بیگم کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر بہہ نکلا، زی نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میری سگی بہن فرزانہ۔"

شمائلہ بیگم نے اپنا واحد آنسو صاف کیا۔

"وہ اسے گھر سے بھگا لے گیا تھا۔"

"دادو! ہم ہیں نہ اب آپ کے پاس، دیکھیے گا آپ کو چھوڑنے کے بعد وہ بھی خوش نہیں رہے ہوں گے، بُروں کے ساتھ ہمیشہ بُرا ہی ہوتا ہے، مکافاتِ عمل تو اٹل ہے۔"

زی نے انہیں اپنے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

"ہمم۔"

دادو نے صرف سر اثبات میں ہلایا۔

"چلو اب تم نے بھی کہاں مجھے باتوں میں لگا دیا، دیکھو صبح کے چار بج رہے ہیں۔"

دادو نے اس کا دھیان وقت کی طرف کیا۔

"اوہو، میں نے آپ کو بھی ڈسٹرب کر دیا، آپ کو بھی نیند آ رہی ہو گی۔"

زی شرمندہ ہوئی۔

"کوئی بات نہیں، اب کون سا سونے کا ٹائم ہے، نماز پڑھوں گی، پھر قران اس کے بعد پاکستان جانے کی بھی تو تیاری کرنی ہے مجھے۔"

دادو مسکرا دیں۔

زی بھی مسکرا کر انہیں، خدا حافظ، کہتی کمرے سے نکل گئی۔ اسے بھی زویا کو اٹھانا تھا۔ پھر انہوں نے مل کر نماز ادا کرنی تھی۔ زی کی آج پہلی نماز تھی جو اس نے ادا کرنی تھی۔

وہ لوگ ایئرپورٹ پہنچ چکے تھے، زویا کا منہ لٹکا ہوا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ پاکستان جا رہے تھے، بلکہ صائم کی وجہ سے۔ اس نے کل کیسے صاف گوئی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے پیار نہیں کرتا۔ صائم کی بات نے اس کا بہت دل دُکھایا تھا۔ جبکہ زی کا

دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا، ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو چکی تھی اس پر، وہ پاکستان جا رہی تھی،... مسلمانوں کے ملک میں...... کیا وہ بھی اس ملک سے تعلق رکھتی تھی؟ کیا اس کے ماں باپ بھی مسلمان تھے؟ ان سوالوں نے اس کا سر درد کر دیا تھا۔ جس کے شاید اسے جواب کبھی بھی نہیں ملنے تھے۔ لیکن یہ صرف اس کی سوچ ہی تھی، کبھی کبھی انسان جو سوچتا ہے ویسا بلکل نہیں ہوتا۔ اور یہ سوچ بھی اس کی غلط ثابت ہونے والی تھی بہت جلد۔

وہ سب بینچ پر بیٹھے اناؤسمینٹ کا انتظار کر رہے تھے، ابھی فلائٹ کو بیس منٹ پڑے تھے۔

"آہل! وہ دیکھو، وہ علوینہ ہی ہے نا؟"۔ صائم کی نظر ایک لڑکی پر پڑی تو اس نے آہل کو مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

"ہاں یار! یہ تو علوینہ ہی ہے۔"

آہل نے دیکھا تو اسے فوراً پہچان لیا۔

"چلو ذرا مل کر آتے ہیں اس سے۔"

آہل اٹھ کر جانے ہی لگا تھا کہ صائم نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے واپس بٹھا دیا۔

"کیا کر رہے ہو،... تمہیں تو پتا ہے وہ کتنی بولڈ سی لڑکی ہے، بھابھی نے تمہیں اور اسے ایک ساتھ دیکھ کر جل بھن کر خاک ہو جانا ہے۔"

صائم نے اسے علوینہ کے پاس جانے کے مضر اثرات بتائے۔

"اووہ، گریٹ......اب تو مجھے اس کے پاس ضرور جانا چاہیے۔ چلو تم بھی میرے ساتھ چلو، تمہیں بھی تھوڑا اپنی بیوی کو جلا لینا چاہیے۔"

آہل نے صائم کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا اور ان تینوں کو ابھی آنے کا کہہ کر صائم کو اپنے ساتھ لیے وہاں سے چلتا بنا۔

"وہ پہلے ہی جلی بھنی پڑی ہے، میں اسے اور کیا جلاؤں۔"

صائم نے اس کے ساتھ چلتے دانت پیس کر کہا۔

"اوہ ہیلو! علوینہ؟"۔

آہل نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے ہلاتے ہوئے دور کھڑی علوینہ کو اونچی آواز میں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی، دور کھڑی علوینہ سے پہلے توزی اور زویا کے کان کھڑے ہو چکے تھے، اب وہ دونوں بھی آہل اور صائم کی طرف متوجہ تھیں، شمائلہ بیگم تو بینچ پر بیٹھی بیٹھی ہی سو گئی تھیں۔

"علوینہ! علوینہ"......!

آہل نے پھر سے علوینہ کو پکارا تو علوینہ بھی اپنا نام سُن کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، لیکن جب اس کی نظر آہل پر پڑی تو وہ تو خوشی سے اُچھل ہی پڑی، اور اپنے ساتھ کھڑی ایک لڑکی کو (جو کہ شاید اس کے ساتھ ہی تھی) اپنے ساتھ لیے تقریباً بھاگتے ہوئے ان دونوں کے قریب آئی۔

آہل اور صائم کو دو اجنبی لڑکیوں کے ساتھ دیکھ کر ان دونوں کی آنکھیں تو حیرت سے پھیل گئیں۔

"اوہ آہل! کیسے ہو تم سویٹ ہارٹ؟"۔

علوینہ آہل کے گلے لگی اور اس کے گال سے گال ملائے ہوائی بوسہ دیتی بولی، دوسرے گال کے ساتھ بھی یہ عمل دوہرایا گیا۔ یہ منظر دیکھنے کے بعد زی کا تو مانو اندر تک آگ میں جھلس رہا تھا۔

"میں بلکل ٹھیک۔"

آہل، زی کی نظروں کی تپش صاف اپنے اوپر محسوس کر سکتا تھا۔

علوینہ آہل سے الگ ہوئی اور پھر صائم کے گلے لگ گئی۔

"صائم جانی! تم کیسے ہو؟"۔

علوینہ نے صائم کے ساتھ بھی وہی عمل دوہرایا، صائم نے کنکھیوں سے زویا کو دیکھا جو کہ یہ منظر دیکھنے کے بعد حسد اور جلن کی آگ میں جل رہی تھی،......آنکھوں میں نمکین پانی اپنی جگہ بنا چکا تھا۔

صائم کو اب اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا، نہ ہی وہ آہل کو علوینہ کا بتاتا اور نہ ہی وہ اسے لے کر علوینہ کے پاس آتا۔

''میں بھی ٹھیک! تم سناو، تم یہاں میامی میں کیا کر رہی ہو؟''۔

صائم نہ چاہتے ہوئے بھی علوینہ سے سوال کر گیا لیکن ابھی بھی وہ زویا کو کنکھیوں سے دیکھنے میں مصروف تھا،اس کا سارا دھیان زویا پر تھا۔

''میں تو یہاں گھومنے پھرنے آئی ہوں میامی میں اپنی اس کزن کے ساتھ، یہ ہے میری کزن علینہ،اس س ملو،اور علینہ یہ دونوں یونیوڑسٹی میں میرے کلاس فیلو اور دوست تھے۔یہ ہے آہل اور یہ ہے صائم۔''

علوینہ نے ان لوگوں کا تعارف کروایا۔

''اوہ ہیلو گائز! تو آپ ہیں آہل اور صائم، آپ کو پتا ہے علوینہ ہمیشہ مجھ سے آپ دونوں کی تعریف کیا کرتی ہے۔''

''ہی ہی ہی ہمیں تو نہیں پتا تھا۔''

صائم دانت پر دانت جمائے مسکراتے ہوئے بولا۔آہل نے دوسری طرف منہ کر کے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا۔

زی اور زویا کو تو بیٹھے بٹھائے ہی آگ لگ رہی تھی،ان دونوں کا بس نہیں چل رہا تھا منہ توڑ دیں ان دونوں لڑکیوں کا۔بچاری زویا کے تو آنسو بھی نکل آئے تھے غصے کی شدت سے۔

”کوئی بات نہیں،اب تو پتا چل گیا نہ آپ کو،ویسے آپ دونوں سنگل ہیں؟“۔

وہ لڑکی پتا نہیں کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

”نہیں ڈبل۔“

صائم کا تپا ہوا سا جواب آیا تھا،وہ لڑکی اب کچھ زیادہ ہی فری ہو رہی تھی ان سے۔

”اوہ ناٹی بوائے!بہت مذاق کرتے ہو تم تو۔“

اس لڑکی نے ہلکی سی چپت صائم کے کندھے پر لگاتے ہوئے کہا۔زویا کا تو انگ انگ جل گیا تھا۔

”اوہ علینہ!یہ دونوں سنگل ہی ہیں،یو نو،آہل بہت بڑا بینکر ہے،اس کا اپنا بزنس بھی ہے میامی میں،اور تو اور اس کی اپنی کمپنیز بھی ہیں پاکستان میں،...اور یہ صائم،اس کی بہت سی کاٹن فیکٹریز ہیں پاکستاں میں۔دونوں ہی ارب پتی ہیں۔“

علوینہ کا یہی کہنا تھا کہ علینہ تو دل و جان سے فدا ہوئی تھی ان دونوں پر۔

"اوہ مائے گاڈ، کہیں...... کہیں یہ، دی موسٹ فیمس بزنس مین آہل احمد بٹ تو نہیں؟"۔

علینہ منہ پر ہاتھ رکھے حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی، اس کا بس چلتا تو وہ چیخ مار دیتی۔

"جی یہ وہی ہے۔"

علوینہ اس کی بے یقینی کو دیکھ کر ہنس دی۔

"ابھی تو یہ لڑکی کہہ رہی تھی کہ علوینہ ہماری ہی تعریف کرتی رہتی ہے۔ کیا اس نے ہماری تعریف کبھی ڈیٹیل سے بیان نہیں کی تھی۔"

صائم نے آہل کے کان میں ہلکی سی سرگوشی کی۔

"مجھے تو شک ہے کہ یہ اس کی کزن بھی نہیں ہے۔"

آہل نے بھی سرگوشی کی۔

"تمہیں شک ہے؟...... مجھے تو پکا یقین ہے۔"

صائم کا یہ کہنا تھا کہ آہل ہنس دیا۔

"اوہ یو سِلی بوائے! تم ہنستے کتنا پیارا ہو۔"

وہ لڑکی فوراً سے آہل کے گلے لگی تھی۔ زی کی آنکھوں سے اب شعلے برس رہے تھے۔

صائم ابھی حیرت سے یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ علوینہ اس کے کندھے سے لگ کر زور سے ہنس دی۔ وہ تو ایک دم سے بُت بن چکا تھا۔

زویا بینچ پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"زی! دیکھا تم نے؟ صائم مجھ سے محبت نہیں کرتا...... تم نے...... تم نے ایسے ہی مجھے اس کے پلے باندھ دیا، اسے میری کسی بھی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مجھے تو لگتا ہے کہ میں اس کے اوپر مسلط کر دی گئی ہوں۔"

زویا کا یہ کہنا تھا کہ زی کی آنکھوں میں لہو اُتر آیا، وہ کب سے اپنے آپ پر ضبط کیے ہوئے تھی لیکن زویا کے رونے نے اس کا ضبط توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے آپ پر بیتی تو سب برداشت کر سکتی تھی لیکن،...... اپنی اس جان سے عزیز بہن کے لیے کچھ نہیں۔ وہ ایک دم سے بینچ سے اُٹھی اور چلتے ہوئے ان چاروں کے پاس پہنچ گئی، زویا نے حیرت سے زی کو جاتے دیکھا تھا، اس کے آنسو ایک دم سے تھمے تھے۔

زی نے لہو ٹپکاتی نظروں سے صائم اور آہل کو دیکھا پھر اچانک سے علوینہ اور علینہ کو دیکھ کر مسکرا دی۔

”صائم! زویا کی طبیعت خراب ہو رہی ہے اس کو جا کر دیکھو، کم از کم اپنے ہونے والے بچے کا تو خیال کر لو۔“

زی کا یہ کہنا تھا کہ علوینہ اور علینہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جبکہ آہل اور صائم کے تو ہوش اُڑ چکے تھے۔

ایک تو وہ ان کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اوپر سے غضب خُدا کا وہ پریگنینٹ بھی قرار دے چکی تھی زویا کو۔

”اب زی انہیں یہ نہ کہہ دے کہ ہمارے دو بچے ہیں جو کہ سکول بھی جاتے ہیں...... غضب خُدا کا میں تو وقت سے پہلے ہی بوڑھا لگوں گا۔“

آہل نے خوف کے مارے سوچا تھا۔ دی موسٹ فیمس بزنس مین آہل احمد بٹ آج اپنی بیوی سے خوف کھا رہا تھا...... جس نے صرف لوگوں کو ڈرایا تھا آج وہ اپنی بیوی سے خوف کھا رہا تھا۔ خوف کی تعریف تو اس شخص کو آج معلوم ہوئی تھی۔

زی نے جب صائم کو اسی طرح کھڑے دیکھا تو بولی۔

”جاؤ!......“ صائم بھی جلدی سے وہاں سے نکلا تھا، ورنہ زی کا کیا پتا، وہ کیا اول فول بک دے۔

زی مسکرا کر علوینہ اور علینہ کو دیکھتی وہاں سے جانے ہی لگی تھی جب علوینہ نے اسے روک کر پوچھا۔

"آپ کی تعریف؟"

"میں زعیمہ ہوں۔ صائم کی کزن۔"

ایک تلخ نظر آہل پر ڈالتی وہ وہاں سے جا چکی تھی۔ آہل نے اپنے لب بھینچ لیے۔

"صائم شادی شُدہ ہے، مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آ رہا۔"

علوینہ کا انداز حسد لیے ہوئے تھا۔

"ہاں، وہ شادی شُدہ ہے۔ اور جو ابھی یہاں سے گئی ہے وہ میری منکوحہ ہے، زعیمہ آہل احمد بٹ۔ نکاح ہوا ہے ہمارا۔"

آہل نے محبت بھری مسکراہٹ سے جاتی ہوئی زعیمہ کو دیکھتے کہا۔

علوینہ اور علینہ کے ارمان تو آنسوؤں میں بہہ چکے تھے۔

"ویل...... نائس ٹو میٹ یو، اُمید کرتا ہوں ہم دوبارہ کبھی نہ ملیں۔"

آہل کہتے ہی وہاں سے جا چکا تھا۔

"زویا کیسا ہے میرا بچہ؟"۔

صائم نے زویا کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔ زویا کا چہرہ تو حد سے زیادہ لال سُرخ ہو چکا تھا۔ صائم تو جی جان سے فدا ہوا تھا اس کے حیا سے لپٹے چہرے پر۔

"کون سا بچہ ؟ ہاتھ ہٹاؤ اپنا۔"

زویا نے لال چہرے کے ساتھ صائم کا ہاتھ اپنے پیٹ پر سے ہٹایا۔

"ارے ! ابھی تو مجھے بھابھی نے بتایا ہے کہ زویا کی طبیعت خراب ہے، کم از کم میں اپنے ہونے والے بچے کا تو خیال کر لوں، اب میں اپنے ہونے والے بچے کا خیال کرنے آیا ہوں، مجھے جلدی سے میرا ہونے والا بچہ دو۔"

صائم کسی ضدی بچے کی طرح منہ پھلائے بولا۔

"کون سا بچہ ؟ اب میں کیا انٹرنیٹ سے انسٹال کر کے دوں۔"

زویا آنکھیں پھاڑے بولی۔

"جہاں سے مرضی دو۔"

صائم اپنی مسکراہٹ دبائے بولا۔

"شرم کر لو، صائم"!

زی ان کے قریب آتے ہوئے بولی۔

”کیسی شرم؟آپ نے ہی تو کہا تھا۔“

صائم نے زی کو زی کا جھوٹ یاد دلانے کی کوشش کی۔زی نے ایک سخت گھوری سے صائم کو نوازا۔

”اچھا بھئی،......اب اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے۔میں تو جا ہی نہیں رہا تھا، مجھے تو آپ کا شوہر گھسیٹ کر لے کر گیا تھا۔میں تو کہہ رہا تھا کہ علوینہ بہت بولڈ سی لڑکی ہے، لیکن وہ ہی نہیں مانا۔“

صائم نے اپنی صفائی دی۔

”اور وہ جو تم سے اتنا چپک رہی تھی اس کا کیا۔“

زویا کو کہتے ساتھ پھر سے رونا آنے لگا۔

”زویا! میں کہہ رہا“......

”چُپ! کچھ نہیں سننا مجھے۔تم بہت ہی بُرے ہو، تمہاری نظر میں تو میں کچھ ہوں ہی نہیں۔“

زویا ٹیشو سے اپنے آنسو صاف کرتے بولی۔

”زویا! قسم سے میں“......

صائم نے ایک بار اپنی صفائی دینے کی پھر سے ناکام کوشش کی۔

"چُپ ہو جاؤ! میں نے کہا نہ، مجھے کچھ نہیں سننا۔"

زویا کان پر ہاتھ رکھے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ زی ان دونوں کی نوک جھونک دیکھ کر گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔

آہل زی کے پاس آ کر بینچ پر بیٹھ گیا۔ ابھی وہ کچھ بولنے ہی لگا تھا کہ اناؤسمینٹ شروع ہو گئی۔ زی جھٹ سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"دادو!......دادو اٹھیں۔"

زی نے دادو کو ہلکا سا ہلاتے ہوئے جگانا چاہا لیکن دادو اسی طرح سوتی رہیں۔

"ایسے نہیں اٹھیں گی یہ، میں اٹھاتا ہوں۔"

صائم نے کہتے ساتھ ہی اپنا منہ دادو کے کان کے قریب کیا اور بولا۔

"دادو! آپکا پسندیدہ گانا لگا ہوا ہے، لیا ندا تیرے لئی اوہ ریشمی رومال والا۔"

صائم کا اتنا کہنا تھا کہ دادو جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کہاں پر...... کہاں پر لگا ہے؟"۔

"جہاز میں۔"

صائم نے اپنی ہنسی دباتے جواب دیا۔

"اُف، صائم! تم نے تو مجھے اٹھا ہی دیا، پتا ہے میں اتنا اچھا خواب دیکھ رہی تھی؟"۔

دادو نے افسوس کیا۔

”اچھا کیا دیکھا آپ نے خواب میں؟“۔

زی نے مسکرا کر سوال کیا۔

”میں تم لوگوں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی خواب میں، ہائے اتنا مزح آرہا تھا نہ کہ کیا ہی بتاؤ۔“

دادو کو دُکھ ہو رہا تھا ادھورا خواب دیکھنے کا۔ زی اور زویا کا چہرہ شرم وحیا سے لال سرخ ہو چکا تھا جبکہ صائم اور آہل کا زوردار قہقہہ گونجا تھا۔

ہال میں کھڑے لوگ مڑ مڑ کر اُن کی ہنستی مسکراتی چھوٹی سی فیملی کو رشک سے دیکھ رہے تھے، یہ جانے بغیر کہ کتنی مشکلوں کو اور کتنے ہی دُکھوں کو سہہ کر وہ اکٹھے ہوئے تھے۔ اپنا بہت کچھ کھو کو...... بہت سے رشتے جوڑ کر...... وہ اب پاکستان جا رہے تھے...... اپنے ملک...... اپنی سرزمین پر...... وہ میامی کو پیچھے چھوڑ کر جا رہے تھے۔ زی دی فینس تھیف کی کہانی شاید میامی میں ہی ختم ہو چکی تھی...... وہ شاید وہیں پر دفن ہو چکی تھی۔

وہ لوگ جہاز میں اپنی اپنی نشست سنبھال چکے تھے۔ جہاز ہوا میں پرواز کر چکا تھا۔

زویا آہل اور زی کے درمیان، جبکہ صائم آہل اور شمائلہ بیگم کے درمیان بیٹھا تھا۔

ایک گورا لڑکا بار بار زی کو دیکھ رہا تھا، زی نے جب یہ نوٹ کیا تو ایک سخت گھوری سے اس لڑکے کو نوازا، جبکہ وہ لڑکا ڈھیٹ بنا اس کی گھوری پر مسکرا دیا۔ زی اپنا سر جھٹک کر زویا کی طرف منہ پھیر گئی۔ سامنے ہی وہ دشمنِ جاں اپنی مکمل تر وجاہت لیے بیٹھا صائم کی کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ ایک پل کے لیے تو زی کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ اس کی مسکراہٹ اتنی خوبصورت تھی کہ وہ جہاز میں بیٹھی کئی گوریوں کے دل میں تباہی مچا چکا تھا۔ زی کے منہ سے بے اختیار ہی ماشاءاللہ نکلا تھا۔ اسے اپنی ہی نظر لگ جانے کے خوف سے وہ اپنا منہ سیدھا کر گئی۔ لیکن اب اسے اس گورے لڑکے کی نظروں کی تپش اپنے چہرے پر صاف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کسی طرح بھی اپنے آپ کو آرام دہ محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔

آہل کی نظر جب اچانک ہی اس گورے لڑکے پر گئی تو اس کا اندر تک آگ کی لپیٹ میں آ گیا تھا، اس نے آگ برساتی نظروں سے اس لڑکے کو دیکھا۔ آہل کو دیکھ کر اس لڑکے نے فوراً سے اپنی نظروں کا رُخ پھیر لیا۔

آہل کو اب احساس ہوا تھا کہ جب وہ علوینہ اور علینہ کے ساتھ بڑے کھُلے انداز میں بات کر رہا تھا تو وہ کیسا محسوس کر رہی ہو گی، اور تو اور جب وہ دونوں اس کے گلے لگی تھیں تب تو.........اس سے آگے آہل نہ سوچ سکا، اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

اس نے ایک نظر زی کو دیکھا جو اب اپنے ہجاب میں لپٹے چہرے کا ایک کونا تھامے اسے نقاب کی صورت میں اپنے منہ پر لپیٹ رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر وہ دل و جان سے مسکرایا تھا۔ اس لڑکی کی اس ادا نے اس کے دل کو بے بس کر دیا تھا۔ وہ شخص بے بس ہو چکا تھا......آہل احمد بٹ زعیمہ کے معاملے میں بے بس ہو چکا تھا۔

زویا نے جب زی کو نقاب میں دیکھا تو فوراً سے زی کی دیکھا دیکھی اپنے ہجاب کا کونا تھام کر نقاب کی صورت میں اپنے منہ پر لپیٹ لیا۔ آہل نے مسکرا کر اپنی بہن کی اس معصوم سی ادا کو دیکھا اور ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگا دی۔ زویا نقاب کے اندر سے زبان دانتوں تلے دبائے مسکرا دی تھی۔

صائم بھی یہ منظر دیکھ کر سر جھٹک کر مسکرا دیا تھا۔

"میری جھلی"......!

اُس نے ذہن میں زویا کو ایک اچھے سے خطاب سے نواز دیا تھا۔

جہاز لینڈ کر چکا تھا۔ان سب نے اسلام آباد ایئرپورٹ پر اپنا پہلا قدم رکھا۔زی اور زویا نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے ملک کی آب وہوا کو محسوس کرنا چاہا۔دل میں الگ ہی خوشی محسوس ہو رہی تھی انہیں۔وہ ڈر......وہ خوف......جو میامی میں تھا، وہ تو جیسے ختم ہی ہو چکا تھا۔

"واہ بھئی !......تم دونوں نے تو اپنے آپ کو پاکستان کے رنگوں میں ڈھال لیا آتے ساتھ ہی۔"

دادو نے ان کے نقاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور کیا، دادو !......اب سے ہم ایسے ہی نقاب کیا کریں گی،.........ٹھیک ہے نہ زی؟"۔

آخر میں اس نے زی سے تائید چاہی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مطلب کہ تم دونوں اپنے آپ کو اپنے شوہر کے لیے محفوظ کرنا چاہتی ہو۔"

شمائلہ بیگم نے جیسے سمجھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا،......جبکہ وہ چاروں ہی شمائلہ بیگم کی بات پر چونکے تھے۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے،...... تم لوگوں کو پتا ہے بہت کم لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو،......اپنے وجود کو سب سے چھپا کر اپنے شوہر کے لیے محفوظ کرتی ہیں،......اللہ کو ایسی لڑکیاں بہت پسند ہیں۔"

شمائلہ بیگم بہت گہری بات کر گئیں تھیں۔آہل اور صائم دونوں کو اپنی اپنی بیوی پر فخر محسوس ہوا تھا۔

"کیا سچ میں اللہ کو ایسی لڑکیاں پسند ہیں؟"۔

ان دونوں کی حیرت اور خوشی دونوں عروج پر تھیں۔

"ہاں،...... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔اور اللہ ایسی لڑکیوں کو پسند کرتا ہے جو کہ اپنے محرم کے علاوہ کسی غیر مرد کا خیال اپنے دل میں نہ لائیں،......جو اپنے آپ کو اپنے محرم،اپنے شوہر کے لیے محفوظ کر کے رکھیں،......اور کسی غیر مرد کو آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ سمجھیں۔"

شمائلہ بیگم نے یہ کہا ہی تھا کہ زویا اور زی کے دل میں خوشی پھوٹ پڑی......وہ دونوں نقاب کے پیچھے سے دل و جان سے مسکرائیں تھیں۔اور ان کی اس خوشی کو ان کے محرم نے محسوس کر لیا تھا۔

''چلو! اب کیا اِدھر ہی ساری گفتگو فرمانے کا ارادہ ہے، یہاں سے نکلو،......وہ بلیک پیپل (Black People) باہر کھڑے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

ایک تو شمائلہ بیگم کی انگلش۔

''دادووووو!......بلیک پیپل نہیں، گارڈز ہیں وہ میرے۔''

آہل نے ''دادو'' لفظ پر زور دیتے اپنا سر تھام کر کہا۔

''دادو! بھائی بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، وہ بلیک پیپل نہیں کالے کیڑے ہیں کیڑے۔''

زویا بے شک اپنی دادو پر ہی گئی تھی۔

''اُمماہ!... پہلی بار میری بچی نے کوئی صحیح بات کی ہے۔''

دادو نے زویا کی طرف ہوائی بوسہ اچھالتے ہوئے کہا۔ آہل کا تو سر ہی گھوم گیا۔ جبکہ صائم نے بڑی مشکل سے دادو پوتی کی محبت پر اپنا قہقہہ روکا تھا۔ زی کی آنکھیں اچانک سے ہی نم ہوئی تھیں۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی تھی۔ آج وہ خوش تھی......بہت خوش۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب پانچ سالہ زویا اس کے پاس اس یتیم خانے میں آئی تھی۔ زویا اس کی ہم عمر ہی تھی لیکن اب بھی زویا کا بچپنا پہلے کی طرح برقرار تھا۔ اور وہ اسے ہمیشہ ایسا ہی دیکھنا چاہتی تھی۔ وہی تو لڑکی

تھی جو اس کے بچپن کی ساتھی تھی،...... جس سے اسے بے پناہ پیار تھا۔ آج اسی لڑکی کی وجہ سے ہی تو اسے بہت سے رشتے مل گئے تھے،...... ہاں وہی رشتے جن کی کمی اس کو ہمیشہ سے محسوس ہوئی تھی،...... جن رشتوں کی کمی کی وجہ سے اس کے سارے احساسات مر چکے تھے آج وہی رشتے پا کر اس کے احساسات جاگ چکے تھے۔ جن آنکھوں میں وہ پہلے کوئی تاثر نہ پیدا کر پائی تھی آج وہ رشتے ان میں بہت سے حسین رنگ بکھیر چکے تھے۔

گارڈ نے دروازہ کھولا تو ساری گاڑیاں اندر داخل ہو گئیں،...... گاڑیاں گھر کے عین سامنے جا کر رُک چکی تھیں۔ سب سے پہلے سارے گارڈز اپنی اپنی گاڑیوں سے اترے اور اپنی اپنی جگہ پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سب بھی اپنی گاڑی سے نکلے اور آہل کے پیچھے پیچھے چل دیے، آہل اپنے رعب دار انداز میں چلتا ہوا سب ملازموں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا، سب ملازمین ہی ان کی خوش آمد کے لیے باہر کھڑے تھے۔ صائم نے ملازموں کو گاڑی سے سامان نکالنے کا کہا اور خود بھی سب کے

سلام کا جواب دیتے ہوئے اندر کی طرف داخل ہو گیا۔ زی اور زویا نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی گھر کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ گھر جتنا باہر سے دیکھنے میں خوبصورت تھا اس سے کئی زیادہ وہ اندر سے خوبصورت تھا۔ زویا کے ذہن میں اپنے بچپن کے وہ تمام مناظر گھوم گئے جب وہ اپنے ماما بابا، دادو، بھائی اور صائم کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ وہ گھر آج بھی نہ بدلا تھا، بلکل ویسے کا ویسا ہی تھا، البتہ گھر کی سیٹنگ اور فرنیچر وغیرہ بدل چکا تھا۔ زویا کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر بہہ نکلے جسے اس نے اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔

"اُف، میری بہن کو رونا آ گیا۔"

آہل نے زویا کو اپنے ساتھ لگاتے کہا۔

"اور کیا، پچھلے پندرہ سال سے اپنے گھر سے دور رہی ہوں میں، رونا تو آئے گا نہ مجھے۔"

زویا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اُف، صائم! ایک تو تمہاری روتو سی بیوی۔"

بہن سے اب وہ صائم کی بیوی پر آ چکا تھا۔

"کیا کروں اب ساری عمر تمہاری اس روتو سی بہن کو ہی جھیلنا ہے مجھے۔"

صائم نے بھی جیسے کو تیسا والا حساب رکھا۔ لیکن زویا میڈم کو تو پہلے سے ہی صائم پر غصہ تھا، اب تو اسے اور رونا آنے لگا۔

"شرم کر لو، صائم! رُلا دیا نہ میری بہن کو۔"

آہل نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے زویا کے موٹے موٹے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"منا لوں گا میں اسے بعد میں، یہ تو ہے ہی بے وقوف، فوراً سے مان جائے گی۔"

صائم نے اپنی مسکراہٹ دباتے کہا۔

"ہاہاہاہا...... بلکل صحیح کہا تم نے صائم۔"

آہل کے کہنے کی دیر تھی اور دونوں دوست مل کر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"آاااں...... زی دیکھو یہ لوگ مجھے کیسے بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔"

صائم اور آہل کو ایک ہوتا دیکھ زویا روتے ہوئے فوراً سے زی کے پاس گئی تھی۔

"ہاں تو ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں وہ لوگ، تم ہو ہی بے وقوف۔"

زی نے کھٹاک سے کہا تھا۔ زویا کو تو ایک پل کے لیے یقین ہی نہ آیا، زویا کا نچلا ہونٹ مکمل باہر آچکا تھا۔ اس سے پہلے کے وہ دادو کے پاس جاتی دادو نے تو پہلے ہی اپنی پنجابی زبان میں کہہ دیا۔

”میرے کول تاں بلکل وی نہ آئیں۔“

”کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا، کوئی بھی نہیں، اس اچھا میں کہیں گُم ہی ہو جاتی۔“

زویا اوپر کی طرف جاتی سیڑھیوں کے سٹیپ پر جا کر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں منہ دیے زار و قطار رونے لگی۔

”بھابھی! آپ تو ایسے نہ کہتی اسے۔“

صائم لب بھینچے زی سے مخاطب ہوا۔ اب تو اس کے دل کو بھی کچھ ہو رہا تھا۔

”تمہاری بیوی ہے۔ تم سنبھالو جا کر۔“

زی نے ایک دم کرارا سا جواب دیا تھا۔ صائم نے ایک نظر آہل کو دیکھا جس نے فوراً سے اپنے دانتوں کی نمائش کی تھی۔

”توبہ“...!

زی کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ وہ بندہ پل میں تولا اور پل میں ماشہ تھا۔

”زویا! یار اٹھو یہاں سے۔“

صائم نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔

”میں نہیں اٹھوں گی، دور ہو جاؤ تم مجھ سے، تم سب سے زیادہ بُرے لگتے ہو مجھے۔“

زویا نے صائم کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''تم اُٹھ رہی ہو کہ نہیں؟''۔

صائم نے ایک گہرا سانس لے کر سوال کیا۔

''نہیں''!

زویا نے زور سے سر نفی میں ہلاتے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''پکا؟''

صائم نے ابرو اچکا کر جیسے آخری دفعہ پوچھا۔

''پکا''...!

زویا نے جیسے اٹل فیصلہ کر رکھا تھا نہ اٹھنے کا۔

''پھر بعد میں جو میں کروں گا مجھے نہ کہنا''!

''نہیں کہتی!''زویا کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ صائم نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔زویا اس اچانک افتاد پر بوکھلا سی گئی تھی،اس سے پہلے کہ وہ نیچے گرتی اس نے صائم کے گلے میں اپنے بازو ڈال کر خود کو بیلینس کیا۔

زی اچانک ہی مسکرا دی،وہ کچھ ایسے کی ہی اُمید کر رہی تھی۔آہل کی آنکھیں تو حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور دادو جو سفر سے تھکی ہاری ان کی فضولیات سننے کے بعد صوفے پر بیٹھنے ہی لگی تھیں کہ صائم کی اس حرکت پر عش عش کر اٹھیں۔سارے

ملازم بھی تماشائی بنے اپنی دبی دبی ہنسی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ زویا کا شرم کے مارے دل کیا کہ زمین پھٹے اور وہ صائم کو ساتھ لیے ہی اس میں دفن ہو جائے، اس سے پہلے کہ زمین سچ میں پھٹ جاتی، صائم زویا کو اٹھائے ہی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"شاباش، صائم! میں تو کہتا ہوں سیڑھیاں چڑھ کر اسے ریلنگ سے نیچے پھینک دینا، دادو کیچ کر لیں گی اسے۔"

آہل، صائم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا۔ دادو کے تو سر پر یہ جملہ ٹھاہ سے لگا تھا، ان کے پوتے انہیں وقت سے پہلے ہی اوپر ٹپکانا چاہتے تھے۔ زی کی تو ہنسی ہی نکل گئی، جبکہ دادو صوفے پر گر سی گئیں تھیں۔ ان کا پوتا شاید عقل سے فارغ ہو چکا تھا۔ سارے ملازم اپنے سنجیدہ سے مالک کے منہ سے ایسی بات سُن کر غش کھاتے کھاتے بچے تھے۔ لیکن ان سے بھی جب ضبط نہ ہوا تو وہ بھی ہنس دیے۔ پورا گھر قہقہوں سے گونج اٹھا تھا، اب تو دادو بھی مسکرا اٹھیں تھیں۔ پندرہ سال بعد وہ گھر قہقہوں کے شور سے گونجا تھا۔

"آہل! اب میں سچ میں زویا کو نیچے پھینک رہا ہوں، کیونکہ یہ مجھ سے ناراض ہے نہ، دادو پلیز آپ زویا کو پکڑ لینا۔"

صائم سچ میں ریلنگ کے پاس جا کر کھڑا ہو چکا تھا۔ زویا نے ایک نظر نیچے صوفے پر بیٹھی دادو کو دیکھا۔ کمزور سے ہاتھ، کمزور سی ٹانگیں، جھریوں زدہ چہرہ......زویا کو تو موت ہی نظر آ رہی تھی نیچے۔

”ہاں پھینک دو پھینک دو، دادو ہے نہ، بچا لیں گی اسے۔“

آہل نے جیسے صائم کو تسلی دی۔

”اوکے! پھر میں پھینک رہا ہوں۔ دادو تیار ہو جائیں۔“

صائم نے زویا کو اسی طرح تھامے ریلنگ سے تھوڑا آگے کیا تو زویا زور سے چیخ اٹھی۔

”نہیں...... نہیں، صائم جان! میں......میں کب ناراض ہوں آپ سے، میں تو نہیں ناراض۔“

زویا نے خوف سے اپنا تھوک نگلتے جملہ مکمل کیا۔

”پکا نہ، نہیں ناراض ہو نہ تم مجھ سے؟“۔

صائم نے کنفرم کرنا چاہا۔

”ہاں پکا“!

زویا کی جان حلق میں اٹکی ہوئی تھی۔

”بعد میں بھی کبھی ناراض نہیں ہو گی نہ؟“

"ہاں بابا، پکا ناراض نہیں ہوں گی۔"

"پہلے پکا وعدہ کرو۔"

"ہاں، پکا... پکا والا وعدہ۔"

"دیکھ لو!......اگر وعدہ توڑا تو اللہ ناراض ہو گا۔"

"پکا......پکا......پکا والا، اللہ کا وعدہ۔"

زویا نے آخر صائم کو یقین دلا ہی دیا تھا،...... لیکن...... لیکن صائم نے اسے ریلنگ سے آگے پھینک دیا تھا۔ زویا کی ایک دل خراش چیخ گونجی تھی۔

"کتنا چیختی ہو تم، آہستہ چیخو۔"

آہل نے زویا کو تھام لیا تھا، اور اب گھور کر اسے نصیحت کر رہا تھا۔

"بھائی!......اگر میں......میں مر جاتی تو؟"۔

زویا آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ وہ تو میں نے ہی صائم کو اشارہ کیا تھا کہ تمہیں پھینک دے، ہم تو دادو کو بھی کئی بار پھینک چکے ہیں ایسے ہی، کیوں دادو؟"۔

آہل نے ایک آنکھ دبا کر دادو سے پوچھا۔

"اور کیا بیٹا، تمہیں بھی عادت ہو ہی جائے گی۔ وہ تو شکر ہے دو سال ہو گئے ہیں انہوں نے مجھ پر ترس کھا کر مجھے بخشا ہوا ہے۔"

دادو نے منہ بناتے کہا، لیکن یہ سنتے ہی زویا کی جان آدھی ہو چکی تھی، کیا وہ سرکس میں آ چکی تھی؟

جبکہ دادو کے سامنے پانچ سال پہلے کا وہ واقعہ گھوما جب ان لوگوں نے پہلی دفعہ انہیں نیچے پھینکا تھا۔

پانچ سال پہلے کا واقعہ

"آہل بچے! آج مجھے نہیں لگتا ہے کہ میں سیڑھیاں اُتر پاؤں گی، میرے جوڑوں میں بہت تکلیف ہے۔"

شمائلہ بیگم کمرے سے نکلتے ہی ریلنگ کے پار کھڑی، نیچے لاؤنج میں کھڑے آہل سے کہہ رہی تھیں۔

"لیکن دادو ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

آہل نے ایک نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔

”لیکن بیٹا میرے جوڑوں میں بہت تکلیف ہے۔“ دادو نے مسکین سی شکل بناتے کہا۔ تبھی صائم بھی تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا، اور دادو کو ریلنگ کے پاس کھڑے دیکھ ان کے پاس آ گیا۔

”صائم! دادو کو اٹھاؤ۔“

آہل نے صائم کو حکم دیا۔

”کیا؟“...

صائم کو لگا شاید اس نے کچھ غلط سُن لیا ہے۔

”میں نے کہا ہے، صائم! کہ دادو کو اٹھاؤ۔“

آہل نے پھر سے دوہرایا۔

”لیکن، بوس“......!

صائم نے کچھ کہنا چاہا لیکن آہل غصے اور اپنے رعب دار لہجے میں بولا، ”مجھے نہ سننے کی عادت نہیں ہے، صائم“!

”جی، بوس!...“ صائم نے آہل کے حکم پر سر خم کرتے ہوئے دادو کو اپنی گود میں اٹھا لیا، دادو بس منہ کھولے ان کی باتیں سُن رہی تھیں۔

”اب انہیں نیچے پھینک دو“!

آہل نے اگلا حکم نامہ جاری کیا۔ صائم کے تو سر پر لگی تلوؤں پر بجھی جبکہ دادو کی تو جان ہی نکل گئی۔

"یااللہ! مجھے اٹھا لے رے، اٹھا لے...... اپنے پوتوں کے ہاتھوں مرنے سے اچھا ہے میں کسی اور چیز سے مر جاؤں۔"

دادو دل پر ہاتھ رکھے اونچی اونچی آواز میں اللہ سے مخاطب ہوئیں۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، بوس؟"

صائم نے اس بار لہجے میں غصہ سموئے کہا۔

"تم پھینک دو اور مجھ پر بھروسہ رکھو۔"

آہل نے آنکھیں بھینچ کر صائم کو یقین دلایا۔

"بوس! اگر دادو کو کچھ ہوا تو یقین جانیے جان لے لوں گا آپ کی۔"

صائم ضبط کے باوجود بھی بہت تلخ ہو رہا تھا۔

"بھروسہ ہے نہ مجھ پر؟"

آہل نے صائم سے پوچھا۔

"خود سے بھی زیادہ۔"

"تو پھر بس مجھ پر یقین کر کے پھینک دو انہیں نیچے۔"

دادو کبھی صائم تو کبھی نیچے کھڑے آہل کے چہرے کو خوف سے دیکھ رہی تھیں۔ لیکن آہل کی بات پر ان کا دل ہی دہل گیا۔

”صائم! کیوں اس پاگل کے پیچھے لگ کر اپنی نانو کے قاتل بننا چاہتے ہو، وہ تو ہے ہی سر پھرا پاگل سا، تم تو میرے پیارے بیٹے ہو۔“

دادو نے صائم کو بہلانا چاہا۔

”نانو! میں کیا کروں، آپ دونوں ہی مجھے بہت عزیز ہیں، سوری نانو۔“

صائم نے کہا اور آنکھیں بند کر کے دادو کو نیچے پھینک دیا۔

”ہائے میں مر گئی،......ہائے میں مر گئی۔“

دادو آنکھیں بند کیے اِدھر اُدھر منہ کیے گہرے گہرے سانس لیتی بولیں۔

”زندہ ہیں آپ، اور اس وقت میری گود میں ہیں۔“

آہل نے ان کی اداکاری پر افسوس سے کہا۔

”ہیں؟...... سچی؟......میں بچ گئی؟......یا اللہ تیرا شکر ہے۔“

دادو کے ساتھ ساتھ صائم نے بھی شکر کا سانس خارج کیا اور آہل نے بھی انہیں نیچے اُتار دیا۔

”چلیں اب؟ ہمیں دیر ہو رہی ہے دعوت میں جانے کے لیے۔“

آہل نے جھک کر دادو کی شکل دیکھتے پوچھا۔

”دعوت؟......ہاں، یاد آیا، میرے تو جوڑوں میں بہت شدید درد ہے بیٹا۔“

دادو نے فوراً سے اپنی گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے درد کے تاثرات اپنے چہرے پر لاتے کہا۔

”صائم! میں دادو کو پھر سے اوپر لاتا ہوں، تم انہیں پھر سے نیچے پھینکنا، پھر دیکھنا ان کا درد ٹھیک ہو جائے گا۔“

آہل کی بات پر دادو کی آنکھیں ہی پھٹ گئیں۔

”نہیں! نہیں! نہیں!......میں ٹھیک ہوں، بلکل ٹھیک، وہ تو دراصل مجھے اس رضیہ کی دعوت پر نہیں جانا، مجھے وہ بلکل اچھی نہیں لگتی،......میں جب بھی اس کے پاس جاتی ہوں وہ مجھ سے اپنی بیٹی اریج کی تعریفیں کرنے بیٹھ جاتی ہے،...... کہتی ہے کہ اسے کھانا بھی بنانا آتا ہے، گھر کے کام بھی کرنے آتے ہیں، کہتی بہت ہی سگھڑ بیٹی ہے میری، جبکہ مجھے اس کی بیٹی زہر لگتی ہے زہر،........ تمہیں پتا ہے راحیلہ مجھے بتا رہی تھی کہ اس کی بیٹی اریج رات گئے تک گھر واپس نہیں آتی، کلبز میں پھرتی رہتی ہے آدھی آدھی رات تک،......دراصل وہ چاہتی ہے کہ اس کی بیٹی کی شادی تم سے ہو جائے، لیکن میں اس کے ان گندے ارادوں کو کبھی بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی،......میں تمہیں کنوارہ رکھ لوں گی لیکن اس کی بیٹی سے تمہاری شادی کبھی نہیں

کروں گی،...... تمہیں پتا ہے اس کی بیٹی اپنے منہ پر من من کے حساب سے میک اپ کر کے رکھتی ہے، اور تو اور اس کا منہ میک اپ کی وجہ سے سفید لگتا ہے لیکن جب میں نے اس کے پاؤں دیکھے تو یخ...... حد سے زیادہ کالے تھے، اور پتا ہے کیا اس نے"........

"بس بس بس، دادو! بخش بھی دیں اب اسے، اتنی وہ ہو گی نہیں جتنا مرچ مصالحہ لگا کر آپ مجھے بتا رہی ہیں۔"

آہل نے ان کی سپیڈ سے چلتی زبان کو نہ رکتے دیکھ ان کی بات ہی کاٹ دی، ورنہ دادو تو شاید اس لڑکی ار تیج پر مضمون ہی لکھ دیتیں۔

"اچھا اچھا، ٹھیک ہے، لیکن جب وہ ار تیج تم لوگوں سے ملا کرے تو تم لوگ اسے کہا کرو کہ تم تو لڑکیوں سے بات ہی نہیں کرتے، اور اسے یہ بھی کہنا کہ کبھی اپنے پاؤں بھی دیکھ لیا کرے۔"

صائم بھی نیچے آچکا تھا، اب دادو ان دونوں کو نصیحتیں کر رہی تھیں۔

حال

دادو نے سارا اس دن والا واقعہ ان سب کو سنا دیا۔

زویا اور زی کا تو ہنس ہنس کر بُرا حال ہو رہا تھا۔ دادو کتنی پیاری تھیں۔ آہل کی نظر تو ہنستی ہوئی زی پر ٹک سی گئی تھی، اس کی بیوی کتنی خوبصورت تھی، اور اس کی ہنسی تو واللہ۔

"خدارا، یوں مت ہنسا کرو میرے سامنے، اگر مجھے تمہارے ہنسنے کی عادت ہو گئی تو واللہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔"

آہل نے ہلکا سا زی کے کان کی قریب جھک کر سرگوشی کی۔ زی کی ہنسی فوراً سے تھمی تھی۔

"دادو، آئی لو یو"!

زویا ہنستی ہوئی دادو کو ان کے کندھوں سے تھامے اپنے ساتھ لگاتے بولی۔

"لیکن میں تو زی سے، آئی لو یو، کرتی ہوں۔"

دادو نے زی کو پیار سے دیکھتے ہوئے اپنے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آئی لو یو ٹو! دادو۔"

زی نے مسکرا کر ان کا چہرہ تھام کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"ہائے رے! کبھی ہم سے تو اتنا پیار نہیں کیا۔"

آہل نے بے چارگی سے دل پر ہاتھ رکھ کر صائم سے کہا۔ صائم نے بھی آہل کا چہرہ تھاما اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے بولا۔

"اب ٹھیک ہے؟"۔

"شرم کرو، صائم! کتنی بار کہا ہے کہ میں تمہاری بیوی نہیں ہوں،......... وہ جو سامنے کھڑی ہے وہ تمہاری بیوی ہے۔"

آہل نے اپنا ماتھا رگڑتے زویا کی طرف اشارہ کیا۔ سب لوگوں کا ایک بار پھر سے قہقہہ گونجا تھا جبکہ زویا لال سرخ چہرے کے ساتھ اپنے بھائی کو گھورنے لگی۔

"اچھا! اب سب بس کرو، میں زرا تعارف تو کروا دوں تم سب کا۔"

دادو نے کہا اور گھر کے اندر موجود سب ملازمین کو بُلا کر ان کا تعارف کروانا شروع کیا۔

"یہ ہے زی، میرا مطلب ہے زعیمہ، تم سب کے بوس آہل کی منکوحہ، اور یہ ہے زویا، آہل کی بہن اور صائم کی بیوی۔"

سب ملازمین زویا کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

"کیا یہ ہمارا زویا بی بی ہیں؟"۔

ایک بوڑھے سے پٹھان ملازم نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، خان بھائی! یہ زویا ہی ہے۔"

دادو خان بابا کی حیرت پر مسکرا دیں۔

”زویا بی بی؟ یہ...... یہ کیسے؟......... یہ کیسے ہو سکتا ہے ہمارا زویا بی بی تو پندرہ سال پہلے ہی کھو گیا تھا نہ؟“۔

خان بابا بے یقینی سے بولے۔

”ہاں، خان بھائی! آپ معجزوں پر یقین رکھتے ہیں نہ؟“۔

دادو نے جیسے پوچھا۔

خان بابا نے نم آنکھوں کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا۔

”زویا! یہ خان بابا ہیں۔ تمہیں یاد ہیں یہ؟“۔

دادو نے پوچھا تو زویا بھی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی، وہ کیسے بھول سکتی تھی انہیں۔

زویا نے آس پاس دیکھ کر کچھ ڈھونڈنا چاہا اور پھر سامنے ہی اسے اس کی مطلوبہ چیز مل گئی۔

وہ گلدان کے اندر سے تازہ تازہ گلاب کا ایک پھول اٹھا لائی اور خان بابا کے سامنے جا کر نم آنکھوں کے ساتھ انہیں پیش کر دیا۔

”زویا بی بی! آپ کو یاد تھا؟“۔

خان بابا نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پھول تھام لیا اور زویا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

”میں دادو کو بھول سکتی ہوں خان بابا، لیکن آپ کو میں کبھی بھی بھول نہیں سکتی۔“

زویا نے ان کا ہاتھ تھام اپنے لبوں سے لگایا۔ خان بابا کی آنکھوں سے آنسو اور زیادہ روانی سے بہنے لگے۔

وہاں کھڑے سب لوگ ان کی محبت پر مسکرا دیے، خان بابا ان کے بہت پورانے ملازم تھے، زویا کی پیدائش پر احمد میامی گیا ہوا تھا اپنے بزنس کے سلسلے میں، تب خان بابا ہی تھے جنہوں نے سب سنبھالا تھا، اور زویا کو بھی پانچ سال تک انہوں نے بہت سنبھالا تھا۔

”زویا بی بی! ہم کو بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ۔“

خان بابا بہت جذباتی ہو گئے تھے۔ زویا کے تو جذبات ہی بہہ نکلے تھے۔

”زعیمہ بچے! کیا تم زیادہ بات نہیں کرتا؟ جب سے آیا ہے آپ، خاموش کھڑا ہے؟“

خان بابا نے زی کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

”ارے خان بھائی! یہ تو میری خاموش سی بیٹی ہے، آپ نے بس اسے بولنے والے کام پر لگا دینا ہے۔“

زی کی بجائے دادو نے جواب دیا تھا۔ زی مسکرا دی۔

"بہن! آپ فکر نہ کرو، ہم اس بچی کو زویا بی بی جیسا بنا دیگا۔"

خان بابا نے خوشی سے کہا۔

"نہیں! نہیں! خان بابا! میں اپنی بیوی کو پاگل اور بے وقوف نہیں بنانا چاہتا۔"

آہل جھٹ سے بولا تھا۔ زویا کا نیچے والا ہونٹ پھر سے باہر آ چکا تھا۔

"ہاہاہاہاہا......... بہت باتیں ہو چکی اب، اب میں باقی ملازمین کا بھی تو تعارف کروا دوں۔"

دادو نے کہا اور باقیوں کا بھی تعارف کروانا شروع کر دیا۔

"اہم اہم... مجھے ایک بہت ضروری اعلان کرنا ہے۔"

تعارف کروانے کے بعد دادو نے اپنا گلا کھنکار کر انہیں اطلاع دی، سب نے سوالیہ نظروں دادو کی طرف دیکھا۔

"اس گھر میں ٹھیک ایک ہفتے بعد،" ......

دادو نے اعلان کرنا شروع کیا، سب لوگ دم سادھے ان کی اگلی بات سننے کے منتظر تھے،

”آہل کی زعیمہ کے ساتھ......اور صائم کی زویا کے ساتھ شادی کر دی جائے گی،......سب لوگ شادی کی تیاریاں شروع کر دو،......شادی میں کوئی کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے، آخر میرے بچوں کی شادی ہے۔“

دادو کے کہنے کی دیر تھی کہ سب لوگوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، سوائے زویا اور زی کے، وہ تو حیرت سے دادو کو دیکھ رہی تھیں۔

”صائم! دادو مجھے آج اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہیں۔“

آہل دادو کو دیکھتے کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

”مجھے بھی“!

صائم کی حالت بھی آہل جیسی ہی تھی۔

”لیکن دادو!......“زویا نے کچھ کہنا چاہا تو دادو نے اسے ٹوک دیا۔

”مجھے کچھ نہیں سننا، زویا!......اور جاؤ، تم سب اپنے اپنے کمرے میں تھوڑا فریش ہو لو، پھر اکٹھے ہی کھانا کھائیں گے،......زویا اور زی! تم دونوں کو صائمہ تمہارا کمرہ دکھا دے گی۔“

دادو نے کہا اور خود بھی اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

سب ملازم بہت خوش تھے، آخر کو اس گھر میں پہلی شادی ہونے جارہی تھی، اور وہ بھی دو جوڑیوں کی ایک ساتھ۔ جبکہ آہل اور صائم تو کچھ ایکسٹرا ہی خوش تھے۔

کھانے کے بعد وہ سب آرام کرنے اپنے کمرے میں جانے ہی لگے تھے کہ خان بابا نے شمائلہ بیگم کو روک لیا، وہ چاروں بھی رُک گئے کہ شاید کوئی ضروری بات ہو۔

"بہن! جب آپ لوگ میامی میں تھے، تو آپ کے پیچھے روز ایک بچہ ادھر آتا تھا، پہلے دن جب وہ آیا تھا تو ہم نے اس سے پوچھا کہ کس کو ملنا ہے، وہ بولا، ہم کو ہماری دادو سے ملنا ہے، ہم نے اس کو پوچھا بھی کہ اس کی دادو کا کیا نام ہے تو وہ بولا کہ ہم کو ہماری دادو کا نام نہیں معلوم، ہم کو تو ہماری دادو نے بھیجا ہے، بہن ہم کو وہ بچہ بہت عجیب لگا تھا، وہ روز ہی تقریباً آکر یہ جملہ دوہراتا، پہلے دن تو گاڈز (گارڈز) نے اس کو گھر کے اندر آنے سے روک دیا، لیکن ہم پودوں کو پانی دے رہا تھا اس لیے ہم نے اس کو دیکھ لیا اور اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ ہم نے اس کو کہہ دیا کہ ابھی ہمارے مالک لوگ گھر پر نہیں

ہیں، جب وہ آئیں تب آنا، تو اس نے پوچھا ہمارے مالک لوگ کب آئیں گے، ہم نے اس کو کہہ دیا کہ ہم کو نہیں پتا، جس کی وجہ سے وہ بچہ روز آجاتا گھر میں۔"

خان بابا نے انہیں تفصیل بتائی۔

"خان بابا! اس کے علاوہ بھی تو کچھ بتایا ہوگا اس بچے نے اپنے بارے میں؟"۔

آہل نے تشویش سے پوچھا۔

"نہیں، آہل بچے! ہم نے اس سے پوچھا کہ جو بات کہنی ہے ہم کو بتادے، مگر وہ کہتا ہم اپنی دادو کو ہی بتائے گا۔"

خان بابا کہہ کر چُپ ہو گئے۔

"پہلے کبھی دیکھا ہے آپ نے اسے خان بابا؟"۔اس بار سوال صائم نے کیا۔

"نہیں، صائم بچے! ہم نے اس کو پہلے تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

خان بابا نے جواب دیا۔

"کیا وہ آج صبح آیا تھا؟"۔

آہل نے پوچھا تو خان بابا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ بچہ پچھلے تین دن سے نہیں آرہا اب۔"

”شاید اس نے کسی اور کے گھر جانا ہو اور وہ ہمارے گھر آگیا ہو غلطی سے، اور اب اسے اس کا صحیح پتہ مل گیا ہو۔“

صائم نے اپنی سوچ کا اظہار کیا۔

”ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔“

خان بابا نے بھی اس کی بات اکتفا کیا۔

”ہمم!...“۔

باقی سب نے بھی اپنا سر اثبات میں ہلایا سوائے زی کے، وہ سب پھر سے اپنے اپنے کمروں میں جانے کے لیے مڑے تھے کہ زی کی آواز پر پلٹے۔

”خان بابا! وہ بچہ تقریباً کتنا بڑا تھا؟“۔

زی خان بابا سے پوچھ رہی تھی، سب ہی چونکے تھے،...... یہ تو انہوں نے بھی ان سے نہیں پوچھا تھا۔

”یہی کوئی تیرہ چودہ سال کے لگ بھگ ہو گا۔“

خان بابا نے اپنا اندازہ ظاہر کیا، زی نے سمجھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"بھوّوو!......" زی ٹیرس پر کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی جب آہل دبے قدموں سے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور اپنی تھوڑی اچانک ہی زی کے کندھے پر رکھ کر اسے ڈرانے کی ناکام کوشش کی۔ زی ڈری تو نہیں تھی خیر...... لیکن اپنے کندھے پر اس کی تھوڑی محسوس کر کے ضرور سٹپٹائی تھی۔

"ہائے اللہ! ایک تم اور ایک یہ چاند خاموش اچھے ہی نہیں لگتے۔"

آہل نے پتا نہیں کیا ڈائیلاگ مارا تھا۔

"اگر یہ چاند بولنے لگ گیا نہ تو آپ لوگ راتوں کو سوتے ہوئے نہیں ملو گے، دن کو بھاگتے ہوئے نہیں ملو گے۔"

زی نے آہل کے ڈائیلاگ کی مت مار دی تھی۔

"اُف، لڑکی! بندے کو ڈائیلاگ وغیرہ بھی مارنے دے دیا کرو کبھی۔"

آہل نے منہ بنایا۔

"آپ کے منہ سے یہ ڈائیلاگ بازی اچھی نہیں لگتی۔"

کرارا سا جواب آیا تھا۔

"اوہ ہیلو! اگر یہ لائن میں کسی دوسری لڑکی کو بولتا تو ابھی تک وہ اپنا سب کچھ نچھاور کر چکی ہوتی میرے اوپر۔"

"اگر آپ مجھ سے بھی یہ اُمید کر رہے ہیں تو سوری، میرے پاس کچھ نہیں ہے آپ پر نچھاور کرنے کے لیے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن،......وہ یہ بھول چکی تھی کہ سامنے آہل احمد بٹ کھڑا ہے۔

"تم اپنی محبت نچھاور کر سکتی ہو مجھ پر۔"

"میری محبت میں بہت آگ ہے۔تڑپ کر رہ جائیں گے آپ۔"

کھٹاک سے آیا تھا جواب۔

"میں تڑپنا چاہتا ہوں۔"

وہ بے خودی میں بولا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آپ کو اپنی دوست کو اپنی خیر خیریت کا بتا دینا چاہیے۔"

زی نے بات پلٹ کر موقعے پر چوکا مارا تھا۔

"میں نے بتا دیا تھا اسے۔"

آہل نے اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنا چاہا، اور سامنے ہی اس کا چہرہ اذیت کے تاثر لے چکا تھا۔

"اوہ، اچھی بات ہے۔"

زی یہ کہہ کر جانے ہی لگی تھی جب آہل نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے سامنے اور قریب تر کیا۔ زی کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"پوچھو گی نہیں کہ میں نے اسے کیا بتایا؟"۔ آہل نے اس کی جھکی نظروں کو دیکھتے کہا۔

"آپ کی پرسنل گفتگو ہو گی، میرا پوچھنا اچھا نہیں لگتا۔"

ہنوز اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"مطلب تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

آہل سے اس کی اداسی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"جی، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

زی نے اپنا بازو آہل کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔

"میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے میں جو مرضی کروں۔"

آہل کا کہنا تھا کہ زی کی نظریں اٹھیں تھیں۔ سرمئی آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ٹکرائیں تھیں۔ ایک قہر سا ٹوٹا تھا۔ سچ پر سے پردہ ہٹا تھا اور سچ جھٹ سے سامنے آ کھڑا ہوا

تھا۔اور یہی وہ لمحہ تھا جب دونوں کی آنکھوں نے مل کر اظہارِ محبت کیا تھا اور یہی لمحہ سامنے آسمان پر موجود چاند نے اپنے اندر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید کر لیا تھا۔

آہل کے چہرے پر مسکراہٹ نے اپنا احاطہ کر لیا تھا، وہ جھکا تھا اور اپنی محبت کی مہر اس کی پیشانی پر ثبت کی تھی، زی نے آنکھیں بند کیے اس کی محبت کی مہر کو محسوس کیا تھا۔

زی کے ماتھے پر محبت بھرا لمس چھوڑنے کے بعد آہل نے اپنا ماتھا اس کے ماتھے سے ٹکا دیا۔

''آئی لو یو!''۔

وہ بولا تھا، اور زی نے اپنے دل تک اس محبت بھرے احساس کو محسوس کیا تھا۔

''آئی لو یو ٹو!''۔

اس نے بھی اس کی محبت کے جواب میں کہا۔اور دونوں ہی مسکرا اٹھے تھے۔

''زویا مجھے تنگ نہ کرو۔''

صائم زویا سے کہہ رہا تھا۔

''لیکن صائم مجھے وہ گول گول چیز کھانی ہے۔''

زویا اور صائم دونوں ہی کوریڈور میں چلتے ہوئے ٹیرس کی طرف آرہے تھے، زی اور آہل جھٹ سے ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔

"آپ دونوں یہاں پر رومینس جھاڑ رہے ہیں اور آپ کی یہ بہن مجھے تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہی ہے۔"

صائم نے ٹیرس پر ان دونوں کو ایک ساتھ کھڑے دیکھ اپنا اندازہ لگا کر زویا کی شکایت لگائی۔

"اب کیا کیا اس نے؟"۔

آہل نے اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے پوچھا۔

"یہ کہتی ہے مجھے وہ گول گول چیز کھلا دو۔"

صائم نے ہاتھ سے گول گول کا اشارہ کیا۔

"گول گول کیا؟"۔

آہل نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"ارے وہی، بھائی! جو پاکستان میں ایک دکاندار اپنی دکان لے کر پورے شہر میں گھوم گھوم کر بیچتا ہے، جس سے لوگ وہ گول گول چیز لے کر سس سس کر کے کھاتے ہیں۔"

زویا نے آہل کو یاد دلانے کی کوشش کی۔

"گول گپے؟"۔

آہل نے سہی تکا لگایا۔

”ارے ہاں ہاں وہی۔“

زویا نے خوش ہوتے کہا۔

”تم نے کہاں دیکھ لیے گول گپے؟“۔

آہل نے حیرت سے پوچھا۔

”اس نے پاکستانی فلموں میں دیکھا ہے اور اب یہ چاہتی ہے اسے کھانا۔“

زویا کی بجائے صائم کا جواب آیا تھا۔

”تم دادو سے کرو یہ فرمائش، انہیں بہت پسند ہیں وہ۔“

آہل نے زویا کی مشکل آسان کی۔

”دادو کہتی ہیں ان کا ابھی دل نہیں کر رہا وہ کل کھائیں گی لیکن مجھے ابھی کھانے ہیں۔“

زویا نے ضد کی۔

”اب میں ساری سیکیورٹی کو اکٹھا کر کے تمہیں اتنی رات کو گول گپے کھلانے لے کر جاؤں، واہ بھئی واہ،...... گول گپے نہ ہو گے کوئی دلہن ہی ہو گئی جو اس کے لیے میں پوری بارات لے کر جاؤں۔“

صائم تلملا ہی اٹھا تھا۔

"تم مجھے بس بتادو کہ وہ کہاں ملیں گے، میں خود کھا آؤں گی۔"

زویا نے صائم کی مشکل آسان کرنی چاہی۔

"پاگل تو نہیں ہو، یہ پاکستان ہے، میامی نہیں کہ جب دل چاہا باہر نکل گئی۔"

وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"زویا! تم ایسا کرو کہ گھر ہی منگوا لو۔"

آہل نے مشورہ دیا۔

"میڈم کا کہنا ہے کہ انہیں وہاں جا کر ہی کھانے ہیں۔"

صائم کافی غصے میں لگ رہا تھا زویا کی بے تکی سی فرمائش پر۔

"صائم! لے جاؤ یار اسے، ہم میاں بیوی کو بھی کوئی پرائیویسی دے دو۔"

آہل نے اپنے سر سے مصیبت ہٹانا لازمی سمجھا۔

"توبہ ہے، تم دونوں بھائی بہن پاگل ہو۔"

صائم نے زویا کا ہاتھ سختی سے تھاما اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جانے لگا، زویا کی تو دندیاں ہی باہر آ گئیں، آخر کار اس کی ایک سال پرانی خواہش جو پوری ہونے والی تھی وہ گول گول چیز کھانے کی۔

آہل اور زی اس جھلی سی لڑکی کو دیکھ کر ہنس دیے۔

”صائم ! ہم گاڑی سے باہر چل کر کھائیں ،ادھر مزح نہیں آئے گا۔“

زویا نے باہر چل کر کھانے کی فرمائش کی۔

”چُپ !...... یہاں تک لے آیا ہوں وہی کافی ہے ،اب اس سے زیادہ کی مجھ سے امید ہی نہ کرنا، پہلے ہی آدھی سیکیورٹی کا ٹولا میں تمہاری وجہ سے اٹھا کر لے آیا ہوں۔“

صائم کو غصہ اور نیند دونوں آرہی تھیں۔ لیکن زویا کا منہ سوجھ چکا تھا۔

”یہ لو، پکڑو اور کھاؤ۔“

صائم نے گول گپوں کی پلیٹ اسے تھمائی۔ زویا کے تو منہ میں پانی بھر گیا۔

”صائم ! اسے کھاتے کیسے ہیں ؟“۔

زویا نے ایک گول گپا اٹھا کر پوچھا ،اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیسے کھائے۔

”فلموں میں گول گپوں کو تو دیکھ لیا تھا کھانے کا طریقہ بھی صحیح سے دیکھ لیتی۔“

صائم نے طنز کر کے اپنا سر جھٹکا اور یہی وہ لمحہ تھا جب زویا کے ہاتھ سے گول گپا ٹوٹ کر اس کی اپنی قمیض خراب کر گیا۔ بچاری زویا کی تو آنکھیں ہی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جبکہ صائم نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

’’صائم! یہ کیسے گر گیا میں نے تو دھیان سے پکڑا ہوا تھا اسے؟‘‘

زویا صدمے سے بولی۔

’’تم نے فلموں میں یہ نہیں دیکھا کہ گول گپوں کو انتظار نہیں کرواتے' ورنہ وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔‘‘ صائم نے افسوس کیا۔

’’کیا؟ سچ میں؟‘‘۔

زویا نے بے یقینی سے پوچھا۔

’’ہاں جی‘‘!

صائم نے ہاں جی پر زور دیتے کہا۔

’’اچھا پھر میں جلدی سے اسے کھاتی ہوں' میرا مطلب ہے کہ کھانے کی کوشش کرتی ہوں۔‘‘

زویا نے کہا اور ایک گول گپا اٹھا کر منہ میں ڈالنے کی کوشش کی، لیکن بچاری زویا کا منہ ہی ٹھیک سے نہ کھلا اور دوسرا گول گپا بھی اس کے کپڑوں پر جا گرا، اس بار گاڑی میں صائم کا قہقہہ گونجا تھا۔

صائم کو گلا پھاڑ کر ہنستے دیکھ زویا کی آنکھوں میں شرمندگی سے موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے' صائم کی نظر جیسے ہی اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی پر گئی اس کا قہقہہ فوراً سے تھما۔

''اچھا، سوری نا! اب نہیں ہنستا۔''

صائم نے اسے اپنے ساتھ لگاتے اس کی کمر کو پیار سے سہلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے نہیں کھانے یہ گول گول چھوٹے سے پھٹے ہوئے غبارے، مجھے گھر جانا ہے۔''

زویا نے رندھی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں کھلاتا ہوں تمہیں یہ گول گول غبارے۔''

صائم نے اسے اپنے سے الگ کیا اور گول گپوں کی پلیٹ میں سے ایک گول گپا اٹھا کر زویا کو اپنا پوراااا منہ کھولنے کی ہدایت دی۔ زویا نے بھی جتنا منہ کھلتا تھا اتنا کھول دیا، صائم نے احتیاط سے ایک گول گپا اس کے منہ میں ڈال دیا۔

زویا نے اسی طرح منہ کھولے منہ میں گول گپا لیے صائم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے کہ پوچھنا چاہ رہی ہو کہ اب آگے کیا کروں؟

''کھاؤ اسے!''۔

صائم نے پہلے تو اسے افسوس سے دیکھا اور پھر کھانے کی تاکید کی جس پر زویا نے فٹافٹ سے چبانا شروع کیا۔

نگلنے کے بعد زویا نے کچھ لمحے صائم کو دیکھا جو اسے ہی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے پوچھنا چاہ رہا ہو کہ کیسا لگا۔ لیکن کچھ لمحوں بعد صرف زویا کی ایک فلک شگاف چیخ گونجی تھی۔

"کھالی پھر تم نے اپنی وہ گول گول چیز، کر لیا اپنا شوق پورا؟"۔

آہل نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے زویا سے پوچھا جو کہ چاکلیٹ کھانے میں سخت مصروف تھی۔

"ہاں جی کرلی میڈم نے اپنی فرمائش پوری، اور تو اور کل میڈم نے میرے کان کے پردے بھی پھاڑ دیے، شکر ہے کہ میں بچ گیا۔"

دادو کے ساتھ صوفے پر بیٹھے صائم نے جواب دینا لازمی سمجھا۔

"کیوں؟ کیا ہوا تھا کل؟"۔

آہل نے صوفے پر زی کے ساتھ بیٹھتے پوچھا۔

''بقول ان میڈم کے جتنی مرچی بریانی میں ڈلتی ہے اس سے پانچ گنا زیادہ تو اس گول گپے میں تھی۔''

''ہاں! تبھی تو یہ اتنی معصوم ہے۔ مرچ جیسی تیز طراری ہے ہی نہیں اس میں۔'' آہل نے اچھی مثال دی تھی۔

''اور کیا، یہ تو.........'' ابھی صائم آگے بول ہی رہا تھا کہ خان بابا لاؤنج میں داخل ہوئے، اور انہوں نے جو اطلاع دی اس سے سب لوگ ہی بے یقین تھے۔

''بہن جی! وہ بچہ پھر آگیا ہے، کہہ رہا ہے کہ ہم کو اپنی دادو سے ملنا ہے، ہم اس کو کیا کہے؟''۔

''خان بھائی! اسے اندر لے کر آئیں جلدی سے۔''

شمائلہ بیگم پہلے تو کچھ دیر سوچتی رہیں پھر خان بابا سے بولیں تو خان بابا باہر کی طرف چلے گئے اُس بچے کو لانے۔ وہ سب ہی اپنی اپنی نشست سے کھڑے ہو چکے تھے اور ان سب کی نظریں ہی داخلی دروازے پر تھیں۔

خان بابا داخلی دروازے سے اندر داخل ہوئے.........اور پھر ان کے پیچھے ہی وہ بچہ بھی اندر داخل ہوا......... صرف دو لوگوں کا دل تیزی سے دھڑکا تھا......... شمائلہ بیگم اور

زعیمہ کا.........وہ بچہ خان بابا کے پیچھے اپنے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ان کی طرف ہی آرہا تھا،.........زی اور دادو کو لگا جیسے ان کا دل ابھی ہی باہر آجائے گا،.........اس بچے میں ایک عجیب سے کشش تھی جو ان کا دل پسیج رہی تھی۔

"بہن جی! یہ ہے وہ بچہ۔"

خان بابا نے بچے کا ہاتھ تھام کر ان سب کے سامنے کیا۔

تیرہ چودہ سال کا وہ بچہ.........کندھوں پر بیگ لٹکائے.........اپنے گول گول نظر کے چشمے سے ان سب کو معصومیت سے دیکھ رہا تھا۔

ان سب کی نظر بے اختیار ہی زی پر گئی تھی،.........ہاں وہ بچہ زی سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ زی تو اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ دادو کا حال بھی زی سے کم نہ تھا، وہ بچہ کسی اور سے بھی بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔

"اسلام و علیکم! میرا نام میکائیل ارشد رمیض ہے، مجھے میری دادو نے بھیجا ہے۔"

وہ بچہ معصومیت سے چشمے کے پیچھے سے آنکھیں جھپکاتا بولا۔

شمائلہ بیگم کی آنکھوں میں فوراً سے پانی بھر آیا تھا جسے انہوں نے اپنی پلکیں جھپکا کا فوراً سے پیچھے دھکیلا۔

"آپ کی دادو نے آپ کو کس کے پاس بھیجا ہے؟"۔

زویا نے آگے بڑھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھتے، اس بچے کو کندھوں سے تھام کر پیار سے پوچھا۔

”میری دادو نے مجھے شمائلہ دادو کے پاس بھیجا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ میری ایک اور دادو بھی ہیں جو کہ ان کے بعد میرا خیال رکھیں گی۔“

ان سب کو جھٹکا ہی تو لگا تھا اس بچے کی بات سے۔

”آپ کی دادو کا نام کیا ہے؟“۔

اس بار صائم نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”میری دادو کا نام فرزانہ ہے۔“

اس بار زی، آہل اور صائم تینوں ہی چونکے تھے۔ وہ شمائلہ بیگم کی بہن فرزانہ کا پوتا تھا، بلکہ یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ وہ آہل کے دادا کا پوتا تھا،...... ایک عجیب سا رشتہ قائم تھا ان میں۔ شمائلہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو چکے تھے، وہ فوراً سے میکائیل کی طرف بڑھیں اور اس کی پیشانی چوم لی۔

”تمہاری دادو کدھر ہیں؟“۔

ان کے منہ سے یہ پہلا سوال نکلا تھا۔

”میری دادو تو اللہ میاں کے پاس چلی گئیں ہیں، ان کو دو ہفتے ہو گئے ہیں اللہ میاں کے پاس گئے۔“

شمائلہ بیگم نے اپنے لب بھینچ کر آنسوؤں کے ایک گولے کو اپنے اندر اتارا، وہ بچہ انہیں کیا خبر سنا گیا تھا۔

”اور تمہارے دادا ابو کہاں ہیں؟“

اب سوال آہل کی طرف سے آیا تھا۔

”وہ تو میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ میاں کے پاس چلے گئے تھے۔“

وہ بچہ انہیں دھچکوں پر دھچکے دیے جا رہا تھا۔ شمائلہ بیگم تو زمین پر ڈھے سی گئیں تھیں۔ آنسوؤں کا وہ گولہ جو ان کے حلق میں اٹک چکا تھا وہ تیزی سے بہہ نکلا تھا۔

”لیکن میری دادو نے جانے سے پہلے مجھے ایک لیٹر دیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ جب وہ اللہ میاں کے پاس چلی جائیں تو میں آپ کے پاس آجاؤں، اور آپ کو وہ لیٹر دے دوں، اس کے بعد میں آپ کے پاس رہ سکتا ہوں، اب میرا کوئی گھر نہیں ہے نہ اس لیے۔“

وہ بچہ معصومیت کی ایک مثال تھا جو ان کے سامنے کھڑا یہ سب آسانی سے کہہ رہا تھا۔

”آپ رُکیں، میں آپ کو وہ لیٹر دیتا ہوں۔“

اس بچے نے بڑے جوش سے کہا اور پھر اپنے کندھوں سے اپنا بیگ اتار کر، اس کی زِپ کھول کر وہ خط ڈھونڈنے لگا۔

"پتا نہیں وہ لیٹر کہاں گیا، میں نے اِدھر ہی تو رکھا تھا سنبھال کر۔"

وہ اپنے بیگ میں سر دیے بول رہا تھا۔

"اِدھر دو، میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔"

زی جو کہ ساکت کھڑی اس کی ساری کاروائی دیکھ رہی تھی بے ساختہ ہی آگے بڑھی تھی۔

"نہیں، آپی! میں ڈھونڈ لوں گا، وہ دراصل میں اپنی چیزیں ترتیب سے نہیں رکھتا نا، اس لیے وہ اِدھر اُدھر سیر کرنے چلی جاتی ہیں، میں بس ابھی ڈھونڈ دیتا ہوں۔"

زی کو جواب دیتے ہی وہ دوبارہ سے اپنا سر بیگ کے اندر دے گیا۔

زی کو اس کے منہ سے "آپی" سُن کر شاک لگا تھا۔

"یہ دیکھیں! مل گیا مجھے لیٹر۔"

اس بچے نے خط نکال کر بڑے جوش سے شمائلہ بیگم کو دیا جسے انہوں نے مرتے ہاتھوں سے تھام لیا۔ میکائیل نے مسکرا کر زی کو دیکھتے ہوئے اپنا چشمہ ٹھیک کیا جو کہ ناک کی نوک پر آ گیا تھا۔ شمائلہ بیگم نے اس خط کو کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

اسلام و علیکم!

میری پیاری بہن، شمائلہ! اُمید ہے کہ تم خیریت سے ہو گی۔ میرا یہ خط تمہیں میرے جانے کے بعد میکائیل کے ہاتھوں سے وصول ہو ہی چکا ہو گا۔ میکائیل میرا اور رمیض کا پوتا ہے، ہماری اکلوتی اولاد ارشد کا بیٹا۔ میں مانتی ہوں کہ میں نے تمہارے ساتھ جو کیا بہت بُرا کیا، تمہارے حق پر ڈاکا ڈالا،........ میں نے تمہارے ساتھ بُرا ہی نہیں کیا بلکہ ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے گناہ، جس کا کفارہ میں آج تک بھگتی آئی ہوں، مہربانی کر کے اگر ہو سکے تو مجھے میری غلطی کے لیے معاف کر دینا۔ اب دیکھو، زندگی کہ آخری لمحات میں، میں تم سے معافی مانگ رہی ہوں، حالانکہ مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ تم تک میرا یہ خط پہنچے گا بھی کہ نہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا اس کی سزا زندگی مجھے سود سمیت دیتی آئی ہے، اور آج دیکھو میں بستر پر پڑی ہوں دل کی مریض بن کر۔

میں رمیض کے ساتھ گھر سے تو بھاگ گئی تھی، یہ سوچ کر کہ میں اس کے ساتھ خوش رہوں گی، لیکن میں یہ کیسے بھول گئی کہ کسی کو تکلیف دے کر کوئی کیسے خوش رہ سکتا ہے۔ رمیض مجھے بھگا کر تو لے گیا اور نکاح بھی کر لیا تھا لیکن اس کے بعد

رمیض کے ابّا نے اسے جائیداد سے عاق کر دیا اور خود اس دنیا سے رخصت ہو گئے، ان کی موت کے ذمہ دار بھی ہم لوگ ہیں، وہ بیٹے کی غلطی کا صدمہ برداشت ہی نہ کر سکے۔

ہم لوگ اسلام آباد سے لاہور چلے گئے، اب ہمارا یہاں کچھ بھی نہ تھا تو ہم اسلام آباد میں رہ کر کیا کرتے۔ وہاں پر ہم نے ایک کرائے پر گھر لے لیا تھا۔ رمیض کو بھی ایک اچھی نوکری مل گئی تھی۔ ہم خوش تھے لیکن ہمیں کیا پتا تھا ہمارے اوپر کسی کے دل سے نکلی ہوئی "آہ" کا ایک قرض ہے۔

ہماری شادی کے ٹھیک ایک سال بعد ہی ارشد پیدا ہو گیا۔ ارشد کے آنے کے بعد ہمیں لگا کہ ہماری زندگی مکمل ہو گئی، لیکن........ خیر وقت گزرتا رہا، ارشد بھی بڑا ہو گیا اور کالج جانے لگا۔ رمیض نے بینک سے قرض لے لیا اور نوکری چھوڑ کر کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہمارا کاروبار کرنے کا فیصلہ ایک اچھا فیصلہ ثابت ہوا تھا۔ کاروبار اچھا چل رہا تھا ہمارہ زندگی معمول کے مطابق چل رہی تھی کہ ایک دن......... مجھے فون پر اطلاع ملی کہ رمیض کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ میں اور ارشد بھاگے بھاگے ہسپتال گئے تھے۔ ہمیں ہسپتال پہنچتے جو خبر ملی تھی وہ ہمارے اوسان خطا کر گئی۔ رمیض اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ رمیض کے جانے کے بعد میں بیمار رہنے لگی

تھی،ارشد نے رمیض کا کاروبار سنبھال لیا تھااور اپنی ایک دوست سے پسند کی شادی بھی کرلی تھی۔لائبہ،ارشد کی بیوی ایک اچھی لڑکی تھی،میرا بہت خیال کرتی تھی۔وہ ایک اچھی بیوی اور ایک اچھی بہو ثابت ہوئی تھی۔

ان کی شادی کے ایک سال بعد ہی اللہ نے انہیں ایک بیٹی سے نوازا۔لیکن ارشد بیٹی کے پیدا ہونے پر خوش نہ تھا،شاید میری ہی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔اس کی سوچ پتا نہیں کب پورانے دور کی ہوگئی،اس کا بس چلتا تو وہ اپنی بیٹی کو پیدا ہوتے ہی دفنا دیتا جیسے پہلے کے لوگ کیا کرتے تھے۔وہ پاگل ہوگیا تھا۔بیٹی کے پیدا ہونے کے بعد کبھی بھی اس نے اپنی بیٹی کو نظر بھر کر نہ دیکھا تھا،اور جب بھی دیکھتا ناگواری سے ہی دیکھتا جیسے خُدانا خواستہ وہ اس کی بیٹی نہیں بلکہ کوئی ناجائز اولاد ہو۔

وقت گزرتا رہا اور آہستہ آہستہ میری پوتی بھی بڑی ہورہی تھی،وہ تین سال کی تھی جب ارشد کو اپنے کاروبار کے سلسلے میں میامی جانا پڑا تھا۔وہ اس تین سال کی معصوم سی بچی کو اپنے ساتھ میامی لے گیا تھا ہمیں بتائے بغیر۔

اس نے جانا تو اگلی صبح کو تھا لیکن وہ رات کو ہی اپنی تین سال کی بچی کو میامی لے گیا،اور ہمیں خبر تک بھی نہ ہونے دی۔وہ محبت میں اپنی بیٹی کو میامی لے کر نہیں گیا تھا،اس کی نفرت اپنی بیٹی سے اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنی ہی بیٹی کو میامی میں پتا نہیں کہاں

چھوڑ آیا۔ ہم نے فون پر اس کی بہت منتیں کی کہ اس بچی کو کچھ نہ کرے اور سہی سلامت واپس لے آئے، ہم بہت روئیں تھیں بہت گڑ گڑائیں تھی لیکن وہ اس بچی کو وہیں کہیں چھوڑ آیا۔ کوئی باپ اتنا پتھر دل کیسے ہو سکتا جب میں نے یہ سوچا تو یاد آیا میں اور رمیض بھی تو کسی کی بیٹی پیچھے چھوڑ گئے تھے یہ جانے بغیر کہ اس کا کیا حال ہو گا جب اسے پتا چلے گا کہ اس کی سگی بہن اس کے شوہر کے ساتھ بھاگ گئی۔ میرا اپنا ہی بیٹا اپنی ہی بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار آیا تھا۔ آگے اس بچی کے لیے موت ہی تو تھی جس کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ پتا نہیں کیا کیا تھا اس نے اپنی بیٹی کا یہ ہمیں معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی اس نے بتایا۔

ہم نے اس کے میامی سے تنہا واپس آنے پر اس کی بہت منتیں کی بہت گڑ گڑائیں بہت روئیں، ہاتھ جوڑ کر اس سے کہا کہ جاؤ ہماری بچی کو واپس لے آؤ، لیکن کوئی کیسے ایسا پتھر دل ہو سکتا ہے۔ کیا میری تربیت میں اتنی کمی رہ گئی تھی کہ وہ اپنی پھول سی بچی کو ایک انجان ملک کے انجان شہر میں چھوڑ آیا تھا۔

بچاری میری بہو لائبہ تو اپنی بیٹی کے دُکھ میں پاگل ہو رہی تھی آہستہ آہستہ۔ ارشد روز ہی آفس سے دیر سے آتا تھا اور آتے ساتھ ہی وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگ جاتے، ارشد تو کافی دفعہ اپنی ہی بیوی کو تشدد کا نشانہ بھی بنا چکا تھا۔ پھر اس کا

روز کا یہی معمول بن گیا، وہ آفس سے رات کو دیر سے آتا اور جب لائبہ اس سے دیر سے آنے کا سبب پوچھتی تو وہ اپنی بیلٹ سے اسے کمرے میں بند کر کے بہت مارتا۔ لائبہ کی چیخ و پکار میں اپنے کمرے میں بھی صاف سُن پا رہی ہوتی تھی، وہاں اگر وہ اذیت میں ہوتی تھی تو میں بھی سُکھ میں نہ تھی، لائبہ کی چیخیں میرا دل چیر کر رکھ دیتی تھیں، بہت دفعہ میں نے کمرے میں جا کر ارشد کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ تو اپنی سارے احساس ہی کھو بیٹھا تھا۔ اپنی ہی ماں کو کمرے سے دھکے دے کر نکال دیتا۔ پتا نہیں کیوں وہ ظالم بنتا جا رہا تھا، میرا بیٹا اس طرح کا تو نہ تھا۔

وقت کا کام تھا گزرنا، سو وہ تو گزرتا گیا۔ میری پوتی کے جانے کے کچھ سال بعد ہی اللہ نے لائبہ اور ارشد کو ایک بیٹے سے بھی نواز دیا۔ مجھے لگا کہ چلو اب دونوں میاں بیوی میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آخر اللہ نے ارشد کو ایک بیٹے اور لائبہ کو ایک بچے سے جو نواز دیا تھا پر ہائے رے میری غلط سوچ۔

میکائیل کے آنے کے بعد بھی ارشد کا رویہ لائبہ کے ساتھ ٹھیک نہ ہوا۔ وہ تب بھی لائبہ کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا تھا۔ لائبہ کو جہاں بیٹے کے آنے کی خوشی تھی وہیں ارشد کا رویہ اسے اندر ہی اندر مار رہا تھا۔ زندگی پھر سے اپنے معمول پر چلنے لگی تھی کہ ایک دن ہمیں معلوم ہوا کہ ارشد دوسری شادی کر چکا ہے۔ اور وہ بھی تب سے

نہیں بلکہ میکائیل پیدا ہونے کے پانچ سال پہلے سے۔ ارشد کی دوسری بیوی سے اس کا ایک چار سال کا بیٹا بھی تھا۔ لائبہ تو یہ سب جان کر بلکل پاگل ہو گئی تھی، دُکھ، اذیت، تکلیف، برداشت ان سب سے تنگ آکر اس نے خودکشی کر لی۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ اس کا ایک بیٹا بھی موجود ہے اس دنیا میں جو کچھ دن پہلے ہی اس دنیا میں آیا ہے۔

لائبہ کے جانے کے بعد ارشد اپنی دوسری بیوی خدیجہ کو گھر لے آیا۔ میرے ساتھ تو اس کا رویہ پہلے سے ہی روکھا روکھا تھا۔ خدیجہ کے گھر میں آنے کے بعد تو اس نے مجھے کچھ سمجھنا ہی چھوڑ دیا۔ ایک دن اپنی بیوی کی باتوں میں آکر اس نے مجھے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا میرے سامان سمیت۔ بقول ارشد کی بیوی کہ وہ میرا کچھ بھی گھر میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ بھلا کوئی اپنی سگی ماں کے ساتھ بھی ایسا کرتا ہے؟

میکائیل تو ابھی بہت چھوٹا تھا۔ سوتیلی ماں تو سنبھال نہیں سکتی تھی اور باپ کو اپنے بیٹے کی کوئی فکر ہی نہ تھی۔ اسے تو اپنا پہلا بیٹا ہی بہت عزیز تھا۔ جب ارشد نے مجھے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا تو خدیجہ نے میکائیل کو بھی مجھے تھما دیا۔ میں بہت روئی بہت گڑگڑائی کہ میں اس چھوٹے سے بچے کو لے کر کہاں جاؤں گی لیکن کسی نے

میری ایک نہ سُنی۔ میں میکائیل کو لے کر لاہور سے واپس اسلام آباد آگئی۔ جو پیسے میں نے بچائے ہوئے تھے ان سے ایک چھوٹا سا گھر میں نے کرائے پر لے لیا۔ وہ گھر بھی نہ تھا بلکہ دو مرحلوں پر بنا ایک کمرہ تھا۔ تمہارے پاس آنے کی میری ہمت نہ تھی۔ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا اس کے بعد تو میں تمہیں منہ دکھانے کے بھی قابل نہ تھی۔

گھر کا کرایہ بھی دینا ہوتا تھا اور گھر کا خرچہ بھی چلانا تھا اس وجہ سے میں نے کوئی نوکری کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے نوکری تو کیا ہی ملنی تھی بس میں نے گھر کا خرچہ چلانے اور کرایہ ادا کرنے کے لیے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ میری مجبوری کو سمجھتے ہوئے میری ایک پڑوسن نے ہمدردی کے تحت میکائیل کو کام کے دوران سنبھالنے کی زمیداری لے لی۔ لیکن کوئی کسی غیر بچے کو کتنے ہی دن برداشت کر سکتا ہے اس نے بھی دوسرے دن ہی میکائیل کو مجھے واپس تھما دیا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کام مجھ سے نہ ہو گا۔

میکائیل کی وجہ سے مجھے اپنا کام بھی چھوڑنا پڑا اور میں نے اپنے محلے میں سلائی کا کام شروع کر دیا۔ شکر خُدا کا کہ اس سے گھر کا خرچ اور کرایہ پورا ہو جاتا تھا۔ دن رات میں سلائی میں لگی رہتی اور ساتھ ساتھ میکائیل کو بھی سنبھالتی۔ میکائیل

وقت کے ساتھ بڑا ہوتا گیا اور دیکھو پتا ہی نہ چلا مجھے، اور میکائیل تیرہ سال کا بھی ہو گیا۔ اب وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم ہے۔ میرا بچہ میری جان کا ٹکڑا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کی تربیت میں کوئی کمی نہ رہے۔ میرا بچہ بہت معصوم ہے۔ جب مجھے پتا چلا کہ مجھے دل کا مرض ہے تو مجھے میکائیل کی فکر لاحق ہو گئی کہ میرے جانے کے بعد اسے کون سنبھالے گا اس وقت پہلا اور آخری خیال مجھے صرف تمہارا آیا تھا۔ میرے پاس اس بچے کو تمہارے پاس بھیجنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میرا کرائے دار بہت ہی بُرا شخص ہے۔ وہ میرے جانے کے بعد میکائیل کو گھر سے نکال دے گا مجھے پتا ہے۔ اس لیے میں نے میکائیل کو سب بتا دیا ہے اور سمجھا بھی دیا ہے کہ میرے علاوہ اس کی ایک اور بھی دادو ہیں۔ بہت بھولا ہے میرا بچہ۔ اس پر ترس کھا کر یا ہمدردی جتا کر اسے اپنے پاس نہ رکھنا۔ اسے اپنا ہی پوتا بنا کر رکھنا۔ یہ ایک آخری خواہش ہے میری۔ اسے پورا کر دینا۔ اور مجھے معاف بھی کر دینا تاکہ میری روح کو سکون رہے۔

میں اپنی ایک پوتی کو بہت پہلے ہی کھو چکی ہوں۔ اب میکائیل کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتی۔ پتا نہیں ارشد نے میری پوتی میری بچی کا کیا، کیا ہو گا؟ وہ اس وقت

زندہ بھی ہو گی کہ نہیں۔ میامی میں چھوڑ آیا تھا وہ میری بچی کو......... میری جان کو......... میرے پھول کو......... میری بیٹی کو......... میری زعیمہ کو۔

شمائلہ بیگم آگے کے الفاظ پڑھ ہی نہ پائیں۔ انہوں نے جھٹ سے اپنی آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر زی کو دیکھا تھا۔

زی تو خود سب کچھ سننے کے بعد ساکت و جامد کھڑی تھی اپنی جگہ۔ باقی سب کو بھی جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ سب زی کو دیکھ رہے تھے۔ حیرت سے......... بے یقینی سے......... یہ کیا راز کھل چکا تھا......... ہاں شاید یہ ایک راز نہیں تھا۔ ایک معجزہ تھا۔ جو خُدا کی طرف سے ہوا تھا۔

زی اچانک ہی عجیب سے انداز میں پھیکا سا مسکرائی تھی......... اس کی پھیکی سی مسکان وہاں کھڑے نفوس کا دل چیر گئی تھی۔ اس کی پھیکی سی مسکراہٹ میں کچھ الگ تھا......... شاید وہ پھیکی سی مسکراہٹ لاکھوں، کروڑوں آنسوؤں سے مل کر بنی تھی۔ وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ وہ زی تھی۔ زی کو سب آتا تھا......... بے شک زی کو اپنی تکلیف اور دُکھ بھی چھپانے آتے تھے......... اس لڑکی کو سب آتا تھا......... وہ لڑکی ایک ایسی بند کتاب کی طرح تھی جسے ان لوگوں نے کھول تو لیا تھا......... لیکن پڑھ نہیں پائے

تھے........ایک الگ زبان میں لکھی گئی تھی اس کی کتاب........... بھلا کوئی کیسے پڑھ لیتا۔

شمائلہ بیگم اور زویا کے تو آنسو ہی نہ تھم رہے تھے۔آہل اور صائم تو شاک کی سی کیفیت میں کھڑے اس مضبوط سی لڑکی کو دیکھ رہے تھے جواب اپنے چھوٹے بھائی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"اپنی بہن سے نہیں ملو گے؟"۔

زی کی آنکھیں آج پھر سے ویران ہوئی تھیں، لیکن اس کی پھیکی سی مسکان جواب اس کے لبوں سے جُدا نہیں ہو رہی تھی، وہاں کھڑے لوگوں کو اندر تک ہلا دینے کی طاقت رکھتی تھی۔

خان بابا بھی بہت کچھ سمجھ گئے تھے۔اور زی کی وہ مسکراہٹ، ان کا اپنا دل دہلا گئی تھی۔وہ بھی شمائلہ بیگم اور زویا کی طرح رو پڑے تھے۔

"آپ میری بہن ہیں؟"۔

میکائیل نے کچھ جوش اور خوشی سے پوچھا تھا۔

"ہاں، میں تمہاری بہن ہوں۔ تم نے ابھی ساری سٹوری سنی نا جو دادو نے سنائی ہے؟"۔

زی شاید میکائیل سے پوچھ رہی تھی، اس نے اپنی زندگی کی حقیقت کو ایک کہانی کا نام دے دیا تھا۔ آہل اور صائم کی آنکھوں سے بھی لاکھ ضبط کے باوجود دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔ ان کا لاکھ ضبط زی کی لاکھوں کڑوروں آنسوؤں سے بنی مسکان کے آگے کچھ نہ تھا۔ وہ زی کے جیسا ضبط نہیں رکھتے تھے۔ وہ مرد ہو کر زی کے جیسا ضبط نہیں رکھتے تھے۔

"ہاں، میں نے سنی۔"

میکائیل نے سر اثبات میں ہلایا۔ اسے "کہانی" پوری تو سمجھ نہ آئی تھی لیکن جو اسے سمجھ آیا تھا اس نے وہ سمجھ کر سر ہلایا۔

"اس سٹوری میں جو آپ کی بہن کھو گئی تھی، جس کا نام زعیمہ تھا، وہ میں ہی ہوں۔"

زی نے میکائیل کی شرٹ کا کالر ٹھیک کرتے اسے بتایا۔

"اچھا! تو مطلب آپ بھی دادو کو مل گئی تھیں؟"۔

میکائیل نے اپنا اندازہ لگایا۔ زی نے بھی ہنوز پھیکی مسکان کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ وہ روتی تو ان لوگوں کو اتنی تکلیف نہ ہوتی لیکن اس کی پھیکی مسکان......... حد سے زیادہ جان لیوا ہو رہی تھی۔

"اچھا تو آج سے آپ میری زعیمہ آپی ہیں۔"

میکائیل بہت خوش ہو رہا تھا۔ اس کی خوشی کو دیکھتے ہوئے زی کی پھیکی سی مسکان ایک مسکراہٹ میں بدل گئی تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ ان لوگوں کے دلوں پر ٹھنڈے پھوار کا کام کر گئی تھی۔ زی نے میکائیل کے دونوں گال چوم کر اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

"میرا بچہ"......!

زی کے منہ سے یہ دو الفاظ نکلے تھے۔

"کچھ کھاؤ گے؟"۔

وہ اپنے چھوٹے بھائی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میں کھا کر آیا ہوں۔"

وہ بڑی صفائی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ زی کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔

"تم دو ہفتے سے کہاں تھے؟ مجھ سے جھوٹ مت بولنا مجھے جھوٹ پسند نہیں۔"

وہ پوچھ رہی تھی۔رعب سے۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا، میں تو بس سچ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا گیا۔وہ زی کا ہی بھائی تھا۔جواب اسے بھی کھٹاک سے آتے تھے۔زویا نم آنکھوں سے مسکرائی تھی یہ منظر دیکھ کر۔

"پھر سچ کو چھپاؤ نہیں، مجھے بتاؤ۔"

ایک حکم سنایا گیا تھا۔

"دو ہفتے پہلے دادو کے انتقال کے بعد مجھے ہمارے مکان مالک نے گھر سے نکال دیا۔مجھے دادو نے اس گھر کا ایڈریس دیا تھا تو میں یہاں آ گیا۔لیکن یہاں پر دادو نہیں تھیں۔جس کی وجہ سے میں واپس چلا گیا۔"

اتنا سا جواب دے کر وہ اپنا منہ بند کر گیا تھا۔

"کہاں؟"۔

زی کے پاس اگلا ایک لفظی سوال پہلے سے ہی موجود تھا۔

"گھر"!

جواب پھر سے آیا تھا۔

"کس کے؟"۔

وہی رعب والا لہجہ۔

"مکان مالک کے"!

وہ سچ چھپا رہا تھا...... پھر سے۔

"سچ نہیں چھپاؤ، سب بتاؤ۔"

اب لہجہ غصہ لیے ہوئے تھا۔

"ٹھیک ہے بتاتا ہوں۔ میں ادھر ہی رہ رہا تھا آپ کے گھر میں۔"

اب وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ وہ سچ نہیں چھپا رہا تھا۔ اس کی بات پر سب کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا سوائے زی کے۔

"تم......... ادھر......... اس گھر میں رہ رہے تھے؟"

آہل کی طرف سے سوال آیا تھا۔ وہ اچھنبے سے پوچھ رہا تھا۔ وہ سب بھول رہے تھے کہ وہ کس کا بھائی تھا۔ ابھی ابھی تو سب کو معلوم ہوا تھا اور وہ سب اتنی جلدی بھول رہے تھے۔

"جی میں ادھر ہی رہ رہا تھا۔ یہاں کے لوگوں کو تو پتا بھی نہیں چلا۔ اگر کوئی چور گھر میں گھس آئے انہیں تو پتا ہی نہیں چلے گا۔ میں ادھر ہی کھاتا پیتا تھا اور اِدھر ہی سوتا تھا۔"

وہ سچ تو بتا رہا تھا۔ لیکن کچھ چھپا رہا تھا۔

”تم پچھلے دو ہفتوں سے یہاں تھا۔“

خان بابا کی تو حیرت سے آنکھوں کی پتلیاں ہی سکڑ گئی تھیں۔

”جی، خان بابا“!

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

”تم پچھلے تین دن سے کہاں تھے؟“۔

زی کا سوال سب کو چونکا گیا تھا۔

”اتنے سوال تو کبھی دادو بھی نہیں پوچھتی تھیں۔“

وہ اپنا چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے منہ پھلا کر بولا۔

”مجھے بتاؤ کہ تم تین دن سے کہاں تھے؟ اور مجھے سچ ہی سننا ہے۔“

زی نے اپنا سوال دوہرا کر تنبیہہ کرنے والے انداز میں کہا۔

”میں تین دن پہلے ہی صبح صبح یہاں سے نکل کر باہر گیا تھا۔ دو ہفتوں سے بند رہ کر اس گھر میں تھک گیا تھا اس لیے بس چہل قدمی کے لیے نکلا تھا۔ میں سڑک پر جا ہی رہا تھا کہ دو آدمی مجھے مالامال سمجھ کر اغوا کر کے لے گئے۔“

وہ بڑے مزاحیہ انداز میں بول کر ان سب کا سکون غارت کر گیا تھا۔

”آ گے؟“۔

زی کی آنکھیں سُرخ مائل رنگ کی ہو رہی تھیں۔ پہلے جو آنکھیں خالی سی نظر آ رہی تھیں میکائیل کی باتوں سے وہ اتنی ہی سُرخ ہو رہی تھیں۔

"آگے کیا! انہوں نے کہا اپنے ماما بابا کا فون نمبر دو۔ میں نے انہیں سچ بتایا کہ میرے ماں باپ ہی نہیں ہیں۔ وہ بولے کہ ہم سے ہوشیاری کر رہا ہے۔ میں نے کہا کر رہا ہوں۔ تو انہوں ایک زوردار تھپڑ میرے گال پر مارا۔ سچ میں ابھی تک درد کر رہا ہے میرا گال۔"

میکائیل نے ہاتھ اپنے گال پر رکھ کر منہ بنا کر بتایا۔ زی نے غصے اور ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ صائم اور آہل کا حال بھی اس سے کچھ کم نہ تھا۔ زویا اور داد و تو حیرت سے اس پٹاخہ سے بچے کو دیکھ رہے تھے۔

"انہوں نے دو دن مجھے اپنے پاس رکھا، اور آج میں ان کی دھلائی کر کے آ رہا ہوں۔ انہوں نے "میکائیل ارشد رمیض" کو اپنے پاس رکھنے کی ہمت کی تھی، ایسے ہی چھوڑ آتا انہیں۔"

وہ تیرہ سال کا بچہ......... خیر اب وہ تیرہ سال کا بچہ تو بلکل نہیں لگ رہا تھا......... لیکن ہاں،......وہ زی کا بھائی ضرور لگ رہا تھا۔

زی بے ساختہ ہی مسکرا اٹھی تھی۔زی کیا وہاں کھڑے سب لوگ ہی مسکرا اٹھے تھے اس بچے کی دیدہ دلیری پر۔

”میرا شیر“!

زی نے اسے ایک خطاب سے بھی نواز دیا تھا۔

”میری شیرنی“!

میکائیل نے زی کے گال زور سے کھینچ کر اسے بھی ایک خطاب سے نواز دیا تھا۔

ہال میں ان سب کا ایک زوردار قہقہہ گونجا تھا،ان میں سے ایک کے قہقہے کے پیچھے چھپے درد کو کوئی بہت اچھے سے سمجھ گیا تھا۔

شمائلہ بیگم بھی ہنس رہی تھیں جب ان کی نظر اپنے ہاتھ میں موجود اپنی اکلوتی بہن کے خط پر پڑی۔اس خط کو دیکھتے ہوئے ان کے منہ سے چند الفاظ ادا ہوئے تھے۔

”میں نے تمہیں معاف کیا۔“

ایک ہفتے بعد

"زعیمہ ارشد، ولد ارشد رمیض آپ کا نکاح سکہ رائج الوقت پچاس لاکھ روپے آہل احمد ولد محمد احمد بٹ سے کیا جاتا ہے، آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"۔

قاضی صاحب زی سے پوچھ رہے تھے۔ آج ان کا پھر سے نکاح ہو رہا تھا زی کی ولدیت کے ساتھ۔

"قبول ہے"...!

زی نے لال گھونگھٹ کے پیچھے سے سر ہلا کر جواب دیا۔ مولوی صاحب نے دوسری اور تیسری بار پوچھا تو زی نے "قبول ہے!..." میں جواب دیا۔ آج ان کا نکاح صحیح طریقے سے ہو چکا تھا۔ ان کی زندگی میں سب ٹھیک ہو چکا تھا۔ لیکن.........

"زویا! شرم کر لو، تھوڑی دیر صبر نہیں کر سکتی، ابھی کھانا مل جائے گا تو کھا لینا۔ کتنی شودی ہو تم۔"

صائم تپ کر زویا سے کہہ رہا تھا جو اس کے ساتھ والے صوفے پر گھونگھٹ میں بیٹھی اس سے کھانے کی فرمائش کر رہی تھی۔ (ان کی زندگی شاید ایسے ہی نوک جھونک میں گزرنی تھی۔)

”زویاآپی! یہ کھالیں۔ابھی ابھی باہر سے خرید کرلایاہوں۔میں نے سوچاکہ کہیں میری آپی میری طرح بھوکی نہ بیٹھی ہوں۔“

میکائیل آئس کریم زویاکی طرف بڑھاتے بولاجوکہ وہ لایاتواس کے لیے تھالیکن اپنی آئس کریم کھانے کے باوجودوہ اس کی بھی آدھی کھاچکاتھا۔

”ہائے،میرابھائی کتناکتناکتنااااچھاہے۔صرف میرے بھائی کوہی میری فکرہے بس۔شوہرتوبس نام کاشوہرہے۔“

زویانے جھٹ سے میکائیل کے ہاتھ سے آئس کریم تھامتے اس کی تعریف کی۔

میکائیل کی توگردن فخرسے اونچی ہوگئی تھی۔اس نے آدھی آئس کریم اسے تھماکراتنابڑاکارنامہ جوسرانجام دیاتھا۔

صائم نے افسوس سے زویاکے ہاتھ میں موجودآدھی بچی کچی آئس کریم کودیکھاتھا۔

”پیسے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟“۔

تھوڑے فاصلے پرآہل کے ساتھ دوسرے صوفے پربیٹھی،گھونگھٹ کے پیچھے سے زی نے سوال کیاتھا۔وہ میکائیل کاساراکارنامہ سُن چکی تھی۔

”آہل بھائی سے لیے تھے۔“

میکائیل کاتواندازہی نرالاتھا۔

”کتنے؟“۔

زی نے اگلا سوال کیا۔ وہ دلہن بنی بیٹھی بھی اپنے بھائی سے سارے حساب کتاب کر رہی تھی۔

”پورے ایک ہزار روپے۔ ان کے پاس تو کھُلے پیسے ہی نہیں ہوتے۔ پھر میں نے ہزار ہی لے لیا۔“

میکائیل نے گردن کڑا کر بتایا۔

”باقی کہاں گئے؟“۔

اُف.........ایک تو زی کے سوال۔

”باقی میں نے بچارے آئس کریم والے کو ہی دے دیے۔ بچارا بہت غریب تھا۔ میں نے ٹھیک کیا نہ آہل بھائی؟“۔

میکائیل نے زی کے ساتھ صوفے پر بیٹھے آہل سے تائید چاہی۔

”بلکل ٹھیک کیا ہے میرے شیر نے۔“

آہل نے شرارت سے ایک آنکھ دبا کر میکائیل کی بات پر اکتفا کیا۔

میکائیل کی گردن کچھ اور زیادہ اکڑ چکی تھی۔

”ایسے ہی اُڑاتے رہنا اپنے بھائی کا پیسہ۔“

زی نے گھونگھٹ کے پیچھے غصے سے کہا۔

"ٹھیک ہے، آپی، میں آپ کی بات کا مان رکھوں گا۔"

میکائیل نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑی فرمانبرداری سے کہا۔ وہ بھی اسی کا بھائی تھا آخر۔ جواب کھٹاک سے دیا تھا اس کے طنز کا۔

آہل، صائم اور زویا، تینوں نے ہی اس کی بات پر اپنا قہقہہ روکا تھا۔ جبکہ زی نے گھونگھٹ کے پیچھے سے اسے غصے سے گھورا تھا۔

"آہل بھائی! مجھے واشروم جانا ہے۔ آپ میرے ساتھ آجائیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔"

میکائیل بے چارگی سے آہل کو کہہ رہا تھا۔

"تم اکیلے ان اغواکاروں کے پاس سے بھاگ کر آسکتے ہو، اکیلے آئس کریم لینے جا سکتے ہو لیکن واشروم نہیں جا سکتے۔ اب وہ بچارا دُلہا تمہارے ساتھ جائے گا۔"

دادو جو کہ ان کی ساری گفتگو سُن چکی تھیں اس لیے میکائیل سے بولیں۔

"یہ تو آپی کے دُلہا ہیں لیکن میرے تو بھائی ہیں۔ وہ تو دراصل میں واشروم گیا تو تھا لیکن واشروم کی کنڈی اوپر کو لگی ہوئی تھی، اور میرا ہاتھ اوپر نہیں جا رہا تھا۔ اب میں بغیر کنڈی کے تو واشروم بلکل نہیں جا سکتا۔ آخر میری عزت کا سوال ہے۔"

واہ...... کیا بات کہی تھی میکائیل نے۔ شمائلہ بیگم نے اسے افسوس سے گھورا تھا۔

”چلو“.........!

آہل صوفے سے اٹھتا، میکائیل سے بولا۔ایک ہفتے میں وہ اتنا تو سمجھ ہی گیا تھا میکائیل کو۔اب وہ صاف سمجھ رہا تھا کہ اس کا شیر اس سے کوئی بات کرنا چاہ رہا ہے۔

”نہیں......کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں جانے کی، میں گارڈ کو بولتی ہوں وہ چلا جائے گا اس کے ساتھ۔“

دادوان کو کہہ کر گارڈ کو آواز دینے ہی لگی تھیں کہ میکائیل بول پڑا۔

”نہیں جی، میں تو آہل بھائی کو ہی لے کر جاؤں گا۔ جلدی سے چلیں آہل بھائی۔ مجھے ایمرجنسی ہے۔“

میکائیل نے آہل کو اس کی آستین سے تھاما اور جلدی سے اسے سٹیج سے اتار کر لے جانے لگا۔آہل بھی اپنی مسکراہٹ دباتا اس کے ساتھ جانے لگا۔گھونگھٹ کے پیچھے سے آئس کریم کھاتی زویا کا تو قہقہہ ہی اُبل پڑا تھا۔صائم کی تو اپنی ہنسی نکل گئی تھی۔زی بھی مسکرادی تھی۔اتنا تو اسے بھی پتا چلا گیا تھا کہ ایمرجنسی کس بات کی ہے۔آخر بہن جو تھی اس نواب کی۔

دادو تو بس ہک دک سی کھڑی رہ گئی تھیں۔

”فرزانہ نے ایک بات غلط کہی تھی۔وہ لڑکا معصوم تو بلکل نہیں تھا۔“

"اب جلدی سے بتاؤ کیا بات ہے جو تم ان سب کے سامنے نہیں کہہ سکتے تھے۔"
وہ دونوں ایک کونے میں آ چکے تھے۔ اور آہل اب گھٹنوں کے بل بیٹھا اس سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ نا، آہل بھائی! میں نے آپ کو یہ بتانا تھا کہ میں تو کسی کو بھی ایک پیسہ زیادہ نہیں دیتا۔ وہ تو بچارے آئسکریم والے انکل بہت بوڑھے تھے، اور پریشان بھی لگ رہے تھے، تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ان کی بیٹی کی شادی ہے کل۔ اور ان کے پاس پیسوں کی کمی بیشی ہے۔ اس لیے وہ آج بھی آئس کریم بیچ رہے تھے۔ پھر مجھے ان پر آ گیا ترس۔ اور میں نے انہیں سارے ہی پیسے دے دیے، اب میں سوچ رہا ہوں کہ ان کے پاس جا کر آئس کریم بیچنے میں ان کی مدد کر وا دوں۔ لیکن میری عمر کہاں ہے آئس کریم بیچنے کی، اس لیے آپ جا کر ان کی مدد کر دیں۔"

میکائیل نے ساری تفصیل بتا کر اسے مدد کرنے کا کہا۔ آہل تو حیرت سے پھٹی آنکھوں سے اس نواب زادے کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن پھر اپنی حیرت پر قابو پاتے اپنی مسکراہٹ دباتے بولا۔

”تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں جا کر آئس کریم بیچوں۔“

”واہ، آپ تو بہت عقل مند ہیں۔“

میکائیل نے آہل کی عقل کو داد دی۔

”اور یہاں میری جگہ دُلہا کون بنے گا؟“۔

آہل نے اپنی ابرو اچکا کر پوچھا۔

”میں بن جاتا ہوں۔“

میکائیل نے اس کی مشکل آسان کی۔ آہل کی تو ہنسی ہی نکل گئی۔

”نواب صاحب! چلو میرے ساتھ۔“

آہل میکائیل کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ ہال سے باہر لے جانے لگا۔ اس کا ارادہ اب آئس کریم والے بابا کو کچھ رقم تھمانے کا تھا۔

”میں پہلے ہی بتا رہا ہوں، آہل بھائی، میں آئس کریم بلکل نہیں بیچوں گا۔“

میکائیل نے تو پہلے ہی صاف منع کر دیا تھا۔

آہل اور میکائیل اپنا کام کر آئے تھے، کھانے کا وقت بھی ہو چکا تھا اس لیے اب سب مہمان کھانا کھا رہے تھے۔

"میری شادی کب ہو گی آہل بھائی؟"۔

میکائیل، آہل اور زی کے درمیان بیٹھا ان کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جب اسے اپنی شادی کی فکر لاحق ہو گئی۔

"رُک جاؤ تم زرا۔ تمہاری شادی تو میں کرواتی ہوں۔"

زی اس کا معصوم سا سوال سُن چکی تھی۔

"ہاں پھر جلدی سے کروا دیں۔ میں نے ہال میں اینٹر ہوتے ہوئے ایک لڑکی بھی دیکھ لی ہے۔ اسی سے کروا دیں شادی میری۔"

میکائیل کو زی کے مان جانے پر کوئی بہت ہی خوشی ہوئی تھی۔ پانی پیتے آہل کو تو اس کی بات پر زور کا اچھو لگا تھا۔

"شرم کر لو۔ اور چُپ چاپ کھانا کھاؤ۔"

زی نے ایک ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگائی تھی۔نواب صاحب نے بُرا سا منہ بنایا تھا۔

وہ سب ہال سے گھر آ چکے تھے۔زویا کو صائم کے کمرے میں،اور زی کو آہل کے کمرے میں بٹھا دیا گیا تھا۔

زویا صائم کی الماری میں گھسی تلاشیاں لے رہی تھی جب صائم کمرے میں داخل ہوا۔اور جب اس نے دیکھا کہ میڈم کیا کام کر رہی ہیں تو اس کا ہارٹ فیل ہوتے ہوئے بچ گیا۔

"زویا!چھوڑو میری الماری کو،کیا کر رہی ہو؟"۔

صائم نے اس کا بازو تھام کر اسے پیچھے دھکیلا۔

"صائم!میں تو اپنی چیزیں دیکھ رہی تھی۔یہ دیکھو میرے کھلونے پڑے ہیں یہاں،اور یہ تو دیکھو میرے ہی کپڑے ہیں۔اور یہ دیکھو میرے ہیئر بینڈز۔ہائے اللہ صائم!تم نے تو میری ساری چیزیں سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔"

زویا پھر سے الماری کی طرف بڑھی اور ساری چیزیں حیرت اور خوشی دیکھنے لگی۔

”شرم تو نہیں آرہی نہ، کسی کی پرسنل چیزوں کو دیکھتے ہوئے۔“

صائم کو اپنا بھانڈا پھوٹتا ہوا نظر آرہا تھا، بلکہ پھوٹنا بھی کیا تھا، پھوٹ چکا تھا۔

”ارے۔اس میں شرم کیسی؟ یہ تو میری چیزیں ہی ہے نہ،اور ویسے بھی تمہاری پرسنل چیزیں میری ہی تو ہیں۔اچھا یہ دیکھو یہ تو میرا پسندیدہ بھالو تھا۔اُف، صائم! تم کتنے اچھے ہو۔“

صائم کے دونوں ابرو حیرت سے اٹھے تھے اس کی آخری بات پر۔وہ.....اور اچھا........اور وہ بھی زویا کی نظر میں........ناقابل یقین........زویا اپنا مہرون لہنگا سنبھالتی زمین پر بیٹھ چکی تھی اور ٹوائے کار کو زمین پر دوڑا کر دیکھ رہی تھی۔

”تھوڑی سی شرم کرو اور اٹھو یہاں سے۔“

صائم نے اس کا بازو تھام کر اسے اٹھایا۔

”ایک منٹ، صائم! پہلے میں یہ گڑیا کو نچا کر دیکھ لوں۔“

زویا نے ناچنے والی گڑیا کو الماری سے نکالا اور اس کو نچانے کے لیے زمین پر پھر سے بیٹھنے ہی لگی تھی کہ صائم نے اس کا بازو تھام کر جھٹکے سے اسے اپنے قریب کیا۔زویا فوراً اس کے سینے سے جا لگی۔صائم نے زویا کو کمر سے تھام کر اپنے حصار میں لیا۔

"کبھی مجھے بھی دیکھ لیا کرو۔"

اس کے منہ سے اچانک ہی نکلا تھا وہیں زویا کا چہرہ بھی شرم سے لال سُرخ ہوا تھا۔

"چھوڑو مجھے، صائم۔"

زویا نے اپنے آپ کو صائم کی گرفت سے آزاد کروانا چاہا۔ کیونکہ صائم کی گرفت سخت سے سخت ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے حسین سراپا کو دیکھ کر بے خود ہو رہا تھا۔ پھر بے ساختہ ہی وہ جھکا تھا اور اس کے گال پر شرعی رشتے کی رو سے ایک مہرِ محبت ثبت کی تھی۔ زویا نے اپنی آنکھیں بند کر کے اس کے ہونٹوں کے لمس کو اپنے گال پر محسوس کیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے میں نے اللہ سے دُعا مانگی تھی کہ اگر تم مجھے مل گئی تو میں تمہارے ساتھ مل کر شکرانے کے دو نوافل ادا کروں گا۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زویا۔ اتنی کہ اگر تم مجھ سے دوبارہ دور ہو گئی تو خدارا میں مر جاؤں گا۔ تم سے دور ہونے کا خیال ہی میری سانسیں روک دیتا ہے۔"

اس سے خوبصورت اظہارِ محبت بھی ہو سکتا تھا بھلا۔ زویا تو اپنے مجازی خُدا کے منہ سے اتنا خوبصورت اعترافِ محبت سُن کر ساکت ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر ساکت آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی چمکی تھی۔ وہ تھوڑا سا اوپر کو اٹھی

اور اپنے سے بڑے قد کاٹھ کے مالک، اپنے مجازی خُدا کی پیشانی پر جھکی تھی اور اپنی محبت کی پہلی مہر ثبت کی تھی۔ صائم کے لب آہستہ سے مسکرا اُٹھے تھے۔

''اس سے زیادہ خوبصورت جواب نہیں ہے میرے پاس۔''

وہ اس کے سینے پر اپنا سر رکھ کر بولی تھی۔

''مجھے اس سے اچھا اور حسین جواب چاہیے بھی نہیں۔''

وہ بولا تھا۔

''چلو! وضو کر کے آتے ہیں۔ پھر شکرانے کے نوافل بھی تو ادا کرنے ہے۔''

زویا نے خوشی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر اثبات میں ہلایا تھا۔

آہل نے کمرے میں داخل ہو کر کمرے کا دروازی بند کیا۔ اور بیڈ پر بیٹھی اس کا انتظار کرتی زی کی طرف بڑھا۔

''جلدی سے اٹھو''!

اس کے پاس پہنچ کر اس نے کہا۔

"لیکن کیوں؟"۔

زی نے اچھنبے سے پوچھا۔

"اتنی خوشیاں ملنے کے بعد شکرانے کے نفل نہیں ادا کرو گی کیا۔"

اس نے ابرو اچکا کر اور مسکرا کر کہا۔

زی بھی خوش دلی سے مسکرائی تھی۔

ان دونوں نے وضو کیا اور ایک ساتھ شکرانے کے نفل ادا کرنے شروع کیے۔ نفل ادا کرنے کے بعد آہل نے زی کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ! کیسا لگ رہا ہے یہ سب کچھ؟"۔

وہ پوچھ رہا تھا۔

"ایک حسین خواب۔"

تین لفظوں میں جواب آیا تھا۔ وہ ہنسا تھا۔

"تمہیں مجھ سے محبت کب ہوئی تھی؟"۔

وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں یہ کبھی نہیں بتاؤں گی۔"

صاف جواب آیا تھا۔

"کیوں؟"۔

اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میری مرضی"!

وہ بھی زی تھی، آسانی سے کیسے بتا دیتی۔ آہل نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

"اور آپ کو مجھ سے محبت کب ہوئی تھی؟"۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اسے ضرور بتائے گا۔ اس لیے اس نے پوچھا تھا۔

"جب تم نے ڈولفن مال کے باہر اس لڑکی کا ہار چُرایا تھا۔"

یہ کہہ کر اس نے زی کے تاثرات دیکھے۔

"لڑکی؟"۔

وہ ہنسی تھی۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔ اپنی پہلی ملاقات۔

"عورت بھی ہو سکتی ہے۔"

وہ شرارت سے ایک آنکھ دبا کر بولا تھا۔ اس بار وہ دونوں ہنسے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی تیسرا بھی ہنسا تھا۔ انہوں نے سرسری نگاہ سے ہنستے ہوئے سامنے دیکھا تھا لیکن اگلے ہی پل ان کی ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔

”کیا ہوا؟ کوئی جن آگیا کیا؟“۔

میکائیل نے خوف سے اِدھر اُدھر دیکھتے پوچھا۔

”تم......... تم یہاں کیسے آئے؟ میں نے تو دروازہ لاک کیا تھا۔“

آہل کا حیرت سے بُرا حال تھا، اس وقت میکائیل کو اپنے سامنے دیکھ۔ وہ پتا نہیں کہاں سے اچانک آدھمکا تھا۔

”میں......... میں تو ٹیرس سے آیا ہوں۔“

بڑی ہی پُرجوشی سے اپنا کارنامہ بتایا گیا۔

”ٹیرس سے کیسے؟“۔

آہل کی حیرت عروج پر تھی۔

”پہلے تو میں دروازے سے ہی آنے لگا تھا لیکن آپ کے کمرے کا دروازہ لاک تھا۔ میرے کمرے کا ٹیرس اور آپ کے کمرے کا ٹیرس ساتھ ساتھ ہی تو ہے۔ اس لیے میں ٹیرس سے آگیا۔ ٹیرس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لیے میں ڈائریکٹ ہی آپ کے روم میں آگیا۔“

میکائیل نے اپنے کالر کو جھٹکا دے کر بڑے فخر سے بتایا۔ آہل نے افسوس سے ایک نظر ٹیرس کے کھُلے دروازے کو دیکھا اور پھر بے چارگی سے زی کو جو کہ اپنی مسکراہٹ دبانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"اچھا! بتاؤ کیا کام تھا؟"۔

آہل نے ایک گہرا سانس لے کر سوال کیا۔

"نہیں کام تو مجھے کوئی خاص نہیں تھا۔"

میکائیل نے عام سے انداز میں کہا۔

"پھر جاؤ اپنے کمرے میں، اور سو جاؤ۔"

آہل نے اپنے سر سے اس آفت کو ہٹانا چاہا۔

"میں تو نہیں جاؤں گا۔"

اپنی دندیوں کی نمائش کرتے ہوئے نہایت ہی ڈھیٹ انداز میں کہا گیا۔

"اُف! کتنے ضدی ہو تم۔"

آہل کا دل کیا کہ اپنا سر دیوار میں مار لے۔ زی کو اپنی ہنسی روکنا اب بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"دیکھو! ہمیں بہت نیند آرہی ہے۔ ہم سونے لگے ہیں تم بھی سو جاؤ۔"

آہل نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اسی لیے تو آیا ہوں میں۔ وہ دراصل مجھے ڈر لگ رہا تھا اپنے کمرے میں۔"

وہ لڑکا سرے کا جھوٹا تھا۔

"تو پھر تم دادو کے کمرے میں چلے جاؤ۔"

آہل کیسے بھی کر کے اسے وہاں سے بھیجنا چاہ رہا تھا۔ پر وہ تو نواب صاحب تھا۔ کیسے کسی کی سُن لیتا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے میں ادھر نہیں گیا ہوں گا۔ میں گیا تھا اُدھر۔ لیکن دادو خراٹے لیتے ہوئے سو رہی تھیں۔ اور مجھے شور میں نیند نہیں آتی۔"

ہر بات کا جواب تو اس کے پاس تھا۔

"تو......... تو تم زویا اور صائم کے پاس چلے جاتے۔"

آہل کا دل کیا اپنا سر دیوار میں مار لے۔

"ارے۔ ان کی تو ابھی شادی ہوئی ہے۔ اور ان کی تو آج گولڈن نائٹ ہے نہ، میں انہیں کیسے ڈسٹرب کر دیتا۔ ایسے اچھا نہیں لگتا۔"

آہل کی تو آنکھیں ہی پھٹنے والی تھیں اس کی باتوں سے لیکن زی کا قہقہہ گونجا تھا۔

"چلیں اب سو چلتے ہیں، مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔"

نواب صاحب نے ایک لمبی جمائی لی اور ان کے بیڈ کے درمیان میں اپنا ڈیرہ جمالیا۔ آہل نے ایک گھوری سے ہنستی ہوئی زی کو نوازا جس نے اس کی گھوری پر معصومیت سے کندھے اچکادیے تھے۔

”فکر نہ کریں، آہل بھائی! میں کل زویا آپی اور صائم بھائی کے ساتھ سوجاؤں گا۔“

نواب صاحب نے اسے تسلی دی۔ آہل ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ لیکن اس کی اگلی بات پر پھر سے اس کا سانس حلق میں اٹک گیا تھا۔

”اور پھر پرسوں میں دوبارہ آپ لوگوں کے پاس سوجاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے نواب صاحب۔“

آہل نے دانت پر دانت جمائے کہا۔

”اب آ بھی جائیں آپ دونوں میرے دائیں بائیں۔“

میکائیل نے انہیں جلدی آنے کی دعوت دی۔

”آپ دونوں سوئیں۔ میں زرا چینج کر کے آتی ہوں۔“

زی نے کہا اور الماری سے اپنے کپڑے لیتی واشروم چلی گئی۔

”آہل بھائی!......اُمماہ۔ آپ بہت اچھے ہیں۔“

میکائیل نے اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتا ہے میری جان، تم بھی بہت اچھے ہو۔"

آہل نے بھی اس کے گال پر بوسہ دیا۔

"آپ کو مجھ سے محبت کب ہوئی تھی، آہل بھائی؟"۔

میکائیل نے بڑی معصومیت سے پوچھ کر آہل کا دماغ لٹو کی طرح گھما کر رکھ دیا۔ وہ ان کی ساری باتیں ہی سُن چکا۔

"مجھے تم سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی تھی۔ اب سو جاؤ۔"

آہل نے بھی اسی کے انداز میں اُلٹا پھُلٹا جواب دیا۔ زی بھی چینج کر کے آ چکی تھی اور میکائیل کے دائیں جانب لیٹ چکی تھی۔ کیونکہ بائیں جانب تو آہل لیٹا تھا۔

"زی آپی! آپ کو مجھ سے محبت کب ہوئی تھی۔ آہل بھائی کو تو مجھ سے پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی۔"

زی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر میکائیل کو دیکھا اور پھر آہل کو جو دانت پر دانت جمائے مسکرایا تھا۔

کیونکہ میکائیل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"بہت فضول باتیں کرنی آ گئی ہیں تمہیں میکائیل، اب سو جاؤ جلدی سے۔"

زی نے اسے ڈپٹا۔ جس پر اس کا منہ پھول گیا۔ زی نے اس کے دائیں گال پر بوسہ دیا ارادہ اس کی ناراضی دور کرنے کا تھا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ اگلے ہی لمحے اپنی پہلی والی ٹون میں آ چکا تھا۔

"اچھا! بتائیں نا، آپ کو مجھ سے محبت کب ہوئی تھی؟"۔

وہ بہت ہی احمق سوال کر رہا تھا۔ آخر تھا تو بچہ۔

"مجھے تم سے تب سے محبت ہے جب مجھے یہ بھی نہیں پتا تھا کہ تم میرے بھائی ہو۔ بس۔ اب سو جاؤ۔"

زی نے کہتے ساتھ ہی اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ وہیں آہل نے بھی اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اب بچارا میکائیل دونوں کے حصار میں تھا۔ لیکن وہ خود کسی گہری سوچ میں گُم تھا۔ زی کی نظر جب اچانک ہی آہل پر پڑی تو اس کے دیکھنے پر آہل نے اپنی ایک آنکھ شرارت سے دبائی تھی۔ زی نے مسکرا کر فوراً سے آنکھیں موند لیں۔

"آہل بھائی اور زی آپی"!

ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے جب میکائیل نے ان دونوں کو پکارا جو کہ ہلکی ہلکی غنودگی میں جا چکے تھے۔ اس کے پکارنے پر انہوں نے صرف، "ہمم" میں جواب دیا۔

”اگر کوئی لڑکی، میرا مطلب ہے کہ میری عمر کی، جو کہ خوبصورت ہو، پیاری ہو، اچھی ہو۔ اگر وہ مجھے دیکھ لے، تو کیا اُسے بھی مجھ سے محبت ہو جائے گی؟...... میرا مطلب ہے کہ میں بھی تو آہل بھائی اور صائم بھائی کی طرح، ڈیشنگ ہوں، سمارٹ ہوں، پیارا ہوں۔ تو کیا اسے بھی مجھ سے محبت ہو جائے گی؟“۔

ماشااللہ سے ہمارے نواب صاحب نے بڑا ہی پیارا سوال کیا تھا۔ اتنا اچھا سوال کیا تھا کہ آہل اور زی کی نیند فوراً سے اُڑن چھو ہوئی تھی۔ انہوں نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ کچھ لمحے ایک دوسرے کو اسی طرح دیکھنے کے بعد ان کا ایک فلک شگاف زندگی سے بھرپور قہقہہ پورے کمرے میں گونجا تھا۔

کتنی خوشیاں آگئی تھیں ان کی زندگی میں۔ کتنے دُکھ، تکلیف، اور غم سہہ کر وہ سب اکٹھے ہوئے تھے۔ کہاں سے شروع ہوئی تھی یہ کہانی؟ امریکہ کے شہر میامی سے۔ اس انجان لڑکی سے جس کے لیے وہ سب ہی انجان تھے۔ اس انجان لڑکی سے، جسے نہ اپنا مذہب پتا تھا اور نہ ماں باپ کا۔ اس انجان لڑکی سے جو خود سے بھی انجان تھی۔ اور کہاں ختم ہو رہی تھی یہ کہانی؟ اسی انجان لڑکی پر جس نے اپنا سب کچھ کھو کر بھی پا

لیا۔ اسے اپنا بھائی مل گیا تھا۔ اسے اپنے سے جُڑے کئی رشتے مل چکے تھے۔ اسے خوشیاں مل گئی تھیں۔ اور سب سے بڑی بات۔ اسے اس کی محبت مل گئی تھی۔

اب ہم میامی میں چلتے ہیں، جہاں پاکستان کی بجائے اس وقت دوپہر کا وقت ہو رہا تھا۔ ایک تیرہ سالہ بچی اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بڑی تیزی سے چلتی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اچانک ہی سامنے سے آتے ایک آدمی سے ٹکرائی تھی۔ اس آدمی سے ٹکرانے کے بعد اس نے اس سے معافی مانگی لیکن پھر بھی وہ آدمی اسے گالیاں بکتا ہوا آگے نکل گیا۔ وہ بس ہلکا سا مسکرائی تھی اور پھر سے تیزی کے ساتھ چلنے لگی۔ اس کے چہرے پر ایک خوشگوار سی مسکراہٹ موجود تھی جو کہ جُدا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اپنی تہہ شُدہ منزل کی جانب روانہ تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ سامنے ہی اس لکڑی نما گھر کو دیکھ کر وہ بھرپور طریقے سے مسکرائی تھی جس سے اس کے گال پر پڑتا گڑھا صاف نمایا ہوا تھا۔ وہ اس گھر کے دروازے کی طرف بڑھی اور سامنے ہی بڑا سا تالا اس دروازے کو لگا دیکھ اس کا ہاتھ اپنے سر تک گیا تھا، جہاں سے اس نے اپنے بالوں میں لگی اس ہیئرپن کو نکالا تھا۔ اس ہیئرپِن کو، اس بچی نے بڑی محارت سے اس تالے میں ڈال کر گھمانا شروع کر دیا۔ کچھ

ہی دیر کی کوشش کے بعد تالا ''کلک'' کی آواز کے ساتھ کھل چکا تھا۔اس کے گال کا گڑھا پھر سے نمایاں ہوا تھا۔وہ جلدی سے اندر داخل ہوئی۔اس نے لائٹس اون کیں۔اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔اس نے اپنا چھوٹا سا ہاتھ اپنے کوٹ کی اندرونی جیب کے اندر ڈالا اور بیچ میں سے ایک بٹوا نکالا۔اس نے بٹوا کھولا اور بیچ میں سے ساری رقم نکال کر سامنے میز پر رکھی۔وہ اس رقم کو دیکھ کر پھر سے مسکرائی تھی۔اس نے بٹوے کے اندر پھر سے ہاتھ ڈالا تو اندر سے اسی آدمی کا آئی_ڈی کارڈ موصول ہوا جس سے وہ کچھ دیر پہلے سڑک پر ٹکرائی تھی۔اس نے ''کڑک'' کی آواز سے ،اس آئی ڈی کارڈ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔اس کے گال کا گڑھا پھر سے نمایاں ہوا تھا۔

ایک زی ختم ہوئی تھی تو کیا ہوا۔دوسری زی نے بھی جنم لے لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شد